دیباچہ طبع ثانی

حضرت شعلہ کی وفات کے موقعہ پر میں نے وعدہ کیا تھا کہ اُن کا کلام معہ اُن کی سوانح عمری کے نذر ناظرین کرونگا۔ مگر دقتیں ایسی رونما ہوئیں کہ وعدہ کا ایفا مشکل ہوگیا۔ سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ تیاری سوانح عمری کی طرف جو صاحبان توجہ کرسکتے تھے اور جنکے بھروسہ پر یہ وعدہ کیا گیا تھا انھوں نے دریغ توجہ فرمایا۔ میں خود اپنی بے بضاعتی سے واقف تھا اس لئے ہمت نہ کرسکا۔ چار ناچار اُن کے کلام کے مجموعہ کو ہی پریس کے حوالہ کیا۔ وہی دقتیں جو پہلے سے سدِّ راہ تھیں اب زیادہ زور کے ساتھ مقابل ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو اُن کے کلام کی تدوین ہوئی اور نہ پروف دیکھا گیا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اُن کا کلام جتنا دستیاب ہوا وہ تلف ہونے سے بچ گیا اور جو کچھ تلف ہوگیا وہ ہوگیا۔ میرے ہاتھ جو آیا وہ حوالہ قلم ضرور ہوا (بجز معدودے چند نظموں کے)۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے ایام طفولیت میں جناب مرحوم کی غزل چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ شراب آدھی کباب آدھا۔ مگر اُس غزل کی نہ مطبوعہ کاپی دستیاب ہوئی اور نہ مسودہ۔ اس لئے وہ غزل داخل کتاب نہ ہوسکی۔ علیٰ ہٰذا ایک وہ غزلہ اور تھا جس کا مطلع تھا: کہاں رکھیں گے لیجا کر لحد میں اتنے ساماں کو۔ فغاں کو بیکسی کو یاس کو حسرت کو ارماں کو۔ اور یہ جب دوبارہ علی گڑھ میں بزم مشاعرہ قائم ہوئی تھی اُس وقت پڑھا گیا تھا۔ وہ اس قدر کرم خوردہ تھا کہ پڑھنے میں نہ آیا مجبوراً اُس سے بھی ہاتھ دھوئے۔ اب رہا ذرا سا معاملہ اُن چند نظموں کا جن کو میں نے طبع ہونے سے روک لیا۔ اُن کا مختصر حال یہ ہے کہ انھوں نے چند نظمیں ہپنٹ ہی لکھ رکھی تھیں، اُن میں سے دو چار بند ردوبدل کرکے اُن کو ہی انگریزی حکام کے جلسوں میں پڑھ دیتے تھے وہ مقامی کیفیت کے باعث فوری مزہ دیتی تھیں اور بس۔

اس لئے اُن کا طبع ہونا کچھ اثر نہ رکھتا تھا البتہ اُن میں سے دو نظمیں اچھی ہیں جو شامل مجموعہ ہذا کی گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں یعنی طبع اول کے نو برس بعد صرف چند جلدیں میرے پاس باقی رہیں اُن کا فروخت کرنا میں نے بند کر دیا اور اُن کو صرف اُن کے پریمیوں کے واسطے محفوظ رکھا کیونکہ دوسرا اڈیشن نکالنا مجھے منظور نہ تھا۔ لیکن شائقین کا اصرار بدرجہ غایت ہوا تو اس کتاب کو انکے اہل خاندان کے حوالہ کیا کہ وہ جس طرح چاہیں اُس پر تصرف کریں مگر اس طرف سے بھی یہ بار میرے ہی سر پر عود کر آیا اب مجبور اس کو دوسری مرتبہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

پہلی مرتبہ سے اس کی ترتیب مضامین میں فرق کر دیا ہے۔ اب کتاب بجائے دو کے تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے میں مذہبی نظمیں دوسرے میں دیوان و جنرل نظمیں تیسرے میں قومی نظمیں۔ ہر حصہ کے صفحات کا شمار علیٰحدہ ہے اور ہر صفحہ پر پانچویں دسویں اور پندرھویں شعر پر نمبر ڈالا گیا ہے تاکہ حوالہ میں آسانی ہو جاوے۔ قلم پہلے سے جلی ہے اور چھپائی بہتر ہے۔ کاغذ پہلے کے مقابلہ میں گو کسی قدر میلا ہے مگر چھپائی میں اچھا ہے۔ پہلے سے حروف پھیلے ہوئے اور دھبہ دار نہیں ہیں۔ تصویر چھاپ کی شامل کرنے کے لئے بہت اصرار تھا چنانچہ اُس کی تیاری خاص طور پر کلکتہ میں کرانی پڑی۔ قیمت کتاب کم کر دی گئی ہے بجائے ۳ کے ۲ البتہ کچھ جلدیں بہتر کاغذ پر شائع ہوئی ہیں اُن کی قیمت ۱۲ رکھی گئی ہے سوانح عمری کے لئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مکرر نا کامیابی نصیب ہوئی اور کوئی ذریعہ نہ ہوا۔ چار و ناچار جو کچھ رطب و یابس مجھ سے ہوا وہی لیکر حاضر ہوتا ہوں اگر اس میں کمی یا غلطی پاویں تو اصلاح دیدیویں اور میرے استفادہ کے لئے اُس سے مجھے مطلع فرماویں تاکہ آیندہ کے لئے اس میں بھی ترقی ہو۔ مجھے نہ قابلیت ہے نہ مشق سخن اور نہ دعویٰ سخن فہمی۔ ایسے نابلد کی رائے جس وقعت کے لائق ہے وہ ہی ہوگی اس سے میں بھی واقف ہوں اس کتاب کی اشاعت میں عنایت فرمائے قدیم بابو اُمل بہاری لال صاحب مختار

علی گڑھ اور عزیزی بابو پریم بہاری لال پیشکار کورٹ آف وارڈس علی گڑھ نے بڑی دلچسپی ظاہر کی اور صاحب اول الذکر نے حتی الواسع مدد بھی فرمائی۔ خدا ہر دو صاحبان پر اپنی نظر عنایت فرماتا رہے۔ مجھے بابو کنہیا لال صاحب وارثی وکیل علی گڑھ نے بھی اس مسودہ کو نظر ثانی کر کر ممنون منت کیا ہے ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اہل پریس کا سب سے زیادہ مشکور ہوں کہ جنہوں نے میری نکالی ہوئی غلطیوں کو برقرار رکھا اور غلط نامہ تیار کرا کر ناظرین کو موقعہ قلم فرسائی کا دیا ناظرین بھی ان کا شکریہ ادا کریں۔ اور میرے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر مطبع کے انتخاب میں احتیاط فرماویں۔

علی گڑھ
۱۷ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء

نیاز آمال
کرشن

سوانح عمری حضرت شعلہ مرحوم

بہت غور کیا کہ جناب مرحوم کی سوانح عمری کیسے لکھی جاوے مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ ہر طرز میں قدم قدم پر دقتیں درپیش ہوئیں۔ آخر میں پرانی پڑھی ہوئی بات یاد آئی کہ شاعر کی سوانح عمری تو اُس کا کلام ہے۔ سانحہ نگار کا کام شاعر کی سوانح عمری میں صرف خارجی واقعات کی طرف اُس کے کلام سے اشارہ کر دینا ہے تب اطمینان ہوا۔ ورنہ شاعر کی زندگی یا اُس کی طبیعت کے زور کی ترقی کو کونسے الفاظ ادا کر سکتے ہیں اور اگر کر سکتے ہیں تو لائف بھی ویسی ہی شاعری ہو جاویگی۔ مگر یہ کوچہ بھی پیچدار نکلا اور نتیجہ یہ تھا کہ اردو میں زیادہ تر تغزل اور تدوین کا انتظام اُن اصولوں پر ہے جن سے ترقی فن کا اندازہ نا ممکن ہے۔ خیر باقسمت یا نصیب۔ شعلہ صاحب کے کلام میں یہ دقت صرف ۱۸۸۶ء تک ہے کیونکہ اُس کے بعد ان کی کوئی غزل نہیں لکھی گئی نہ دیوان مرتب ہوا۔ دقتیں ختم ہوئیں مسلسل نظمیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی تاریخ موجود ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ شاعر اپنی طبیعت کی آمد کے مطابق نظم لکھتا اور ان کو علی الترتیب جمع کیا کرتا۔ خیر اردو میں آمد کا ذکر کم اور آورد کا زیادہ ہے۔ شاعر کی طبع آزمائی یہاں تو اس طریقہ پر ہوا کرتی ہے کہ مصرعہ طرح کو اوپر لکھ کر نیچے قافیے لکھتا ہے اور پھر اُن کو باندھتا ہے جس پہلو سے بندھ جاویں۔ قوافی پر آورد کا زور ہوتا ہے اور غرض اس طرح سے غزل تیار ہو جاتی ہے انصاف کا مقام ہے کہ یہ شاعری آمد ہے یا آورد۔ شعلہ صاحب کے لئے بھی یہ تنگی سدّ راہ ہوئی اور ۱۸۸۶ء کے بعد انھوں نے اپنے مضمون کے موافق صنف نظم پسند کی اور تغزل کو خیرباد کہا۔

راقم الحروف کو شعلہ صاحب کی ترقی مشق دکھانی منظور ہے اور اُن کی زور طبع کے

نمونے پیش کرنا ہے۔ یہ منظور نہیں ہے کہ دیگر اساتذہ سے مقابلہ کیا جاوے اور اس ناخوشگوار زمین پر قدم رکھا جاوے اس لئے اور شاعروں کے کلام کو ہاتھ نہیں لگایا گو اپنے نقطہ خیال کو ظاہر کر دیا ہے کہ شعلہ صاحب کے طبعی حالات اور خیالات کیا تھے کہ جو نظم ہوئی جس درجہ کی ان کی شاعری ہوگی اُس پر زمانہ اُس کو خود فائز کر دیگا۔

قوم آپ قوم کے کایستھ تھے جیسا کہ آپ کے کلام کے تیسرے حصہ سے ظاہر ہوتا ہے اور منجملہ بارہ فرقہ ہائے اُس قوم کے بھٹناگر تھے۔ آپ کی شاعری میں ایک مصرعہ "سیتا جی پاوں پڑنے کو نیچا کئے ہیں سر" ۱/۱۱-۱۱۹ اس کی تائید میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر فرقہ میں مخصوص طریقے ہر بات کے ہوتے ہیں چنانچہ اظہار تعظیم کے بھی جس طریقہ سے ہوں اپنے بزرگان کی تعظیم کرتی ہیں اُس کو اصطلاحاً "پاؤں پڑنا" کہتے ہیں اور مختلف لوگوں میں یہ اظہار علیحدہ علیحدہ طریقہ سے ہوتا ہے۔ بعض میں گھٹنے چھوتے ہیں بعض میں پاؤں چھوتے ہیں۔ طریقہ مندرجہ بالا مخصوص فرقہ بھٹناگر کایستھ کا ہے۔

وطن وطن آپ کا حصار تھا اور اُس سے مالوف تھے ملاحظہ ہوں:۔

شعلہ تمام عمر رہے ہم وطن سے دور — غربتِ حصار کھنچی ہوئی ابتدا سے ہے — ۲/۱۳-۲۴

شعلہ اگر گئے بھی ملیگا وطن میں کون — غربت میں رہتے رہتے زمانہ گذر گیا — ۲/۱۸-۵۹

کہ مجھکو آتی ہے غربت میں کچھ وطن کی بو — الٰہی خیر ہو جنگل میں جی نہ لگجائے — ۲/۱۴-۶۴

یہاں ان کی آبائی اجدائی جائداد تھی کہ جس کو اور شرکاء خاندانی نے مع اُن کے ۱۸۸۵ء یا ۱۸۸۶ء میں علیحدہ کیا۔ آپ کے والد بزرگوار بسلسلہ ملازمت انگلشیہ سہارنپور چلے آئے تھے جہاں پر وہ ناظر عدالت ججی تھے۔

خاندان شجرہ آنجناب کا ۱۷۵۰ء تک موجود ہے۔ وہ رائے جگت سنگھ تک پہونچتا ہے گیارھویں پشت رائے صاحب موصوف ہیں رائے نرمل داس صاحب جد امجد حضرت شعلہ مرحوم ہوئے اُس وقت تک قانونگوی پرگنہ بھٹانہ دیاگر کی اس خاندان میں وراثتاً چلی آئی تھی



MUNSHI BANWARI LAL SHAULA
VAKIL, ALIGARH.

U. RAY & SONS, CALCUTTA.

کہ بلا اکتساب علم کتابی کے بھی اس قدر جواہرات ان کے بیان میں موجود ہیں تو سوائے اس کے اور کیا ہے کہ شاعر طبعی ہوتا ہے نہ کہ اکتسابی۔ ذکاوت اور طباعی جو شاعری کا اصل جوہر ہیں وہ ہی ان کے رہنما رہیں اور ایک مرتبہ ان کی سفارش ملک الشعراء کے لئے ملکۂ قیصرہ تک پہونچا چکی تھیں۔ عروض سے بہت واقف نہ تھے۔ خود بھی اعتراف ہے ؎

"نہ عروضی ہوں نہ ہوں واقفِ ارکانِ سخن + فاعلاتن نہ مجھے یاد نہ بابِ تفعیل" ہم ہم

ابتدائے شاعری | شاعری کب سے شروع ہوئی اس کا حال نہیں معلوم۔ منشی گھنڈی لال صاحب فرماتے ہیں کہ طفولیت سے شعر کہتے تھے مگر چھپاتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ ایک بارات میں سکندر آباد جانے کا اتفاق ہوا اُس وقت سبزہ آغاز تھا۔ منشی بالمکند بے صبر اور مرزا ہرگوپال تفتہ زندہ تھے جب رسم غزلخوانی ادا ہوئی جو درحقیقت لڑکوں کی تعلیم کا امتحان ہوتا ہے تفتہ صاحب نے اپنا دیوان منگوا کر پڑھوایا۔ دیگر ہم عمر اُس کو ٹھیک نہ پڑھ سکے مگر انھوں نے اُس کو ایسا پڑھا کہ جس کا اثر مرزا صاحب پر ہوا اور انھوں نے خوش ہو کر وہ دیوان اُن کو انعام دیا۔ اور تاڑ گئے کہ یہ لطف بیان بلا گداز طبیعت کے نہیں ہو سکتا۔ بہر صورت معلوم ہوتا ہے کہ طرز بیان اسی وقت سے دلکش تھا۔ فوراً باتوں باتوں میں سوال [illegible] درپیش ہوا مگر تفتہ صاحب نے اس بنا پر عذر کیا کہ وہ فارسی کے شاعر ہیں البتہ منشی بالمکند صاحب بے صبر سے اصلاح لینے کی ہدایت فرمائی۔ کچھ روز تک یہ سلسلہ جاری رہا بعد میں بے صبر صاحب سے اصلاح لینی بند کر دی اور وجہ یہ بتائی کہ اُن کے بیان میں تعقید زیادہ تھی۔ تفتہ صاحب سے کبھی کبھی مشورہ ہو جاتا تھا اور پھر اُن کی وساطت سے مرزا غالب تک رسائی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ اصلاح کا موقعہ نہ ملا کچھ فیض تیمناً اصلاح سے"۔

اخوت | منشی صاحب کے ایک بھائی تھے منشی کرتا کشن وکیل لکھنؤ جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا تھا۔ شعلہ مرحوم کو موقعہ اُن کے پاس جانے اور کچھ روز وہاں رہنے کا [illegible]۔ باوجود اختلاف مذاہب کے رشتۂ محبت ویسا ہی [illegible] رہا۔ ضرور رہی [illegible] ہوتی ہوگی۔ کہ

پھر آیا دل برادر دلجو کو دیکھ کر + پھڑکیں بھجائیں قوتِ بازو کو دیکھ کر ۱۱۵ ۸

اخوت کے لئے کیا سچ فرماتے ہیں۔

وہ جوشِ خوں نہیں ہے کہ ہو جائے جو خموش + بھائی ہوں آرہا ہے رگوں میں لہو کو جوش ۱۱۵

جو سر کو بیچتے ہیں بھلائی کے واسطے + وہ جان تول دیتے ہیں بھائی کے واسطے ۳ ۱۰۲

"بے جوشِ خوں فضول ہے انساں کی آب و گل" ۳ ۴۶ ۸

کیونکہ "ہوتی نہیں ہے خونِ برادر کی بو غلط + دوڑے نہ بھر کے جوش جو وہ لہو غلط" ۳

لکھنؤ کے قیام کا شاید یہ اثر ہو کہ بے تعصبی پیدا ہو گئی یا بوجہ بے تعصبی قیام لکھنؤ ناگوار نہ گذرا خیر وہاں پر زمانہ بہ پیرا اور انہیں کا کسی قدر باقی تھا وہاں رہکر بھی کچھ حاصل کیا۔ غرض "زہے خرمنے خوشہ یافتم" کا مضمون ہوا۔

نقل سکونت شادی آنجناب کی اوائل عمر میں ہی حسب دستور قدیم برادری راجہ ہر نراین سنگھ صاحب رئیس ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے یہاں ہوئی۔ بہت روز نہ گذرے تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور بار خانہ داری آپ کے سر آپڑا ۱۸۷۳ء میں بتوسط راے کنگل سین صاحب ڈپٹی کلکٹر بندوبست علی گڑھ میں ملازم ہو گئے اور بعدہٗ بوجہ اس کے کہ ملازمت سرکاری میں انفراغ طبیعت جو شاعری کے لئے ضروری ہے حاصل نہیں ہوتا امتحان وکالت پاس کر کے آخر تک اسی پیشہ سے خورش گذران رہے اور علی گڑھ میں ہی آباد ہو گئے۔

علی گڑھ کی سکونت اور اولاد علی گڑھ میں آکر جو بچے پیدا ہوئے اور جو پیشتر سے تھے ان سب کا انتقال بچپن میں ہو گیا صرف ایک لڑکی زندہ رہی جو راقم الحروف کو منسوب تھی۔ اس کا بھی انتقال حضرت مرحوم کے تین سال بعد ہو گیا۔

مشاعرہ اول زمانہ قیام علی گڑھ میں بزم مشاعرہ جاری تھی اس کے میر انجمن منشی چھوٹے خاں صاحب حبیبی تھے اُن سے معرکہ آرائیاں ہوئیں اور طبیعت نے بہت زور دکھایا اور آپس کی طنز یہ و فخریہ گفتگو ہوتی رہیں۔ چنانچہ "ہزار رنگ بھرتے ہیں یہ

قیس کس قطار میں ہے" ۲/۱۳۲ یہ مصرعہ بھی اسی وقت کا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسی نوبت کبھی نہیں آئی کہ دست و گریباں ہوئے ہوں یا ہجو سے کسی بزرگ نے اپنے دہن کو آلودہ کیا ہو یا مصحفی و انشا کا سا سوانگ رچایا ہو اسی کے بعد انکی محبوبہ بیوی کا انتقال ہو گیا یہ صدمہ

پہلی بیوی کا انتقال

بڑا تھا اُسکا نوحہ لکھا جو شامل مجموعہ ہذا ہے ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۸ لغایت ۱۳۱ حصہ دوم جسمیں لکھا ہے "خوش فکر جسکے دم سے تھے اُسکا ہی غم ہوا" بوڑھی ماں زندہ تھی آخر مانا اور ۱۸۷۹ء میں برشتے مصرعہ نوحہ کہ جو ۱۸۹۷ء میں لکھا گیا "اک دن نہوا تفرقہ اٹھارہ برس میں" ۲/۱۳۲ دوسری شادی کرا دی۔ جسکی طبیعت میں عشق و محبت کا خزانہ ہو وہ کہیں محبت کا خاتمہ نہیں کرتا بلکہ جو شے اُسکے آگے آتی ہے اُسی پر اُس محبت کا غلاف چڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ دوسری بیوی سے بھی محبت

دوسری کا انتقال

اُنکا وہی حال تھا۔ دوسری شادی سے بھی جو اولاد ہوئی وہ بھی زندہ نہ اور انتہا یہ کہ دوسری بیوی نے بھی بعد اٹھارہ سال کے داغ مفارقت دیا اُس کا بھی نوحہ لکھا کہ "یہ حشر دوبارہ ہے مرے عشق فغاں کا" ۲/۱۳۲-۱۳۳ اور درد و واقعہ نگاری و رقت انگیزی اس نوحہ کا خاص جزو ہے ملاحظہ ہوں صفحات ۱۳۱ لغایتہ ۱۳۸ حصہ دوم۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس چیز کو شاعر خود محسوس کرتا ہے اُس سے کس قدر دوسروں کو متاثر کر سکتا ہے سچ ہے۔

"If fiction is truer than fact, fact is more tragic than fiction."

کایستھ سبھا علی گڑھ

۱۸۸۵ء میں علی گڑھ میں کایستھ سبھا قائم ہوئی اور اس وقت سے برابر قومی کاموں میں آپ شریک رہے۔ جیسا کہ تیسرے حصہ سے ظاہر ہے۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اسی سلسلہ میں ایک شعر مندرجہ حصہ سوئم ۳/۱۱-۴۴ تفصیل کا محتاج ہے اُس کی شان نزول یہ ہے

"چنگاریوں کا طنز یہ ناقص صلاح تھی | شعلہ کا ہوٹنا یہ غلط اصطلاح تھی"

علی گڑھ میں جب کایستھ کانفرنس منعقد ہونیوالی تھی تب بابو گور بلبہ سہائے سکرٹری اور

اُن کی رائے میں اختلاف ہوا۔ اور اُنھوں نے اپنی رپورٹ میں الفاظ "چنگاری" اور "شعلہ ہونا" استعمال کئے اُس کا جواب اس شعر میں دیا گیا ہے۔ ترقی قومی کی رفتار سے وہ نالاں تھے اور برابر ایسے خیالات ظاہر کرتے رہے جیسے کہ "ایک دن سبھا کا نوحہ بھی لکھنا ضرور ہے"

بھارت دھرم مہامنڈل مارچ ۱۹۰۸ء میں بطور ڈیلیگیٹ ان کو بھارت دھرم مہامنڈل میں شریک ہونے کا موقعہ ہوا جس میں انہوں نے مسدس پرچ پرچ جو شروع کتاب میں درج ہے پڑھا۔ وہاں پر بڑے بڑے مہاتماؤں اور پنڈتوں سے ملاقات ہوئی اُس کا اثر انکی طبیعت پر بڑا گہرا ہوا۔ وہی معاملہ ہوا جو آپ نے ایک شعر میں فرمایا ہے

"عشق بت حد ہی مجازی کے لئے ✣ اس سے بس اور خدا آگے ہے" ۲ / ۱۰۴-۱۱

اس کے بعد شاعری کا رنگ بدل گیا جو اثر اس کا ہوا وہ آگے چلکر حسن وعشق اور مذہب کے سلسلہ میں وکھایا جاویگا۔ بالفعل صرف اس قدر کہنا ہے کہ اُس کے بعد چند مرتبے بڑے اصرار کے ساتھ اُن کو مہامنڈل کے سالانہ جلسوں میں بلایا گیا۔ ہر جلسہ میں آپ نے نظمیں پڑھی ہیں جو پہلے حصہ میں درج ہیں۔ مستورات میں دھرم اور Sentimental فطرتًا زیادہ ہوتی ہے اُن کے سامنے جب مسدس ست دھرم پتی برت دھرم پڑھے گئے تو اُن کی حالت بہت متغیر ہوئی اور خاص انتظام کرنا پڑا کہ دوران قصیدہ پڑھنے میں کوئی نیچے نہ گر پڑے۔ وہیں سے بتوسط دیوان رام جی بہادر وزیر ریاست کپورتھلہ مہاراج کپورتھلہ کے دربار تک رسائی ہوئی۔

کتھا رامائن و تعمیر مندر آخر زمانہ میں بعد شرکت دھرم مہامنڈل کے طبیعت نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا چنانچہ آپ نے کتھا رامائن کی اپنے مکان پر بڑے اہتمام کے ساتھ کرائی کہ جو تقریبًا چھ ماہ میں ختم ہوئی اُس کے سننے کا اثر وہ مسدس ہے جو جنگ مندلی میں شامل ہے اور جو مجموعہ ہذا کے حصہ اول میں صفحات ۱۰۲ سے ۱۳۲ تک شامل ہے

بعد وفات اپنی اہلیہ ثانی کے بیادگار ان کے ایک مندر بھی تعمیر کرایا جو سری گوپیشور ناتھ کے نام سے مشہور ہے۔

دوسری بزم مشاعرہ اور حضرت تسلیم سے ملاقات

سنہ ۱۹۰۱ء میں محمدن کالج علی گڑھ میں ایک زبردست مشاعرہ ہوا جس میں باہر کے مشہور شاعر بھی تشریف لائے تھے۔ اُن میں منشی امیر اللہ صاحب تسلیم رامپوری بھی تھے۔ مشاعرہ کی اطلاع منشی صاحب کو مشاعرہ شروع ہونے سے کچھ ہی دیر قبل ملی تشریف لے گئے لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے اور نیز تبدیل طبیعت کی وجہ سے غزل نہ لکھی۔ بعد ختم مشاعرہ کے حضرت تسلیم سے ملاقات کی اور فرمایا کہ آپ سے باکمال شہر میں تشریف لاویں اور اہل شہر فیض سے محروم رہیں کل شہر میں بزم مشاعرہ قرار دی گئی ہے ضرور تشریف لائیے۔ دوسرے روز یہ مشاعرہ ہوا اور منشی جی نے بھی غزل پڑھی جس پر حضرت تسلیم بے اختیار فرمانے لگے کہ "آپ ایسے باکمال اور ایسے پوشیدہ" یہ غزل دستیاب نہیں ہوئی ممکن ہے کہ اپنے دیوان میں سے ہی پڑھی ہو۔ اس کے بعد شہر میں دوبارہ مشاعرہ قائم ہوا۔ قیس اور مائل زمانہ سے رخصت ہو چکے تھے مگر منشی کرامت اللہ خاں گستاخ اور حکیم عبدالہادی خاں وفا آگئے تھے۔ چند ماہ مشاعرہ جاری رہا پھر منشی صاحب نے بھی دنیا سے منہ موڑا اور گستاخ کا بھی تبادلہ ہو گیا۔ مشاعرہ نے بھی اختتام پایا۔ اس کی غزلوں میں سے ایک دو غزلہ دستیاب ہوا جو کرم خوردہ ہو گیا اور پڑھنے میں آیا۔

وفات

سنہ ۱۹۰۲ء میں ہولی کے بعد دوج کا روز تھا کہ شام کو منشی جی کے پاؤں میں درد نقرس شروع ہوا۔ علاج شروع ہوا۔ مگر آٹھ دس روز تک مزاج روبراہ نہوا۔ اس کے بعد درد کی شدت تو کم ہوئی مگر صدر کی طرف رجوع ہو گیا۔ اپنے کندھے اور گردن تک پہونچ چکا تھا مگر خفیف تھا اس لئے آرام معلوم ہوتا تھا۔ غذا کئی روز پہلے سے بند تھی۔ ایک دو روز وفات کے قبل گنگا جی جانے کی خواہش ظاہر کی مگر تیمارداروں نے روکا اور عرض کیا کہ دو ایک روز میں کچھ ضعف میں کمی ہو جاوے گی اُس وقت آپ تشریف لیجاویں۔ کبیدہ خاطر ہو کر اُس کو منظور کیا

رات کو آرام کے ساتھ سوئے صبح کو بشاش اُٹھے۔ رام نومی کا دن تھا دس بجے دن تک بہاگیر لال صاحب صدر قانونگوی و بابو اٹل بہاری لال مختار و دیگر احباب سے بات چیت کرتے رہے ان سب کی روانگی کے بعد اپنے ایک عزیز پھولچند کو بلایا (یہ صاحب ہی منشی صاحب کے پاس رہتے تھے اور خوب خدمتگزاری کرتے تھے) اور رفع حاجت کے لئے پانی مانگا۔ کھانا تیار ہو چکا تھا۔ وہاں سے آکر ایک چارپائی پر لیٹ گئے اور حقہ منہ سے لگایا۔ ایک دو کش لئے تھے کہ دم اُلجھا پھولچند پاس گئے حالت دیکھکر محلہ کے ویدوں کو بلایا۔ انھوں نے حالت ردی بتلائی زمین پر لیا گیا اور ایک دو سانس زمین پر آئے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون بعد کو کہنا پڑا ؎ "کاندہوں پہ جو دہر کے لیجلے ہو تابوت مۂ او پیا وہ وں سوار جا چکا ہے کب کا" بڑی بڑی آنکھیں جو زندگی میں سرخ رہتی تھیں اور جن پر خواہ مخواہ نشہ کا گمان ہوا کرتا تھا اب کھلی تھیں اور سفید۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تمنا ؎ "کھلی رہ جائیں خود آنکھیں مکٹ پر" پوری ہوئی یا نہیں۔ بظاہر انھوں نے اپنی شرط پوری کر دی کیا ذیق ثانی جن کی شان اس قدر اشعار میں ظاہر کی ہے اپنی شان رحیمی دکھانے میں قاصر رہا ہوگا؟ ذرا غور کرنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شرط پوری ہو گئی۔ جب نوبت فنا کی آئی۔ شرط اور مشروط دونوں نیچے کی بیت میں درج ہیں ؎

"ہو جاؤں فنا پاؤں جو اتنا بھی سہارا | جب بند ہوں آنکھیں تو مکٹ کا ہو نظارا
دم لب پہ ہو سینے میں تصور ہو تمہارا | مٹ کر بھی جدائی نہ ہو چرنوں کی گوارا"

ایک لڑکی اور یہ مجموعہ اپنی یادگار چھوڑا۔ یادگار جسمانی تو تین برس بعد معدوم ہو گئی البتہ یہ ابھی باقی ہے۔ خدا اس کو برقرار رکھے تاکہ مرحوم کا نام قائم رہے اور اصلی شاعری کے زینہ میں ایک سیڑھی کم نہ ہو جاوے۔ آمین

قدر زمانہ حیات شعلہ صاحب مرحوم میں کلام کی خوب قدر ہوئی۔ ان کا دیوان ارمغان شعلہ جو مجموعہ ہذا کے حصہ دوم کا ایک جزو ہے ولایت تک بھیجا گیا۔ قصیدہ کلاک نادر جو آپ

حصہ میں شامل ہے بصرف خاص سر چارلس کراسھوٹ صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نہایت صفائی اور عمدگی سے چھپوایا گیا اور معززین حکام و روسا میں تقسیم ہوا۔ بزم ہزار اپنے بھی ہندوستان کے باہر بہت فروخت ہوئی۔ چند مرتبے حکام نے انکو Poet-laureate بنوانے کا ذکر کیا مگر نہ معلوم کیوں اس معاملہ نے صورت نہ پکڑی۔ مقامی جلسے کوئی نہ ہوتے تھے جن میں آنحضرت کو نظم پڑھنے پر نہ مجبور کیا جاتا ہو۔ ایک مرتبہ تو سوشل کلب کے جلسہ میں بلا دریافت کیے ہوئے پروگرام میں اُن کا نام لکھدیا چنانچہ انھوں نے بھی ایک پرانی نظم پڑھ دی مگر دو ایک شعر اضافہ کر دیے اُن میں سے ایک یہ تھا ؎

"میں نظم پڑھنے پہ اے شعلہ ہو گیا مجبور ۔۔۔ اُتر کے عرش سے آتی ہے میری گہربگار" لہ

فارغ البالی اوائل کی حالت معلوم ہو چکی ہے۔ ان کے والد کے انتقال کے بعد اُن کی والدہ کے پاس کچھ سرمایہ اندوختہ تھا مگر وہ ان کو ملا نہیں۔ زمانہ ملازمت میں کیا ملتا تھا کہ اُس میں سے کچھ بچتا یا اصراف کو بھی مکتفی ہوتا۔ زمانہ وکالت کا بھی ایسا ہی گذرا قرض سے سبکدوشی نہیں ہوئی تھی اور نقصانات مالی بھی اکثر ہی ہوئے۔ سسرال والوں سے جائداد کی بابت مقدمہ بازی ہوئی جو بروئے فیصلہ ثالثی طے ہوئی بالآخر اس میں بھی نقصان ہوا۔ ایک مرتبہ بشرکت دیگر لوگوں کے ایک دوکان آبکاری کا ٹھیکہ لیا جس میں سب لوگ شراب او ہار لے گئے اور اُن کے گھر کا زیور بھی رہن سے ہوا۔ البتہ آخر زمانہ میں وکالت کو کچھ فروغ ہوا جس کے سبب سے ایک مکان چھ سات ہزار روپیہ کی مالیت کا تیار کرا لیا ایک مندر بنوا دیا چند اور تقریبات بھی اچھے خاصے پیمانہ پر کر دیں اور قریب پندرہ سو روپیہ کے نقد چھوڑا۔

لہ شمس العلما جناب مولانا شبلی نعمانی سے چند مرتبہ ذکر آیا وہ اکثر ان کے لطف محاورہ اور پڑھنے کی تعریف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تو ایک شعر کی بہت تعریف کی وہ یہ ہے "کاٹ سکتے ہیں گلا خود بھی نہ کیجے ہمیں قتل ÷ آپ کے ہاتھ میں اک بات ہے یہ بھی نہ سہی" ۲ اور اک بات کے محاورہ کو شعر میں نیا بند ہنا بیان فرماتے تھے۔ بازاری عورتوں نے بھی ان کی بعض غزلیں محفلوں میں گائی ہیں ایک میں نے اکثر سنی ہے اثر نہیں ہے خبر نہیں ہے [illegible]

عادات

مذاق | مذاق طبیعت میں ضرور تھا مگر کم اور اس اعلیٰ درجہ کا کہ جس کا نتیجہ تبسم ہو نہ کہ تمسخر تضحیک اور تہزل۔ اس لئے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تھا ہی نہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ ڈپٹی زاہد حسین صاحب خان بہادر کا تبادلہ ضلع علی گڑھ سے ہو گیا یہ صاحب عرصہ سے اس ضلع میں متمکن تھے۔ ہنوز چارج نہیں دیا تھا کہ بجائے ان کے منشی محمد علی خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر جو ضلع میں حال ہی میں وارد ہوئے تھے تبدیل ہو گئے اور یہ بدستور برقرار رہے شعلہ صاحب نے فرمایا ؎

"دیکھا جناب حضرتِ باری کی شان کو ۔۔۔ پڑھے کی آئی لے گئی اک نوجوان کو"

خوشامد | اس سے بھی نفرت تھی بلکہ اس کے خلاف خودداری اتنی تھی کہ اس کے خلاف جو بات ہوتی تھی وہ ناگوار ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب افتتاح کلاک ٹاور کے وقت بموجودگی سر چارلس کراسٹوٹ صاحب تشریف فرما تھے ان کی بابت یہ مشہور تھا کہ رشوت لیتے ہیں اور خوشامد پسند بھی ہیں چنانچہ جب روانی وقت کا ذکر قصیدہ میں آیا اور اس مصرعہ کو پڑھا "خوشامد سے نہیں رکتا یہ رشوت سے نہیں رکتا" ۲/۱۰۰۱۴۴ تو اس وقت حاضرین اور مسند ڈپٹی صاحب موصوف کی طرف تھے جس سے کہ ان کے دل میں اثر ہوا۔ دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ نمائش کا دربار تھا اس میں ایک قصیدہ پڑھا اور یا پورا دیا اور من صاحب ڈپٹی کلکٹر جو کسی قدر تیز مزاج تھے ان کی شان میں ایک شعر پڑھا "...... میر اپہلا صورت ہے یہ علی گڑھ کے لئے اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے"

دشوار پسندی | نہ معلوم مرزا غالب کا تتبع ہوا یا ان کی طبیعت خود متوجہ ہوئی یا حضرت عشق کا کشف۔ کچھ دشوار پسندی بعض بعض اشعار میں رونما ہوئی چنانچہ جابجا اشعار ملتے ہیں۔

ہیں وہ کشتِ نامرادی ہوں نہ ما نہیں کہ ہے — برق خرمن سوز کا مشتاق ہر دانہ مرا ۲/۱۴۔۲۳

درد سا ملتا ہی کب مونسِ جاں غمناک — ضعف سا ہوتا ہے کب قوتِ بازو پیدا ۲/۱۰۔۲۴

زخم دل پر ذرا نمک چھڑکو — پھر مزا آیا تو کیا مزا نکلا ۲/۵۔۲۳

یاس اے شوقِ اسیری چمن آباد نہیں — پر نکلتے ہیں یہاں اور کہیں صیاد نہیں ۲/۷۔۵۶

اپنے پر اپنی ہی منقار سے نوچے ہیں نے — کیا کروں۔ تاب فراموشی صیاد نہیں ۲/۱۴۔۵۶

جس قدر رنج کو چھیڑا ہمیں راحت آئی — زخم جتنا کہ کریدا گئے لذت آئی ۲/۷۔۲۴

مگر ضعیفی کا خیال بھی کچھ قبل از وقت ہی پیدا ہوگیا اس لئے طبیعت بدل گئی اور استقلال نہ رہا ذرا سی تکلیف ہوئی اور آپ گھبرائے۔ جو کچھ دشوار پسندی باقی رہی وہ عالم خیال میں تھی۔

ضعیفی | جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ خیال قبل از وقت ہوگیا اور ایسا جما کہ پھر کبھی نہ نکلا چنانچہ حالت شباب میں ہی یہ شعر کہا تھا۔ "شعلہ پیری میں کسی زلف کا سودا کیا خوب ٭ صبح کے وقت ہے یہ خواب پریشاں کیسا" ۲/۱۴۔۸ دوسرے مشاعرہ میں جو غزل پڑھی تھی اُس وقت کی عمر خیال رہے اور مضمون ملاحظہ ہو۔ آثار ضعیفی صاف نمایاں ہیں ؎

"کہاں کہیں گے لیجا کر لحد میں اتنے ساماں کو — فغاں کو بیکسی کو یاس کو حسرت کو حرماں کو"

اسی وجہ سے جو تصویریں ابتدا میں کھنچیں بعد کو نہ بدلیں۔ شروع میں تو فرما گئے۔

"خنجر سنبھالئے پئے تسلیم خم ہیں ہم — گردن جواب لیکے اُٹھے گی سلام کا" ۲/۵۔۱

"اے جان کیا ہی توشہ واماندگی کی فکر — اک دو قدم عدم ہے کچھ ایسا سفر نہیں" ۲/۷۔۵۳

لیکن بعد میں کوئی ایسا شعر نہ ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ بیکسی کا تخم جو ابتدا سے جما تھا اور جس کی وجہ سے بہت سے اشعار حصہ دوم میں ان کے قلم سے شان رحیمی و شان کریمی میں نکلے اور جس کا خاص اثر ضعف قلب پیدا کرنا اپنے آپ پر بھروسہ نہ کرکے اپنے کو دوسرے کے حوالہ کردینا ہے اُس سے یہ کمزوری پیدا ہوئی ہو۔ اور یہی وجہ ہوسکتی ہے جو نیچے کے عنوان میں

مذکور ہے۔

لاولدی یہ ہمیشہ سوہان روح رہی۔ اولاد ہوئی مگر زندہ رہی ان کی پیدائش اور موت دونوں کے نظارے دیکھے مگران سے پہل نہ پایا جو لڑکی زندہ بھی رہی وہ بھی دائم المریض اور بے اولاد اس کو بھی ہمیشہ مردہ سمجھنا پڑا۔ اس کا تذکرہ پہلے ہی مسدس میں جو بندرابن میں مہاراج سری کرشن کے بھینٹ کیا تھا کر دیا ہے ؎

"نے قوت بازو نہ کوئی لخت جگر ہے — غربت زدہ ایسا ہوں کہیں گھر ہے نہ در ہے" 1/44-44

عرضداشت مشمولہ مثنوی بزم بندرابن میں فرماتے ہیں "نہ کوئی چھوڑ جانے کی نشانی — نہ کوئی یادگار زندگانی" 1/12-28

افسوس ہے کہ ایسے موقعوں پر اپنے دوسرے مصرعہ کا خیال نہ رکھا ورنہ کچھ تو طمانیت خاطر نصیب ہوتی وہو ہذا۔ "ناخلف سے تو یہ بہتر ہے کہ اولاد نہیں" 2/13-56 مگر کہنے اور کر دکھانے میں فرق ہے!

بے تعصبی جن کی طبیعت عشق سے ایسی متاثر ہو جیسی کہ آیندہ دکھائی جاوے گی اور جو ان سچے معنوں میں شاعر ہو جو آگے بیان کئے جاویں گے اُس کو بے تعصب کہدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ آفتاب کے لئے بیان کرنا کہ روشن ہے اُن کی بے تعصبی اس وقت اگر ہو سکتی تھی تو بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ مگر اس کی وجہ مختلف ہو سکتی ہیں۔ اول تو کائستھوں اور مسلمانوں کا پرانا میل دویم شاعرانہ تقلید کہ جیسے اور ہندو شاعروں نے بھی کی ہے۔ سویم عشق کا جات پر منحصر نہ ہونا اور خصوصًا اُس اعلیٰ عشق کا کہ جس کا مرجع اک ذات ہی ہو۔ چہارم (ان) کا لکھنؤ کا قیام اور بڑے بھائی کا اثر۔ فرماتے ہیں۔

"اُن سے ہو میری ہستی کا عشق سے آغاز — قدوم ختم رسل پر ہو اختتام میرا" 2/12-2

رہیگا قرب خدا قافلہ شہیدوں کا — ورا بہشت میں ٹھیرینگے کربلا کے چلے 2/40-40

پڑیگی جب زیادہ آفتاب حشر کی گرمی ؏ تری رحمت پکاریگی یہی میدان محشر میں"

چلے آؤ چلے آؤ چلے آؤ گنہ گار دو ہزاروں کوس کا سایہ ہو دامانِ پیمبر میں ۲/۱۷-۱۸

مگر خودداری کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اپنی ذاتیات و خصوصیات کو بھی اپنے دم تک ساتھ رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں بندرابن کے لئے "جاروب کشی ہوتی ہے جبریل کے پر سے" ۲/۱۰ وقس علیٰ ہذا

دربارہ وزیر شاہ کونین ہے یہ - جبریل امیں سے کہدو باہر ٹھیرے ۹/۴۳-۴۴

شراب شراب کا مضمون اردو شاعری کے ساتھ بالکل وابستہ ہے۔ کوئی اردو شاعری بلا اس کے مکمل نہیں ہوتی۔ رزم ہو یا بزم۔ تصوف یا مذہبی لیکن بلا ساقی و ساغر کے مضمون دماغ سے اترتا ہی نہیں ہے گو بعض شعرا کی مراد اس سے کسی اور چیز سے ہوتی ہے۔ لیکن بعض شعرا اس کو در اصل استعمال ہی کرتے ہیں۔ حضرت شعلہ نے گو بعض جگہ دیگر چیز کو بھی اپنا مفہوم قرار دیا ہو لیکن یہ سچ ہے کہ ان کو پینے کی عادت تھی بلا اس کے کوئی نظم نہیں لکھ سکتے تھے بلکہ جب ان کو نظم لکھنا منظور ہوتی تو وہ علٰحدہ بیٹھ جاتے تھے شراب اور پیالہ اور حقہ حاضر رہتے تھے۔ مگر کبھی کسی شخص نے ان کو حالت نشہ میں نہیں دیکھا۔ راقم الحروف کو بارہا ان کے ساتھ شریک ہونے کا اتفاق ہوا تو اس صحبت کا خاص لطف تھا ذرا سا قرب لیا اور ایک کافی عرصہ کے لئے بھول گئے اس عرصہ میں بزرگانہ لطائف ہوتے تھے کبھی نصیحت ارشاد فرماتے احباب کے جلسہ میں طرز وہی تھا صرف گفتگو میں فرق ہوتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی بہت عرصہ تک پیتے رہتے بعض مرتبہ میں نے خود ۲-۲ گھنٹے تک بیٹھے ہوئے ان کو پیتا ہوا دیکھا ہے مگر کبھی بے قرینے نہیں ہوئے جس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے "کہ کم کم خور" پر عمل تھا۔ یہ بھی ان کی زبان سے ارشاد سنا گیا ہے کہ یہ شراب دماغ کو مختل کرتی ہے اور مضمون میں لطافت نہیں آنے دیتی۔ مگر نظم لکھتے وقت استعمال ضرور کرتے تھے شاید عادتاً مجبور تھے۔ اس کی بابت خیالات شاعرانہ علٰحدہ تھے اور ناصحانہ علٰحدہ دونوں کی مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

شاعرانہ

"وہ ورد دے مجھے ساقی کہ درد بجھائے — بدن کی طرح سے ٹوٹا کرے خمار میں دل ۲/۱۸-۳۹
شراب ناب کا کب جنے جی تک رنگ چھٹتا ہے — یہ وہ دھبہ ہے جو شعلہ دھلے گا حوض کوثر میں ۲/۳-۵۶
شراب خون جگر آج ہو چکی کل کو — ذرا سی اور بقدرِ خمار باقی ہے ۲/۹-۷۱
زاہدوں کو ہی مبارک رہے یہ فاقہ کشی — ساقیا! دیکھ! ! نہ جائے مہ رمضان خالی ۲/۱۳-۸۴
ساقیٔ بدست آتا ہے لئے جام و سبو — شعلہ اٹھ بیٹھو کہ محفل میں شراب آنیکو ہے ۲/۸-۹۴
اے ہلالِ آسماں کرتے ہیں ہم ٹھنڈی شراب — ابر کا اک ٹکڑا ابر قل کتر کر پھینک دے ۲/۵-۹۷
پیو بھی شوق سے شعلہ کہاں کا تقوی ہے — شراب رنگ ہے ناموس پارسا کیلئے ۲/۸-۱۰۸

رباعی

برائی کی جڑ ہے یہ کل مے پرستی — بڑی ہے بڑی ہے گراں ہو کہ سستی ۳/۱-۲۳
دکھائی بلندی سہی ہے اسنے پستی — گھٹے حوصلے بڑھ گئی تنگدستی

کالیسنھ کنفرنس ہے اور برج کا ہے وہام — ہیں کیوں گناہگار ہوں ناپاک لیکے نام ۳/۹-۳۷
ہاں اب گناہ بانٹ کے کردینگے اون عام — تو کہہ سکوں شراب بھی ظالم نمکحرام
قطرہ نے اس کے سینے میں برما پرو دیا — بوڑھوں کو ڈبا دیا ہے جوانوں کو کھو دیا

بے تکلفی

ذیل کے اشعار سے ٹپکتی ہے۔

او ساقی بدست یہ کیسا ہے تغافل — ہم بھی ہیں تری بزم میں تھوڑی سی ادھر بھی ۲/۸-۷۲
صاحب ادھر سے کب ہے رہ خانۂ عدو — کہلاتے کیوں ہیں آپ ہیں یوں کرم سہی ۲/۱۳-۷۴
ساقیا طرز تکلف دور گستاخی معاف — ایک سے ہوتا ہے کیا دو چار دے ساغر مجھے ۲/۱-۱۱۰
ہم ہیں فقیر ہم کو تکلف سے کیا غرض — دو ہاتھ جب ملا لئے اک جام ہو گیا ۲/۳-۱۱
پیتے بھی اوک سے شعلہ ترے تکلف کو — کہاں سے لاؤں یہاں ساغر و سبو تو نہیں ۲/۱۹-۲۰

استغنا

دعا کے مانگنے کو ہاتھ کب اٹھا ہے ہمت کا — بلا سے اگر کھلے سو بار دروازہ اجابت کا ۲/۱۱۱۱۰-۱۱
عجب کچھ ناتوانی نے کیا بار دل سے مستغنی — نہ پروا ہے کفن مجھکو نہیں محتاج تربت کا
مل جائے بیٹھ رہنے کو تھوڑی جگہ کہیں — کعبہ اگر نہیں ہے تو بیت الصنم سہی ۲/۶-۷۴

دیگر اوصاف طبیعت میں نہ ریاکاری تھی اور نہ کینہ۔ غصہ آتا تھا اُس کا اظہار کرتے تھے اور بس۔ ظاہر پرستی کے لئے صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"ظاہر پرستی طرز محبت سے دور ہے" ۳/۵۴ ایک اور شعر ملاحظہ ہو

تمام عیب ہیں دنیا کے مجھ میں اے شعلہ   نفاق و بغض و حسد تو نہیں طبیعت میں ۳/۲۹

مذہب مذہب کے معنی ہیں رائے یا طریقہ۔ اصطلاحاً اُس طریقہ کو کہتے ہیں جو کوئی فرد اپنی ذات یا کل یا معبود کے وصال کے لئے اختیار کرتا ہے اُس کی بنیاد اعتقاد پر ہے اور اعتقاد کہتے ہیں اُس رائے کو جو انسان کے افعال پر اس طریقہ سے حاوی ہو کہ افعال اُس سے بموجب اُس کے (اعتقاد کے) صادر ہوں گویا کہ وہ اعتقاد اُس انسان کا خاصہ طبعی ہو جاوے۔ جب تک یہ بات نہ ہو اُس وقت تک اعتقاد کا درجہ اُس رائے کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ محض تسلیم عقلی رہتی ہے۔ یہ اعتقاد کبھی دلائل عقلی کبھی خواہش زبردست کبھی تحریکات قلب کبھی عمل نیک کبھی تجربہ سے اور کبھی انھیں سے چند جزویات کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سب چیزیں یکساں اور ایک ساتھ ہی ترقی کریں مگر نتیجہ سب کا ایک ہے زیادہ تر اس اعتقاد میں احساسات قلبی کو دخل ہے شعلہ صاحب ہندو تھے نہ صرف محدود معنی میں بلکہ اس جامعیت کے ساتھ کہ جہاں پر نہ صرف نوع انسان یا فرد انسان سے مغائرت مٹ جاتی ہے بلکہ ذات یا معبود سے بھی۔ کیا خوب فرماتے ہیں "بیگانگی ہے دور جو نقش دوئی مٹائے ٭ بھگت اُس میں گر سمائے تو وہ بھگت میں سمائے" ۱/۱۲۶ گو یہ تحقیق ہے کہ انھوں نے بجز رامائن سننے کے اور ایک مرتبہ ایک فارسی بھاگوت مصنفہ منشی امانت رائے کے ایک جزو پڑھنے کے مذہبی کتاب کوئی نہیں پڑھی مگر اس قدر باخبر تھے کہ ان کے اعتقاد کے سرچشمہ سے جو خیالات اُبل کر کاغذی سطح پر آئے ہیں ان میں کشفت معلوم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہل ہنود کا فلاسفر ہونا خاصہ قومی ہے کہ ممکن ہے کہ شعلہ صاحب بھی ایسے ہی فلاسفر ہوں

مگر حسب گذارش صدر احساسات قلبی کا غلبہ جو اُن کے کلام میں ہے مجبوراً کہلوا لیتا ہے کہ یہ حالت محض خیالات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ کشف کا۔ بذریعہ اُن احساسات کے انھوں نے اُن خیالات کو اپنا ضرور کر لیا جیسا کہ شاعر لوگ اکثر دوسرے شعراء کے مضامین کو لیکر ایسا باندھتے ہیں کہ وہ مضمون انھیں کا ہو جاتا ہے۔ شعلہ صاحب فلسفی کی عمیق مسائل کو اختصار کے ساتھ اپنی شاعرانہ لطافت کی رنگین چاشنی میں ڈبو کر روانی کلام کے ساتھ کان اور گلے کے ذریعہ پڑھنے والے یا سننے والے کی طبیعت میں ایسا اُتارتے ہیں کہ اُس کی فریداری ---- ہمیشہ کے لئے سنسنی خیز ہو جاتی ہے مثلاً مسئلہ احدیت۔ وحدت۔ اوتار۔ گوپی کرشن۔ سیتارام۔ رضا و تسلیم۔ صورت جمالی۔ پریم۔ پیدائش عالم۔ قیام عالم و فناء عالم کو کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہاں پر کوئی باقاعدہ کتاب فلاسفی کی نہ لکھنا منظور ہے نہ یہ موقعہ ہے بلکہ سوانح عمری کی غرض سے اُن کے کلام کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے اس لئے (حسب عادت شعلہ صاحب مرحوم کے) ناظرین بھی اپنے جذبات قلبی سے کام لیویں نہ کہ دلیل لاطائل سے بعض بعض باتیں جو اسی مضمون سے متعلق ہیں وہ مضمون حسن و عشق اور فلاسفی اور شعر اور شاعری کے عنوان میں مذکور ہیں۔ ناظرین اُن سے لطف اٹھاویں۔

<u>مسئلہ احدیت</u>۔ اجتماع ضدین عقلاً ناروا ہے لیکن اس ہی اجتماع کو تو احدیت کہتے ہیں اور جس ذات میں یہ صفت ہو اُس کو احد یا (Singular) یعنی عجیب و غریب۔ خدائے برتر یا معبود حقیقی بھی سرچشمہ ہر چیز کا بُری ہو یا بھلی۔ خواہ کسی رنگ کی ہو لہذا اُس کی ذات جامع الصفات کو احد کہتے ہیں اور اس میں شک کرنا یا خدا کو ایک قسم کے افعال (مثلاً خیر کا) مصدر جاننا الا دوسرے قسم (مثلاً شر) کا نہ جاننا شرک ہے اور کفر۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی ذات انسان کے محدود دماغ کے احاطہ میں نہیں آسکتی نہ اُس کی عقل اوس پر محیط ہو سکتی ہے۔ جناب شعلہ مرحوم بھی اس احدیت سے واقف

تھے اور اُس کو ظاہر کرتے ہیں ملاحظہ ہوں اشعار ۳۷-۱ العاینہ ۹

تو ہی ہے جلوہ فرمائے دو عالم	تو ہی ہے خود تماشائے دو عالم
تو ہی لوحِ طلسم جان و تن ہے	تو ہی بخشندہ روح و بدن ہے
تو ہی وحشت فزائے عشقِ رسوا	تو ہی نقش و نگار حسن زیبا
تو ہی ہے موجدِ ایجاد کونین	تو ہی ہے بانیٔ بنیاد کونین
تو ہی ہے عشقِ ازلی حسن جاوید	تو ہی ہے خلوتِ دل بزم توحید
تو ہی ہے رونقِ گرمیٔ بازار	تو ہی خود جنس تو ہی خود خریدار
تو ہی ہے نغمۂ بلبل چمن میں	تو ہی غنچہ تو ہی ہے گل چمن میں
تو ہی پروانہ تو ہی شمع محفل	تو ہی گلبن تو ہی شورِ عنادل
تو ہی لچھمن تو ہی سیتا تو ہی رام	تو ہی گوپی تو ہی رادھا تو ہی شیام

یقیں ہیں وہم ہوں عین الیقیں ہوں | نہیں ہیں ہاں ہوں اور ہاں ہیں نہیں ہوں ۱-۵۰

ایک ہی رنگ یہ ہے وحدت و کثرت تجھسے	ایک ہی بزم میں ہے خلوت و جلوت تجھسے
وحشت میں ذرہ ہے اور ذرہ میں صحرا تو ہے	موج میں بحر ہے اور قطرہ میں دریا تو ہے

۱-۶۴ و ۱۴ و ۱۵

اور بھی ملاحظہ ہوں ۸۴-۱۶۲ و ۱۶۳ احدیت سے ملا ہوا مسئلہ وحدت کا ہے اور جس دماغ کا گذر مسئلہ اول الذکر تک ہوا ظاہر ہے کہ اُس کو آخر الذکر پر بھی عبور رہا۔ نمونۃً جو اشعار کہ اوپر مندرج ہوئے اُن سے وحدت بھی صاف نظر آتی ہے مگر اس سے زیادہ صاف بھی فرماتے ہیں ذیل میں :-

نور ہی نور تھا یہ جلوہ فزائی کب تھی	حسن ہی حسن تھا یہ ہوش ربائی کب تھی
آپ ہی آپ تھا یہ وصل و جدائی کب تھی	ذات ہی ذات تھی یہ قید دوئی کب تھی
حسن ہی میں تھا حسن حسن کے دیوانے تھے	شمع خلوت میں تھی ہم بزم میں پروانے تھے

۱-۴۴ العاینہ

اب اوتار۔ کا معاملہ ذرا خیال فرمائیے اوتار کہتے ہیں ظہور قدرت خداوندی کو کسی غیر معمولی بڑے

جزو کا بحالت جسمانی۔ اور اس کی غرض ہوتی ہے رفع شر و تبلیغ اصول صحیحہ۔ غیر جسم والی ذات احد بغرض ان اغراض کو مختلف ذرائع سے پورا کرا تی ہے۔ کبھی بذریعہ ربفارمران کبھی بذریعہ علماء۔ کبھی بذریعہ پیغمبران۔ کبھی بذریعہ اوتار۔ جس سے کام لینا ہوتا ہے یہ اس کی تجویز اس کی مصلحت پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل ہنود کے یہاں اس خداوند کا بغرض حصول مدعا مختلف اوقات میں مختلف ہستیوں سے ظہور ہوا ہے جس کو کلا کہتے ہیں۔ اہل ہنود اُس نراکار (غیر جسم والے) کے جسم قبول کر لینے کو ساکار ہونا یا اوتار لینا کہتے ہیں۔ حضرت شعلہ ان دقیق مضامین کو اپنے عاشقانہ رنگ میں ڈبو کر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ایک گوپی کرشن سے کہتی ہے: "او نراکار کہاں تجھ میں محبت کا نشاں" ۱/۱۵-۷۵ اور اس کی ذات کے لئے کہتی ہے "عیاں ہے ذات اے ہرجائی تیری + ہمیں معلوم ہے سب چترائی تیری" ۱/۱۸-۸۶ اور جن خطابات سے کہ کرشن کو گوپیوں نے صفحہ ۱/۲۲-اشعار ۷ و ۹ میں مخاطب کیا ہے ان کو اور اس کے بعد صفحہ ۶ حصہ اول اشعار ۴ و ۵ کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شعلہ نے گوپیوں کی زبان سے اپنے کرشن کو خدا ہی مان کر بات چیت کرائی ہے۔ وجہ اوتاروں کی بھی آپ فرماتے ہیں۔ "تھا اگر ایک حقیقت کی نظر سے مطلب" ۱/۷-۶۷ لگ گئی قفل حقیقت کو محبت کی کلید کھینچ لائی مجھے عشاق کی یاں حسرت دید ۱/۱۴-۶۵ اور بہت صاف تو یوں فرماتے ہیں کہ "اوتار کی غرض ہے کہ بھومی کا اترے بھار" ۱/۱۲-۱۱۵ اور اس کی تصدیق بعد واقعہ لنکا کے یوں کرتے ہیں "ہلنے لگی ہے جنبش برگ گیاہ سے کتنی زمیں سبک ہوئی بار گناہ سے!" ۱/۱۴-۱۰۷ اوتار کی شان میں تمیز کرنا ان کے ادب کے خلاف تھا لہذا اس کو صاف نہ کہا کہیں کہیں سری کرشن چندر کے لئے "حسن کیا" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اشارۃً ان کا پورن برہمہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ ذات پاک کے جسم قبول کرنے کو دیکھئے کس لطافت سے شاعرانہ طریقہ پر بیان فرماتے ہیں (۱) ۱/۱۴-۶۵ مذکورہ

(۲) .... حسن ازل کو جسم کی جانب ہے التفات ۱/۳۵۲-۱۰۶

یارا نہیں ہے بھگتوں کو اب انتظار کا | پردا اُٹھا دے قدرت پروردگار کا ۱/۳۲-۱۰۹
(۳) خود نور محو جلوہ تنویر بن گیا | نقاش آپ اپنی ہی تصویر بن گیا ۱/۹-۱۰۹

صورت جمالی۔ جلالی صورت کا دیکھنا قریب قریب ناممکن ہے کون ہے ایسا بہادر جو اس کی تاب لاسکے۔ ارجن سا شہ زور اور کرشن کا محب بھی اس سے کانپ گیا چہ جائے کہ ہما شما۔ اور نہ اس کے دیکھنے دکھانے کا کتاب میں کہیں موقعہ تھا نہ حسن و عشق یا شاعری سے کچھ اس کا تعلق۔ لہذا انھوں نے صرف صورت جمالی پر قناعت کی کیونکہ وہی ہر جگہ مبسوط ہو کر پیش نظر ہے۔ گوپیوں نے تلاش شیام میں جو گفتگو درخت۔ ہرن۔ قمری۔ گل و سنبل وغیرہ سے حصہ اول میں صفحہ ۶۰ سے صفحہ ۶۵ تک کی ہے وہ شاعرانہ تو ہے ہی مگر اس میں در پردہ یہ صورت جمالی بھی مستور ہے۔ ایک ہی شعر میں تمام لب لباب کتاب عشق کا بھر دیا ہے
"یہی بہتر ہے بے تکرار ہو کر — رہو محو جمال یار ہو کر" ۱/۸۵-۱

عالم کی آفرینش بقا اور فنا تینوں صفات خدائی ہیں اور ترتیبی کہلاتے ہیں یعنی علیحدہ علیحدہ تین دیوتا برہما۔ وشنو۔ مہیش۔ حاکم ہر سہ صفات کے ہیں۔ جیسے کہ ایک ہی شخص مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر اور کلکٹر وغیرہ کہلاتا ہے ایسی ہی صفت خلق برہما صفت پرورش وشنو اور صفت فنا مہیش کے نام سے موسوم ہیں۔ اس امر کو شاعرانہ طریقہ پر کہا ہے ۱/۶۶-۲۸۵۳

آفرینش کا سبب ہے تیرا اک رنگ صفات | تیری تحریک[۱] کی اک رمز ہے کل موجودات
ہستی و نیستی[۲] دونوں ہیں ترے جلوۂ ذات | ہیں ترے کھیل بقا اور فنا موت و حیات

صورتِ عبد میں جوں معنی معبود ہے تو
باقی تو
ہست میں نیست ہے معدوم میں موجود ہے تو

گوپی کرشن۔ اسی مضمون میں اور بہت سے اشعار درج کئے گئے ہیں جن سے کرشن کی حقیقت

۱؎ مقابلہ ہو स्पन्द روپ کے اصول کا

۲؎ مقابلہ ہو अव्यक्त اور व्यक्त سروپ کا

معلوم ہوتی ہے۔ فی الحقیقت شعلہ صاحب کی کوئی سوانح عمری بلا اس کے مکمل نہیں ہوسکتی کہ اُن کی تصانیف کے خاص خاص افراد کا ذکر کیا جاوے۔ اس میں کرشن گوپی رادھا سیتا لچھمن رام اور تکھلو یا کھیوٹ ہیں چند یہاں درج کئے جاتے ہیں تاکہ ان سے معلوم ہو کہ ہر ایک بارے میں اُن کا کیا خیال تھا۔

لچھمن۔ نمونہ ہے محبت برادرانہ کا ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۵ حصہ اول اشعار ۱-۸ جتنی طاقت اور ہمت مردانہ چاہئے وہ اُنکے کلام مندرجہ حصہ اول صفحہ ۱۱۶ اشعار ۴ لغایتہ ۸ سے ظاہر ہے بالخصوص ۷ و ۸ سے جس کی وجہ شاعر کی نشست الفاظ ہے اور اُس کا ذکر آئندہ آویگا۔ اُن کی تعظیم بزرگانہ اسی صفحہ کے شعر ۹ سے ظاہر ہے۔ "ہاں" کا لفظ اور اُسکی نشست قابل لحاظ ہے۔

سیتا۔ وحدانیت میں سیتا رام یا خدا و خدا کی قدرت ایک ہی چیزیں ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہونے والی۔ اسی جوش وحدانیت میں ایک موقعہ پر کہدیا ہے "تو ہی لچھمن تو ہی سیتا تو ہی رام ہے + تو ہی گوپی تو ہی رادھا تو ہی شیام" مگر مسدس راماین میں اُن کی بابت صاف کہا ہے۔ اشعار ۸-۱۰ صفحہ ۱۱۴ حصہ اول

"آنند نت ہو آپ سے سکھ سے بھری ہوئیں | ہم و رہا سے اے مرے سوامی بری ہوئیں
ظاہر میں گو کہ کالبدِ عنصری ہوں میں | سنسار کے دکھوں سے بھلا کب ڈری ہوئیں

چھو سکتا کون ہے مجھے چھایا ہوں برہم کی
ہیں آپ برہم۔ اور میں۔ مایا ہوں برہم کی"

ایسی سیتا سے کیا تعجب ہے کہ انھوں نے وہ تقریر کی جو صفحات ۱۱۵ لغایتہ ۱۱۶ میں ہے۔ کہاں ہیں انگریزی فیشن کے دلدادہ ذرا اسی ہی تقریر کو انگریزی خاتونوں کی حالت سے مقابلہ کر کے طبقہ نسائی کی نصب العین کو ملاحظہ کریں! اگر شکار کے لئے تحریک کرنا اور بعد کو مصیبت میں پڑکر افسوس کرنا خاصہ نسائی ہے جس سے برہم کی مایا بھی نہ بچ سکی۔ رام اور کرشن دراصل ایک ہیں جیسا کہ مسدس مشمولہ بزم سندرا ین سے ظاہر ہے مگر یہاں پر

رام کا اوتار اور غرض سے تھا اور کرشن کا اور سے۔ رام کو مرجاد اپرشوتم کہتے ہیں اور اُس کی مثالیں اس مختصر مسدس میں کم ہیں صرف وہ برتاؤ ہے جو انھوں نے سیتا لچھمن شتروگھن بھرت۔ کوشلیا و سمترا سے کیا ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں مگر اس چھوٹے سے مسدس میں جو دلکشی کھویٹ بانکپا دکے ذات میں ہے وہ کسی میں نہیں۔ اُس کی محبت وہقانی مگر با ادب اور دلبرانہ گفتگو اور بھگتی کا بروان مانگنا ایسے بے نظیر ہیں کہ منہ سے کبھی واہ نکلتی ہے اور کبھی مزہ کو دل سے زبان تک نہیں آنے دیتے اس کا ذکر آیندہ مفصل آویگا بسلسلہ (زبان)

<u>گوپی کرشن</u>۔ گوپی کون ہیں اس کا جواب وہ خود ہی دیتی ہیں جو آیندہ مندرج ہے تمثیلاً اُن کو شعاعات آفتاب حسن و عشق کہہ سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کا جدا ہونا کیسے ممکن تھا بلکہ یہ تو اُن کے لئے محض قدرتی امر تھا کہ اپنی اصل کی طرف رجوع ہوں اور ازل سے ابد تک ساتھ رکھیں۔ کیونکہ کرشن اُن کا مرجع و منبع ہے۔ ان کی حالت محویت اُن کے شکوہ شکایات ان کی بیخودی ان کی دعوی ہمسری وغیرہ وغیرہ خود دلکش ہیں سراپا جو انھوں نے بیان کیا ہے دیکھئے وہ بھی کیا چیز ہے۔ زبان ان کی بیباک۔ بے تکلف محبت آمیز و محبت خیز ہے۔ یاد رہے کہ سراپا میں تشبیہات بھی لطیف پاک چیزوں سے ہیں نہ کہ کثیف مادی اشیا سے۔

"حسن پردے میں تھا جس حسن کے دیوانے تھے" ۱/۳۰۶۶
"آئینہ خاک میں تھا جب سے ہیں حیران تیرے" ۱/۱۰۷۵
"ایک تھے وصل وجدائی کو سمجھتے کب سے تھے" ۱/۳۰۷۵
"ہم ہی ہمراز تھیں سربستہ کوئی راز نہ تھا" ۱/۶۰۶۶

تعلقات ازلی اور گوپیوں کی حقیقت کے مظہر ہیں۔

کرشن۔ جو کچھ کہ آپ کی ہمراز گوپیوں نے آپ کو بتایا وہ کسی قدر تو اوپر بیان ہو چکا ہے آپ خود بھی اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

"قریب دور دونوں میں ہوں معمور قریں سے ہوں قریں اور دور سے دور"

"عیاں ہوں اپنے حسن برمحل سے ابد کے بعد اور پہلے ازل سے
زمین و آسماں میں پردہ راز دو عالم ہیں مری نازنگیہ ناز" ۱/۹۴-۱۷ الغایۃ ۱۹

حسن مجسم ہونا بھی آپ کا اُس سراپا سے ظاہر ہے جو مسدس برج مشمولہ بزم بندرابن میں لکھا گیا ہے۔ آپ خود ہی جا بجا فرماتے ہیں اور اپنی صورت جمالی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے "عیاں ہوں اپنے حسن برمحل سے" اپنی حقیقت صفحہ ۴۹ حصہ اول سے صفحہ ۵۰ تک بیان فرماتے ہیں اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۲ پر اشعار ۳ سے ۵ تک اور ایزاد فرماتے ہیں۔ ان ہی اصول کو جو گیتا میں مذکور ہیں اور جو فلسفہ ویدانت کے معراج کی ہیں اُن کا نمونہ عملی پیش کرتے ہیں۔

"غرض ہجراں سے نے وصل بتاں سے ٭ جہاں سے کام نے اہل جہاں سے"
لیکن پھر بھی "بظاہر گرچہ آزادِ قفس ہوں ٭ جو میرے بس ہے میں بھی اُس کے بس ہوں"
اس کا فرما دینا گویا سنگ بنیادی طریقت عشق کا رکھدینا ہے یا اُس کا magna charta عطا فرمانا۔ گوپی ان کے یوگیشور ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں "نگہ بھی ابروؤں پر کیا خبر تھی ٭ اُسے منظور یوں قطع نظر تھی" ۱/۸۴-۲ یہی اصول یوگ کا گیتا میں مذکور ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ نگہ عالم بالا یا برہمانڈ کی طرف رکھنا بسبب ہے قطع نظر تعلقات پائیں یا عالم کثیف کا۔ اور یہ بھی لحاظ رہے کہ راس لیلا کا رچنا خود مظہر ہے کشف کرامات کا۔ ہر ایک گوپی کی خواہش وصل کا سرانجام نہ بذریعہ لمس جسمانی ہے بلکہ بذریعہ لمس کراماتی کیونکہ فرماتے ہیں "سری جدیت نے بہر رنگ محض ٭ جدا بھی ہر ایک کی خواہش دل کیا وحدت کو کثرت کا اشارہ ٭ جدا تو ایک سے بہر نظارہ" ۱/۱۰۱-۱۹۶ جو واقعی یوگ کی ایک بڑی زبردست سند ہی ہے۔ کرشن مہاراج کے تعشق طریقت عشق کی بڑی مکمل ہے اور اُس کا ذکر آئندہ بسلسلہ عنوان حسن و عشق آویگا مگر جو نصائح کہ استری و پیرم کے متعلق ہیں وہ بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ کرشن مہاراج کی پاکیزگی بہت سے کم فہم طبقوں میں معرض بحث ہے

لیکن باخبر جانتے ہیں کہ اس میں حقیقت حال کیا ہے اور اُنکے اعتراضات واقعہ سے کس قدر دور ہیں نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ ذات بحت کی مجسم تصویر کبھی آکر اس طرح سے (جیسا کہ معترضین کہتے ہیں) اس قدر ملوث ہو جاوے۔ راس لیلا جس کو اس قدر مضحکہ خیز کر رکھا ہے اُس کا بیان صفحہ ۹۹ اشعار الغایۃ ۱۵ میں ملاحظہ ہو کس قدر بقول شعلہ مرحوم کے حقیقت نما ہے ایک نام اور بھی آیا ہے رادھا کا۔ وہی برسانہ والی۔ مگر اُس کا حال بہت ہی کم لکھا گیا ہے ارادتاً یا سہواً یا اُس کا موقعہ نہ تھا۔ ہماری رائے میں اُس کی حال کی تحریر کا عین موقعہ تھا تو پھر کیا موقعہ مناسب معلوم نہوا۔ یہ بھی بعید از قیاس ہے۔ جو شخص اس قدر معنی خیز کتاب لکھے اور اُس کو یہ موقعہ مناسب نہ معلوم ہوا ہو حالانکہ دیگر کتابیں اس مضمون کی اس موقعہ پر رادھا کے حال سے پُر ہیں۔ سہواً بھی اسی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا اور ہم مجبور ہیں کہ اس فروگذاشت کو ارادۃً پر محمول کریں۔ ارادہ بپاس ادب۔ جس طرح سے کہکشاں کے رنگوں میں سے اگر ایک رنگ کو نکال لیا جائے تو اُس کی عدم موجودگی فوراً ظاہر کرتی ہے کہ فلاں رنگ یہاں سے غائب ہے ایسے ہی رادھا کا مفصل حال نہ آنا اپنی کہانی آپ کہہ رہا ہے۔ گوپی واقعی شعاعات آفتاب ہیں اور رادھا کا نور آفتاب جس کی طرف دیکھنے میں چکا چوند پیدا ہوتی ہے۔ آفتاب گو سرچشمہ نور ہے مگر نور کے ساتھ سایہ بھی چھپا ہوا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اُس کی طرف دیکھ لیا جاوے مگر رادھا جو نور ہی نور ہے اُس کا دیکھنا محال ہے۔ بعض لوگ اُس کو پرکرتی کا روپ مانتے ہیں تو بھی پرش اور پرکرتی دونوں انروچنی ہیں۔ اسی بیان میں بار بار اشارۃً و صراحتۃً ذکر آیا ہے کہ شعلہ صاحب طریقت عشق کے سالک ہیں گو وہ سب سے زیادہ اوق فلاسفی ویدانت اور اُس کے ادویتا واد کو نہیں بھولتے مگر طریقہ انکا بھی عشق کا ہے۔ میں نے اُن کو اکثر باچشم نم دیکھا ہے۔ کرشن مہاراج اُن کے صنم تھے "مجھے کیا چاہئے اُس کے سوا اور" (۱/۱۰۵-۸) اور کہاں تک انکی قربت حاصل ہوئی یہ معاملہ عاشق و معشوق کا ہے۔ کون جانے! اُن کے نام کی جان باعظمت بار بار کرتے ہیں (ملاحظہ ہوں

صفحات ۱۷ و ۱۸ حصہ اول) اور فرماتے ہیں "نجات و موکش ہے یاد گرامی۔ ہے وصل اصل ذکر نام نامی" ۱/۱۸۵ اور پھر فرماتے ہیں "زباں جب تک دہن میں ہے پکارے پکارا ہی کروں سرکار سرکار" ۱/۱۴۱-۱۴۲ و ۱۶۷

ظاہر ہے کہ جب سری کرشن چندر سے اس قدر محبت ہو تو برج سے کیوں نہ ہو۔ پس برج کی عظمت کا بیان نتیجہ صریح ہے ان کے کرشن بھگتی کا اور اس سے زیادہ یہاں کہنا فضول۔ جو کچھ برج کی عظمت کی ہے وہ حصہ اول صفحات الغایتہ ۳ میں مذکور ہے۔

شاعری

سخن سنجی یا سخن پردازی منجملہ سات فنون لطیفہ کے ہے کہ جس کے مشابہ موسیقی نقاشی وغیرہ ہیں اور Aesthetics کا حصہ ہے اس کا تعلق تمام و کمال خوبصورتی سے ہے۔ شعر در اصل پیکر آذہنی ہے اور پیکر بھی خیالی۔ خیال کی نزاکت اس کی جان ہے اور الفاظ اس کی پوشاک دیگر صنائع بدائع زیور۔ نشست الفاظ پوشاک اور زیور کا مناسب موقعہ استعمال۔ انہی چیزوں کو اصطلاحاً تخیل یا تصور اور نشست الفاظ کہتے ہیں۔ نظم یا پابندی عروض اس کا جزو ہے یا نہیں۔ یہ سوال اہم ہے۔ بعض لوگوں نے چونکہ شعر کو موسیقی کا جزو قرار دیکر اس کی تعریف کی ہے اس لئے وہ عروض کی پابندی کو لازمی جزو قرار دیتے ہیں۔ مگر عروض کی پابندی سے نظم پیدا ہو سکتی ہے شعر نہیں اس کا موضوع تو نازک خیال کی تصویر کھینچکر موقع محل کے زیورات سے آراستہ کرکے پیش کرنا ہے عام اس سے کہ عروض کی پابندی ہو یا نہ ہو لہذا شعر عروض کی قید سے آزاد ہے اور اسی وجہ سے زمانہ حال میں ایک نئی قسم کی تحریر ایجاد ہوئی ہے جس کو Poetico-prose کہتے ہیں یہ در اصل ایک قسم کی نثر ہے جس کو عوام اس وقت تک شاعری نہیں مانتے گو ضروریات شاعری سب اس میں موجود ہیں۔ ملا ظہوری کے سہ نثر بھی اسی قسم کی ایک کتاب

ہے۔ شعر اور نظم کا فرق اوپر بیان ہو چکا مگر شعر در اصل نثر سے بھی علیحدہ شے ہے۔ خیال کی لطافت اور کثافت سے نثر اور نظم میں فرق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شعر نثر کا ضد نہیں ہے کیونکہ اس کو واقعات سے کوئی غرض نہیں برخلاف اس کے science کا تعلق واقعات سے ہی ہے اس لئے شعر اگر ضد ہے تو science کا نہ کہ نثر کا۔ ردیف قافیہ کا حال سنئے وہ بھی ایسا ہی غیر ضروری ہے۔ انگریزی۔ عربی سنسکرت وغیرہ میں ان کی موجودگی لازمی نہیں ہے اور Blank verse بھی بکثرت لکھی گئی ہیں۔ بھاشا میں بھی اکثر نظموں میں قافیہ نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح۔ بہر صورت کسی ودیات پر اگر رواج عام کی مہر نہ لگے تو گو اس ودیات کے اچھے ہونے میں شبہ نہ ہو تو بھی سکہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہم اردو شاعری کو ابھی اس سے آزاد نہیں کہہ سکتے گو وسیع النظری پابندان قیود کی نہیں ہے۔ شاعری کی غرض بھی دو ہو سکتی ہیں۔ اول تو تفنن طبع دویم تحریک جذبات و احساسات سب سے بڑا جزو شاعری کا یہ ہے کہ شاعر کسی چیز کو خیال کرے یا محسوس کرے اور پھر اس کو لطافت کے ساتھ ایسا بیان کرے کہ دل کو پکڑ لے اگر ممکن ہو تو وہی جذبات جو شاعر پر موثر ہوئے تھے انہی کی تحریک سامعین یا ناظرین میں ہو جاوے۔ اسی پر شاعر کی کامیابی و ناکامیابی منحصر ہیں۔ ایک پرانی بحث شاعری میں آمد اور آورد کی ہے۔ یہ غلط ہے کہ شاعری نیچرل ہوتی ہے بلا مدد آورد کے شاعری ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر شاعری نیچرل آمد ہے تو اس کا ویسا ہی حال ہوگا جیسا کہ ایک شعر کا جو زبان زد عام ہے "دنداں تو جملہ در دہانند ہ چشمان تو زیر ابروانند" مگر فرمایئے کہ یہ کوئی شعر ہے۔ ہاں میری سمجھ میں تو دو معنی میں نیچرل شاعری ہو سکتی ہے اول تو وہ شاعری جس میں قدرتی منظر زیادہ بیان کئے جاویں یا وہ شاعری کہ جس میں شاعر نے احساس بہت کیا ہے اور وہ جب دل سے اشعار نکالتا ہے تو دلوں کو تسخیر کر لیتا ہے۔

اوپر کی سطروں سے شاعر کے وہبی اور اکتسابی ہونے کا مسئلہ چھڑتا ہے۔ بہت سے

لوگوں کا مذہب ہے کہ شاعر صرف وہبی ہوتے ہیں مگر کیا ان لوگوں کو میدان میں برابر آنے کے لئے مطالعہ کتب ضروری نہیں ہے۔ یا اگر یہ مان لیں کہ اکتسابی ہی ہوتے ہیں تو کیا بلا مذاق سلیم کے سب عالم شاعر ہو جاتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اصل یہ ہے کہ شاعر کا مذاق یا طبیعت فطرت کا عطیہ ہے اور اس کی درستی۔ تہذیب وغیرہ مطالعہ کتب کا نتیجہ یہی سمجھ لیجئے کہ چمن اور جنگل کا جو معاملہ ہے وہی پڑھے لکھے یا بلا پڑھے شاعر کا ہو جاوے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جس کی طبع سلیم ہے اُس کو چنداں ضرورت مطالعہ کتب کی نہیں ہے۔ پس وہبی اور اکتسابی ہونا صرف درجہ کا تفاوت ہے۔

شاعر کو چونکہ بلحاظ موقعہ و محل کے کام کرنا پڑتا ہے اس لئے اکثر اُس کو مثل نقاش کے Background تیار کرنا پڑتا ہے۔ اور ہر چیز کو مناسب تناسب کے ساتھ دکھانا پڑتا ہے تاکہ پیکر اپنا اثر پیدا کر سکے اور کبھی اس میں اشارہ سے کام لیتا ہے اور ناظرین یا سامعین کی قوت association of ideas کو تحریک کرتا ہے۔ یہ کام شاعر اور مصور کا بالکل ایک ہے۔ شاعر کے لئے وسیع النظری و قوت احساس کا زبردست ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

وسیع النظری اس لئے کہ مشاہدات عالم کی تصویریں خوب کھینچ سکے نہ صرف مشاہدات اس عالم بلکہ دوسرے عالم کی بھی وہاں سے متاثر ہو کر مذاق و اخلاق کی درستی و انجام فرائض کی تحریک کرے۔ موقعہ موقعہ پر رقت اور غیض و غضب کی تحریک کرے فی الجملہ شاعری کی غرض تحریک جذبات ہے اور شاعر کا علاوہ نازک خیال ہونے کے مصور۔ فلاسفر و رشی ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت شعلہ مرحوم کے کلام سے اب وہ انتخابات کئے جاتے ہیں جو اوپر کی تحریر کی نمونہ ہیں

نازک خیالی ۔ دریا سے لہر کا اٹھنا ہر شخص دیکھتا ہے مگر شاعر کے دل میں اس کا اثر اور ہوتا ہے اُسے وہ پری معلوم ہوتی ہے۔ اب یہ خیال نازک ہے اُسے دیکھئے شاعر کس طریقہ پر محسوس کراتا ہے اور کیا ساز و سامان اُس کے لئے تیار کرتا ہے ؎

"آئیں پریوں کی طرح بحر سے موجیں باہر | ساڑھیاں آب رواں کی تھیں بندھی تا بکمر
گاتیاں دامن دریا سے کسیں سینوں پر | ہر حباب سر دریا تھا بنا شمسۂ زر" ۱ / ۶۹ - ۹۹ و ۷

تین شخصوں کا ساتھ چلنا بھی ہر روز کا مشاہدہ ہے مگر شاعر کی طبیعت معمولی انسان سے جدا گانہ ہوتی ہے وہ دیکھئے کیسے متاثر ہوتا ہے اور اس کو کس طریقہ سے ادا کرتا ہے۔

"شوبھا سیان بیچ میں یوں جانکی بنی | جیسے ہو راستہ کی ملک میں ثری بنی
یا ہو ہم ملی مہ و خورشید کی ضیا | یا بیچ عکس و حسن کے آئینہ صفا
یا رنگ گل میں جیسی بسی بوئے جانفزا | یا دو لبوں میں جیسے تبسم ہو خوشنما
یوں پریہ جانکی تھیں مہ و خور کے بیچ میں | جیسے ہو پریم بھگت اور ایشور کے بیچ میں" ۱ / ۱۲۱ - ۱۰ الغایۃ ۱۴

تصور۔ "کدم کی چھاؤں جمنا کا تٹ ہو | ادھر مرلی ہو ماتھے پر مکٹ ہو
کھڑے ہوں آپ اک بانکی ادا سے | مکٹ جھوکوں میں ہو موج ہوا سے
خمیدہ ناز سے ہو قد بالا | مکٹ گھیرے ہوئے ہو مہ کا ہالا
ستارے جڑے ہوں پیت پٹ پر | گتھی موتی کی لڑیاں ہوں مکٹ سے ۱ / ۴۰ - اشعار ۸ - ۱۸ و
کسی نازک کمر ہو کاچھنی سے | بندھی بنسی ہو جامہ کی تنی سے صفحہ ۴۱ اشعار ۱ - ۷

....

....

(شب ماہ) ۱ / ۴۲ - ۴۳

(آرتی) ۱ / ۶۸ - ۱۱ - ۱۴ و صفحہ ۶۹ اشعار ۱ و ۲

(پریشانی) ۱ / ۴۵ - ۱۳ - ۱۹

(تلاش) ۱ / ۶۰ شعر ۱۵ الغایۃ صفحہ ۶۴

(یوگ) ۱ / ۸۵ - ۶ و ۷

(راس لیلا) ۱ / ۹۹

رفت ۱/۴۳-۴۴م ۲/۱۴۲-۸-۴۳ ۱/۱۲ و ۱۳

شکار ۱/۱۲۹-۱-۶

ع۔ اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔ نشست الفاظ نمونتہً ایک دو یہاں لکھی جاتی ہیں۔

"ارشادِ خاص ہوتے ہی دونوں ہوئے طلب پڑائی جھکے چرن چھوئے بیٹھے بصد ادب" ۱/۱۰۸-۱۳

"پوچھا کہ کون؟ بولے تپش کے پالکے — پوچھا پتا؟ تو چپ تھے تبسم میں ٹال کے
پوچھا کہ عمر؟ بولے کہ دس بارہ سال کے — چیلے ہو کس کے؟ بولے رشی باکمال کے
جنگل سے والمیک گرو ساتھ لائے ہیں
بن دیوی نام ماتا ہے ہم جس کے جائے ہیں" ۱/۱۰۹-۸ لغایۃ ۱۰

اوپر کے بند میں علاوہ اس کے کہ ہر مصرعہ میں سوال و جواب دونوں ختم ہو جاتے ہیں زبان کس قدر مختصر ہے اور اس قدر بے تکلف کہ نثر بھی اس سے زیادہ کیا ہوگی۔

"بلواں کوئی لگتا ہو دم میں کروں اسیر — تحت الثریٰ میں جائے تو لاؤں زمیں کو چیر ۱/۱۱۰-۶ اشعار ۴ لغایۃ ۹
ٹنکورے کماں کے دہلتے ہیں شور ببر — حکم خدا کی طرح سے گرتا ہے میرا تیر
امداد چاہئے نہ کوئی ساتھ چاہئے — ہاں۔ سر پہ صرف آپکا اک ہاتھ چاہئے
بولے لکھن کہ کوئی نہیں آپکی سمان — شان خدا کے سامنے کیا آدمی کی شان
کافی ہیں راکشسوں کو دیش در میری یاں — تنہا میں اک طرف رہوں رہو اک طرف جہان
ہر گوشہ کماں میں چھپی شش جہات ہے — اک تیر میں بندھی ہوئی کل کائنات ہے"

ہر دو بند میں نشست الفاظ سے جو زور پیدا ہو گیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

ط۔ Intensity of feeling یعنی زیادتی احساس و جذبات۔ اسکی مثالیں ۱/۲۲ و ۲۳ ۱/۹ و ۱/۳۸ ۲/۱۳۱-۱۳۸ و ۲/۱۲۹-۹ یہاں پر اشارتاً بتائی جاتی ہیں۔ شائقین اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیویں ورنہ یہ مضمون ناحق طوالت پکڑیگا۔

(مثل) رگھبر کا ناتہ پوچھا تو مسکا کے رہ گئیں۔ ۱/۱۲۶-۷

زنانہ حیا کی مثال ہے اپنے خاوند کو زبان سے نہ بتا سکیں مسکانے سے اشارہ کر دیا۔

مہاشے میری سمت سے آنکھ ہٹاؤ | ذرا دھیان میں گردنوں کو جھکاؤ
نکلنے نہ دینا جسے دل میں پاؤ | نظر کون آتا ہے سچ سچ بتاؤ
وہی شیام مورت وہی پیت پٹ ہو | وہی بانسری ہو وہی نو مکٹ ہے

اون الفاظ سے جن کے اوپر خط کر دئے ہیں۔ اشارہ صاف ہو جاتا ہے اور تصویر دلمیں فوراً آجاتی ہے اور اسی کو صاف تیسرے شعر میں دکھا دیتے ہیں۔

(۸) تصویریں اوپر (۵) کے سلسلہ میں دکھائی جا چکی ہیں اس سے لفظی مصوری کا قیاس ہو سکتا ہے۔

(۹) ذیل کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ دنیا کے مشاہدات کس قدر اور کس نظر سے کئے ہیں اگر یہ حکمت یا فلاسفی نہیں ہے تو کیا ہے؟

قالب غبار سرعت عمر رواں رہا + صحرا کی گرد میں رم آہو نہاں رہا $\frac{۲}{۹-۵}$ سرعتِ عمر

کبھی محسوس ہو سکتی نہیں ہے وقت کی سرعت | ابھی کہتے ہیں مستقبل ابھی ماضی کی ہے صورت
جو وقفہ درمیانی ہے وہی ہے حال کی صورت | مبارک زندگی ہے جس میں کچھ ہو وقت کی قیمت
ہماری حال کی صورت سے ہر دم روانی ہے | جسے سب وقت کہتے ہیں وہ چلتی زندگانی ہے

عنقا کی طرح گم ہو جو شہرت پسند ہے | پایا اسی نے نام جو بے نشاں رہا $\frac{۲}{۱۴-۶}$ شہرت
کثرت حجاب دیدۂ عارف کبھی نہیں | ذروں میں ایک مہر کا جلوہ عیاں رہا $\frac{۲}{۱۴-۶}$ وحدت
جو ہے مشتاق وہ پابند قلت کا نہ کثرت کا | یہاں ہر ایک ذرہ میں ہے پرتو نور وحدت کا $\frac{۲}{۱۴-۱۱}$
میں آپ ہو رہا تھا تمام احتجاب وصل | تھا رود حیات کا جو درمیاں رہا $\frac{۲}{۱۸-۶}$ خود ہی مانع وصال ہے
آمد و شد ہر نفس ملک عدم کی ہے یہاں | راند ہیں ایک دم ہوتا نہیں بار ادھر $\frac{۳}{۱۴-۲۱}$ سلسلہ نفس

پسند طبع آرائش نہیں وحشت پسند دلکو   کبھی دیکھا بھی ہے سرمہ کسی نے چشم آہو میں   ۲/۱۵-۴۴   حسن قبح ترقی ہوتا ہے

رفعت اعلیٰ سے ہو جاتا ہے ادنیٰ کو زوال   آفتاب آتا ہے جب سر پر تو سایا پاؤں میں   ۲/۵-۴۶   ضرب المثل

دنیا میں شعلہ سیکڑوں آئے چلے گئے   یہ وہ مکاں ہے کوئی بھی جسکا مکیں نہیں   ۲/۹-۵۰

روشن ہے یہ کہ کوئی بھی مثل نگیں یہاں   جب تک کہ روسیاہ نمونا مور نہیں   ۲/۹-۵۴   ضرب المثل

عدم سے لوٹکر آنا کوئی مشکل نہ تھا لیکن   سمندِ عمر کا جی چھوٹتا ہے ایک چکر میں   ۲/۸-۵۵   عمر

گور کچھ دور نہیں فکر مسافت کیا ہے   گھر بدل لینے کو دنیا سے سفر کرتے ہیں   ۲/۷-۵۸   وفات

دنیا سے یوں اٹھو کہ کسی کو خبر نہ ہو   ۲/۱۶-۹۱   نصیحت

عین غفلت تھی کہ مر کر بھی کچھ حاصل ہوا   زندگی سمجھے ہوئے تھے خواب بے تعبیر کو   ۲/۵-۶۵   زندگی

چھوڑو اسباب تعلق طے کرو راہِ فنا   مال والو چور کا کھٹکا ہی منزل میں ہے   ۲/۳-۳۹   نصیحت

ہو کشش تھوڑی اگر اوج و پستی کچھ نہیں   ذرہ نے کھینچا ہے کتنا مہر کی تنویر کو   ۲/۹-۶۵   ذریعہ عروج

عدم کی آمد و شد میں بھی رنج و راحت ہے   پیادہ آئے تھے کاندھوں پہ اقربا کے چلے   ۲/۷-۸۰   ذریعہ تسکین

پایا تجھے کھو کے ساری ہستی   ہم کھوئے گئے ہیں تجھکو پاکے   ۲/۱۱-۱۰۹   معرفت

کثرت درد سے اب درد جگر کچھ بھی نہیں   بیخبر اب تو خبر لے کہ خبر کچھ بھی نہیں   ۱/۹-۶۸   کثرت درد میں احساس درد نہیں ہوتا

کہیں غائب کہیں مانوس ہے وہ   کہیں سن ہے کہیں محسوس ہے وہ   ۱/۱۶-۸۴   sensationalism? nihilism

شوق بیاں ہوا جسے خاموش ہو گیا   یاد آیا جس کو وہ سو فراموش ہو گیا   ۱/۳-۱۰۸   غایت یاد

ہر جزو اپنے کل کی طرف کر گیا رجوع   ۱/۱۱-۱۱۲   ابتدا و انتہا ایک ہیں

وہ شناسا ہے ترا جو آپ سے غافل نہیں   حق تو یہ ہے دعویٰ منصور بھی باطل نہیں   ۲/۴-۵۷   تعریف معرفت

دیر و کعبہ میں پھنسے شیخ و برہمن آکر   دام تزویر جگر سبحہ و زنار ہوئے   ۲/۱۶-۸۵   حالت مذہب

کشمکش بعد فنا بھی نہ گئی دنیا کی   ایک کے ہاتھ سے چھوٹے تو پڑے چار کے ہاتھ   ۲/۱۱-۶۹   شاہد دنیا

دور ہٹ بحر فنا سے گر بقا منظور ہے   کیوں ہوا میں بھر کے بیٹھا مثلِ حباب آنکھ ہے   ۲/۱۱-۹۳   ہستی

گور ہے ملکِ عدم کا رستا   منزلِ روح ذرا آگے ہے   حیات بعد الممات

رفتار نا وکی بھی روانی خیال کی۔

ملا ہے نطق زباں کو کہ تیرا ذکر کرے　　زباں دہن کو ملی تیری گفتگو کے لئے

اوپر کے اشعار مضامین فلاسفہ سے پُر ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو مشاہدہ سے گذر کر اپنے احساس اور تجربہ کے بعد طبیعت سے نکل سکتے ہیں۔ بعض بصورت نصیحت ہیں اُن کا سمجھانا اور شاعرانہ خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنا موجب تسکین ہے یہی کام رشی شاعر یا **Prophet** کا ہے۔ دوییت اوویت کثرت وحدت کا ذکر تو پہلے آچکا ہے **Nihilism** اور **Sensationalism** کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ممات وحیات کا مرقع خوب ہے اُس میں ذریعہ تسکین اور بیخوفی خوب بتائی ہیں۔ نصیحت قابل عمل ہیں۔ فلاسفر اور رشی کا کام بعض بعض اشعار میں ایک ہی جگہ کر دیا۔ شان ایزدی بھی خوب دکھائی ہے اور اقرار گناہ بھی خوب کیا ہے۔ اس کی مثالیں کتاب میں جا بجا موجود ہیں۔

حُسن و عشق

عشق ایک جذبہ ہے جو ہر دل میں مضمر رہتا ہے بعض طبائع میں کم بعض میں زیادہ مگر خالی ہونا ناممکن ہے (مگر ہر دل ہے رسوائے محبت + ہر اک سر میں ہے سودائے محبت ۱/۹-۹۴) اُس کا مرجع خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ عالم عشق بالکل نرالا ہے (یہ عالم دونوں عالم سے جدا ہے + محبت کا عجب نشو ونما ہے ۱/۱۱-۹۷) اور اس کے قواعد بھی منضبط نہیں ہو سکتے کیونکہ **Everything is fair in love & war** محبت اور جنگ میں ہر چیز روا ہے (یہ سچ ہے کون ہے فرزانہ عشق + کہاں پابند ہو دیوانہ عشق ۱/۸-۹۷) اس کا تو "مذاق عشق اول درد جاں ہے شکیب و صبر پہلا امتحاں ہے" ۱/۱۳-۹۰ اس میں "پئے عاشق ہے کچھ فرقت ضروری + کہ قدر وصل ہے ہجراں کی دوری"

۱/۹۶-۱۱ معمولی محبت میں انسان کو ذوق درد نہیں ہوتا اور اُس کی انتہائی خوشی وصل میں ہے۔ مگر عشق میں لذت درد خاص جزو ہے انتہا میں گو وصال بھی ہونا ممکن ہو یا ہو بھی جائے پھر بھی عاشق خود صورت معشوق اختیار کر لیتا ہے یا درد مجسم بنجاتا ہے اپنی ہستی سے غافل ہو جاتا ہے "بڑھوں خود جوشش مستی سے آگے + نکل جاؤں کہیں ہستی سے آگے"

۱/۹۸-۳ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے؟ کہیں سے نہیں بجز طبیعت کے کیونکہ یہ جذبہ ہر دل میں مضمر رہتا ہے۔ عشق کس سے ہوتا ہے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کسی ذات واحد سے ہو مرد سے عورت سے امرد سے۔ یا کسی طبقہ سے مثلاً قوم سے ملک سے بنی نوع انسان سے یا کل کائنات سے۔ جاندار سے ہو خواہ بیجان سے مثلاً بت سے یا کسی ذہنی چیز سے مثلاً خدا سے۔ معشوق میں کونسا وصف ہوتا ہے کہ جس کے باعث اُس سے عشق ہوتا ہے اس کی بھی خبر کسی کو نہیں۔ پرانا مسئلہ ہے کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید۔ دراصل معشوق میں کوئی وصف نہیں ہوتا۔ خیال یا پسند کی بات ہے عاشق کی طبیعت میں جو خیال حسن کا ہوتا ہے وہ جہاں ملا وہیں دل اٹکا۔ کیا کیا کیفیتیں ہوتی ہیں ان کی بھی تفصیل نہیں نہیں ہو سکتی نہ اس کا بیان ہو سکتا ہے کہ کن کن مدارج سے گذرنا پڑتا ہے عشق مجازی اور عشق حقیقی کی تقسیم صریحاً غلط ہے۔ حضرت شعلہ نے کیا کیا کیفیات محسوس کیں اُس کی نسبت کیا کیا خیالات اُن کے دل میں جاگزیں تھے۔ اُن کے مختصر نمونے ان کے کلام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

عشق زندگی ہے — شعلہ بغیر عشق تو جینا محال ہے + کس کام کا جگر ہے جو درد جگر نہ ہو

انتظار — وفا نہ ہو نہ سہی لطف انتظار تو ہے + ابھی سے مرتے ہیں ہم وعدہ جزا کیلئے

عشق میں آزادی ہوتی ہے — آزاد عشق کو نہیں پروائے دو جہاں + کیوں کھائے جا تا ہے غم دنیا و دیں عبث

نہ جھگڑا مجھکو خنجر سے نہ دعویٰ تیر دامن سے + وہ بیکس ہوں کہ میرا خون تا میری ہی گردن پر

رقابت اور بدگمانی — تھا شمر عدو کا مگر انجمن دوست + شب بھر ہمارے سینہ میں گھٹتا دھواں رہا

خوبصورتی خورشید آسماں پہ گیا تو زمیں پہ ہے + میزان حسن میں ترا پلہ گراں رہا
حسرت دم لب پہ جان آنکھوں پہ مژگاں پہ دل گیا + یہاں سے رہنے والوں میں خالی مکاں رہا
نہ کفن ہے نہ لحد ہے نہ جنازہ نہ مزار + شمع کیا ماتم پروانہ کا ساماں ہوگا
سخت جانی کا بُرا ہو تیغ قاتل مڑ گئی + ہو گئی گردن تک آتے آتے چلتی و تار بند
عشق اور جنون پانوں رستہ پہ لگے جبکہ بیاباں آیا + ہاتھ کام آئے جو ہاتھوں میں گریباں آیا
صبر اور عشق لب تو آمادہ تقریر نہیں تھے لیکن + کر دیا حال میرے صبر نے افشا میرا
بیکسی عذر نزاکت آ ہی گیا درمیان + اب آرزوئے قتل بھی دشوار ہو گئی
ارمان میں دیکھ لوں کہ نکلتے ہیں کس طرح باہر + وہ آ بھی جائیں کہیں ایک بار آنکھوں میں
بیکسی مرگ غربت میں نہیں میری بھی رونیوالے + بیکسی کون ترے حال کا پرساں ہوگا
ارماں تم ہی آ جاؤ نہ آنکھوں میں تصور کی جگہ + کیا بُرا ہے جو بدل لیجے گھر گھر کی عوض
تحیر آج تو کچھ جذبۂ دل کی کشش ہی چار سو + دیکھتا ہوں بزم میں دیکھے وہ کیونکر اکطرف
جذبۂ دل جذبۂ دل نے جو گھبرا یا بہن کر چلیئے + ہاتھ کا پانوں میں اور پانوں کا زیور ہاتھ میں
معشوق سے آزادی اُو سوز محبت نہ اٹھا منت شیریں + فرہاد کی تربت پہ ہو فرہاد کا سر شمع
حسرت کہاں گئی تو دم نزع حسرت دیدار + وہ عکس دیکھتے ہیں بار بار آنکھوں میں
بدگمانی کہہ آئے کیا عدو کو بھی آپکے واسطے + کیوں خوش تمہارے آنے سے جان حزیں نہیں
ضرب المثل عشق بتاں میں ہستی دل کی خبر نہیں + پتھر میں جب تلک ہے فروغ شرر نہیں
" افتادگی سے عشق میں رتبہ بلند ہے + جو اشک آنکھ سے نہ گرے وہ گہر نہیں
لازمۂ عشق اُلٹی نبرد عشق کے مردوں کی بات ہے + اہل جگر وہی ہیں کہ جن کے جگر نہیں
عشق صنم دیکھ کر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں

اب اس معمولی عشق سے آگے بڑھئے۔
عشق بت دل میں کچھ عشق صنم تل کے برابر ہی سہی + کفر اتنا بھی نہ ہو جس میں مسلماں کیسا

عاشقوں کو کیا خیال کفر و ایماں چاہئے + بت بنانے کے لئے خاک مسلماں چاہئے
بت پرستی جب تلک ہو تیری تک ہو زندگی + صورت زنار گردن میں رگ جاں چاہئے
عشق بت حد ہے مجازی کے لئے + اس سے بس اور خدا آگے ہے
بتوں کے عشق میں آخر خدا نظر آیا + یہاں حقیقی سے رتبہ بڑھا مجازی کا
عشق قوم نام اپنا چاہتے ہیں جو بدنام ہیں وہی + کام آئیں جو نہ قوم کے ناکام ہیں وہی
مریں قوم پر جو وہ مرتے نہیں ہیں

حضرت شعلہ مرحوم نے بعد کو جو عشق کا خیال کیا وہ کسی قدر تو اس مضمون کے شروع میں درج ہو چکا ہے اس کے بعد جو اشعار نقل کئے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی حالت میں جب تک اُن کا خیال عشق کا معمولی شاعروں کی طرح رہا اس وقت تک اُنھوں نے مختلف کیفیات کا احساس کس طرح پر کیا مگر پھر جب اُنھوں نے ترقی کی تب اُس کے لئے کیا فرمایا۔ کمال حسن و عشق کی جو تصویر کھینچی ہے وہ غور فرمائے کہ کس قدر مکمل ہے۔

"صفائی رنگ سے آئینہ ہو دونگ — جھلکتا گو رمیں ہو شیام کا رنگ
تبسم ہو وہم نظارہ باہم — عیاں اک چھب میں ہو حسن دو عالم
جدا ہوں گو برائے نام دونوں — بنے ہوں ایک رادھا شیام دونوں
ہمدیگر ہو عکس حسن زیبا — کنھیا رادھا ہوں رادھا کنھیا

اشتیاق ملاقات کی جب انتہا ہوتی ہے اُس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور جب چند لوگوں کی وہی کیفیت ہو تو جو بےبسی طاری ہوتی ہے اس کی حالت قدرتاً وہ ہی ہوتی ہے جو نیچے کے شعر میں مندرج ہے۔ اس سے بڑھکر اور کیا تصویر ہوگی۔

"نشاء عشق سے مخمور کوئی ،، کسی کی مستیوں پر چور کوئی
حضرت شعلہ نے کچھ عشق کی فلاسفی بھی لکھی ہے۔

"حریفِ عشق ہے ظاہر پرستی   ہے بہر عکسِ آئینہ کی ہستی
یہ کیوں ہی دلنشیں عشقِ خط و خال   کہ ہو آئینہ ساں مشتاق تمثال (اس ہی لگے کیوں نہ بڑھو)
تغافل ہی یہ ہشیاری نہیں ہی   اگر خود دلکی خودداری نہیں ہی (لیکن با وجود اسکے اظہار نکرو)
"حقیقت پر اگر ہے عشق مائل   نہیں ہے تنگ راہِ کوچۂ دل
تلاش و فکر لاحاصل سہی ہی   بہارِ عشق رنگ بیخودی ہی" (معشوق سے کیا غرض اخود پریم روپ ہو جائے)

حُسن اور عشق یا عاشق و معشوق میں تعلق ازلی ہوتا ہے اور بعد اس قالب کے چھوڑ دینے کے بھی ختم نہیں ہوتا۔

تھا روزِ ازل سے ہی یہ لازم ملزوم   یہاں بخت سیاہ اور وہاں حسن سیاہ (اسی سلسلہ کے اور بند مضمون مذہب میں درج ہو چکے ہیں)

قالب کو کیا قبول تری خاطر

مگر اس عشق کا کوئی مسکن بھی ہے؟ اس کے جواب میں بتاتے ہیں کہ ہاں دل ہے۔ اور اس مسکن کا حال بھی درج کرتے ہیں۔

"یہی برپا کُن چرخ و زمیں ہے   نہیں ہے دل تو پھر کچھ بھی نہیں ہی
یہی گنجینہ ہے رمزِ نہاں کا   یہی آئینہ ہے حُسنِ جہاں کا
اگر دل صاف ہے صدق و صفا میں   تو خود پرماتما ہے آتما میں

عاشق و معشوق میں جدائی نہیں ہوتی اگر معشوق خدا بھی ہو تو اُس کی خدائی سے عاشق کو غرض نہیں اس کے لیے تو وہی معشوق ہے اور بس اُس کی خدائی سے نہ کچھ لینا نہ دینا۔

"الگ ہووے تو ہجر و وصل مانیں   اگر دل سے نکل جاوے تو جانیں
گماں لے بت جدائی کا غلط ہے   یہاں دعویٰ خدائی کا غلط ہے
سراسر ہیچ ہے عقبےٰ و دنیا   نہیں جز تیرے کچھ تجھ سے تمنا

مگر خیالِ یار تو یار سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ دیکھئے دل ایسی قیمتی شے جیسی اوپر دکھائی گئی ہی

اُس کی خیالِ یار کے سامنے کیا قدر ہوتی ہے

دل و پہلو کا رشتہ توڑ دیتیں — جو ہونا دل ہی دل تو چھوڑ دیتیں — مگر

خیالِ حسن زیبا ہے اسی میں — بھری ساری تمنا ہے اسی میں

عشق کے طریقے تین بتاتے ہیں ذرا تیسرے طریقہ پر غور فرمائیے کہ یہ کیسی محبت ہے۔

"طریقے تین ہیں الفت کے ہر چند — نہیں تو ایک کا بھی شوخ پابند

طریقہ اولیں ہے عین الفت — برابر کی ہو دونوں میں محبت

طریقہ دوسی ہے اے ستمگر — گریزاں ایک ہو اور ایک مضطر

طریقہ تیسرا ہے خاک کلفت — نہ ہو دونوں کے باہم رنگ الفت

یہاں عاشق و معشوق کے درمیان میں کوئی تعلق و واسطہ ہی نہیں پھر کیسی الفت؟ ہماری سمجھ میں تو یہ درجہ انتہا کا ہے۔ جہاں متضاد چیزیں بھی مل جاتی ہیں او محبت و سمی صرف پہلو ایک ہی چیز کو ہو جاتی ہیں اُن کا امتیاز باقی نہیں رہتا بجز خیالِ یار کے اور کوئی چیز ہوتی ہی نہیں عشق میں جن اصول پر کاربند ہونا پڑتا ہے اُن کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

۱ جہاں ہے عجز سے ہے ارجمندی — پسندیدہ نہیں ہے خود پسندی

۲ تمہیں کیا ہو تمہارا مدعا کیا — رضائے یار میں چون و چرا کیا

۳ یہی بہتر ہے بے تکرار ہو کر — رہو محوِ خیالِ یار ہو کر

۴ سراسر ہیچ ہے دنیا و عقبےٰ — نہیں جز تیرے کچھ تجھ سے تمنا

ہجر اور وصل خیالی چیزیں ہیں اصلی نہیں۔ ان دونوں میں رات دن کا سا تعلق ہے اور ایک کے بعد دوسرے کا ہونا لازمی ہے۔ دونوں کی کیفیت انھوں نے کتاب بزم برندابن میں اچھی لکھی ہیں اور چونکہ اس کا قصہ مذہبی ہے اس لئے اُس پہلو کو بھی خوب نباہا ہے۔ پاس ادب کہیں نہیں گیا اُس کی کیفیات کی طرف مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے۔

ہجر

پریشانی و دیوانگی کی کیفیت دس گیارہ گفتگوؤں میں جو صفحات ۶۱-۶۴ و ۶۶ و ۶۸ - ۷۰ حصہ اول پر مندرج ہیں خوب لکھی ہیں۔

مسدس میں جو بند بطور "واسوخت" لکھے ہیں وہ نرالے ہیں اس میں بددعا جو دیگئی ہے وہ بھی کیا عجیب ہے کہ سماجائیں ہیں اور تجھے یاد آئیں ہیں۔ معشوق کے لئے اس سے زیادہ بددعا نامناسب ہوتی۔ اور قسم بھی کیا ہی اچھی ہیں۔ قامت کی قسم زلف کی قسم۔ تمنا کی قسم۔ ہنسی کی قسم بدگمانی سے کوئی بھی خالی نہ رہیں انکو نقش کف پا پر ہو ہی گئی اور کہہ ہی دیا "تب خورشید رونے پا کے مضطر؟۔ اٹھائی مثل شبنم ماہ پیکر"

اور شکایت تغافل کی بھی کیا کی ہے کہ "نہیں چھوڑا تو چھوڑ اس نام کو بھی" دھمکی بھی دیتی ہیں کہ "نہ ان کو اندر کا طوفاں سمجھنا" "نہیں کیا ساری گوکل کو بچانا" اور آگے چل کر کس بے تکلفی سے کہتی ہیں "وہ ناگن اور

وصال

پہلی تصویر وہ ہے جہاں کرشن مہاراج کو مشتاق آغوش پایا اور ان سے چھیڑ چھاڑ ہوتی۔ پھر ہو لکھے بلبلوں کو عشق پر ناز" اور صورت وصل بن کر بگڑ گئی۔

دوسری تصویر بزم راس منڈل کی ہے اس کا سامان کس قدر پاک جمع کیا گیا ہے۔ اور وصل کا کیا طریقہ ہے۔ انداز رقص گو اس معنی میں پرانا ہے کہ اس میں شعلہ صاحب نے تخیل سے کام نہیں لیا بلکہ جیسا بھاگوت میں لکھا ہوا ہے اسی طرح نظم کردیا ہے مگر وہ کس قدر معنی خیز ہے اس کی معنی خیزی میں اور اس کے تصویر بوگ کے ہونے میں ذرا فرق نہیں آیا۔

مصری ہر سویرے.............

زبان

....

۔حضرت شعلہ مرحوم کی زبان موجودہ زمانہ کی ہے اس میں انگریزی الفاظ بھی مستعمل ہیں اور سنسکرت کے بھی خاص موقعوں پر۔ بعض جگہ ٹھیک برج بھاشا ہے جو شہر متھرا میں نہیں بلکہ بندرابن اور قرب وجوار کے برج منڈل میں بولی جاتی ہے۔ زبان معمولی طور سے فصیح ہے اور کہیں کہیں اس میں بلاغت کے بھی نشان ہیں۔ صنائع بدائع بھی صرف کئے ہیں مضمون بھی ان کی شاعری کا سریع الفہم ہے۔ اتنا اونچا نہیں اُڑتے کہ جہاں مطلب خبط ہو جاوے اور جہاں کہیں کوشش کی ہے وہاں کامیابی نہیں ہوئی۔ اوائل کی شاعری میں مضمون زبان کا ساتھ نہیں دیتا۔ الفاظ کی زیادتی ہے اور مضمون کی کمی زمانہ وسط میں یعنی بزم بندرابن میں مضمون کی زیادتی ہے اور الفاظ کی کمی۔ یہی دلیل ان کی پختگی کلام کی ہے۔ رعایت لفظی کو بھی کام میں لائے اور دیوان میں افراط کے ساتھ اور بعض بعض موقعوں پر اس سے لطف پیدا کیا ہے مگر مضمون کی آمد کے سامنے یہ صفت کم ہوتی گئی۔ لطف محاورہ بھی خوب ہے مگر اب اردو اس قدر ترقی پر ہے کہ ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہر جگہ اس کے عالم موجود ہیں۔ مگر کوئی جگہ اس کی ٹکسال نہیں ہے کہ جہاں کی مستند ہو۔ دہلی اور لکھنؤ کی سند اب نہیں مانی جاتی۔ پہلے شیخ مصحفیؔ کی شاعری میں امروہہ پن کی بو بتائی جاتی تھی اب کس کی شاعری کو کہیں کہ اپنے وطن کے محاورہ سے پاک ہے خواہ وہ محاورہ دیگر استادان میں جایز ہو یا برخلاف اس کے۔ حضرت شعلہ بھی کہیں کہیں لغزش کرتے ہیں۔ بعض جگہ محاورہ میں شک ہوتا ہے اور بعض جگہ صرف میں بھی۔ بعض جگہ شعر کی نزاکت کے لئے ان کے الفاظ گرانبار ہو جاتے ہیں اور بعض جگہ محاورہ عامیانہ ہو جاتا ہے۔ لیکن فی الجملہ یہ نقائص بہت ہی کم ہیں۔ سب سے بڑی خوبی زبان کے لحاظ سے حضرت شعلہ کی یہ ہے کہ مضمون اور متکلم کے حسب حال موزوں کر لیتے ہیں اور ناموں کو نظم

کرنے اور مثلوں کے نظم کرنے کا تو ملکہ خاص ہے۔

مثنوی بزم بندرابن میں جا بجا برج کی دیہاتی زبان لکھی گئی ہے مگر تصنع سے کس قدر معرا ہے کہ بجائے خود ایک لطافت پیدا کرتی ہے اور سادگی اور بے تکلفی کی اچھی مثال ہے اور اس کا حسب حال مضمون ادا کرنا تو سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ ایسا ہی حال اُس گنواران پڑہ یا اوب مگر بے تکلف نکھا دیا کہبوٹ کا ہے جو مسدس راماین میں ہی۔ لیکن ایک موقعہ پر مسدس راماین میں سری سیتاجی مہارانی کا سری گنگاجی کو مخاطب کرنا زنانہ کریکٹر کو ظاہر کر رہا ہے۔ اول چند مثالیں مسدس اور مثنوی سے اُس زبان کی نقل کیجاتی ہیں کہ جو حسب موقعہ استعمال کی گئی ہیں اور بعد کو دیوان سے کچھ اشعار منتخب کئے جاویں گے جو کہلائے جانے والے شائستہ فرقہ کی زبان ہے۔

انتخاب اول

کیا بے چین ساری گوپیوں کو ‌ ‌ ‌ پکارا پریم پیاری گوپیوں کو
یہ کہکر سب نے تن من وہن بسارا ‌ ‌ ‌ چلو سکھیو کہ ٹیرت کا نہ پیارا
اہا آہا اہا آہا اہا جی ‌ ‌ ‌ مدہر سر بانسری باجی وہ باجی
کہاں ہوا ہے چھبیلے چھب منوہر ‌ ‌ ‌ کہاں ہوا ہے رسیلے شیام گردہر
پکارا ایک نے ہو پران پیارے ‌ ‌ ‌ پکارا ایک نے ہو بنسی وارے
پکارا ایک نے ہو کرشن گوپال ‌ ‌ ‌ پکارا ایک نے ہو نند کے لال
کہا اک نے کہاں ہے او فسونساز ‌ ‌ ‌ کہا اک نے کہاں ہے اہو دغا باز
پکاری ایک ہو اہو! کرشن جی ہوت!!! ‌ ‌ ‌ چھپائی ہے کہاں مکہ چندر کی جوت
وہ ماکہن اور وہ مصری ہر سویرے ‌ ‌ ‌ نہیں واقف تھیں ہتکنڈوں سے تیرے
کہاں ہوتی ہے سچی چور کی بات ‌ ‌ ‌ کئے غارت کہلا کر شیر و حیرات

سمجھ رکھا تھا کچھ جا گیر تو نے ۔ بہت توڑے ہیں ظرف شیر تو نے
نہ سیدھا باندھنا آتا تھا تنیا ۔ بنا پھرتا ہے اب لا لا چکنیا
مجھے بھی یاد رکھنا تو جنی میں ۔ لگا کے گانٹھ جامے کی تنی میں
کھسوٹ نے عرض کی کہ مہاراج ہوں سوا ۔ اُترائی کچھ حضور چکا لیجئے ہمار

. . . . ہے ناتھ ایک بوند میں سب بیڑا پار ہے ۱۲۲-۱۲۴/۱ نہایۃ ۱۲۳-۸

اُترائی وہی نکھاد کو انگشتری اُتار . . . . پار ہو گیا ۱۲۵/۱

لے جائیگی لکھن کو کنارہ پہ تیرے ہم . . . . اوتساہ آپ کا ۱۲۴/۱

انتخاب دوم

دل گلو بستۂ بلا نکلا ۔ کھول زلفیں کہ دم مرا نکلا
تم بھلے غیر بھی بھلا نکلا ۔ بندگی بندہ گر بُرا نکلا
کہیں بے وجہ تھی پریشانی ۔ زلف کا دل سے سلسلہ نکلا
مرنا ہی پڑا عذر جفا کا رہے ورنہ ۔ تھی موت جو ہیں موت کے قابل نہیں ہوتا
نہ دل میں میرے ہی لوٹی نہ تیرے دل میں گئی ۔ سما گئی انہیں دو دل کے درمیاں فریاد
نہ دوں تو کیا کہیں لیجاؤں گا مزار میں دل ۔ ابھی نکال دوں ہو بھی مگر کنار میں دل

کبھی نظر میں نہ کھٹکوں ترا ر اتنا ہوں ۔ اٹھا کے آنکھ میں رکھ لو غبار اتنا ہوں
بتوں کو چاہتا ہوں اسقدر مسلماں ہوں ۔ شراب پیتا ہوں پرہیزگار اتنا ہوں
جو اس نے زور سے کھینچا تو چوم کر انگلی ۔ پکارا تیر کلیجہ کے پار اتنا ہوں
نہ مجھکو خواہش دنیا نہ خواہش عقبےٰ ۔ کرم سے دیکھ لے امیدوار اتنا ہوں
غم فراق پکارا کہاں گئے دل و جان ۔ بنی میں سب تھے میں بگڑی میں یار اتنا ہوں

کبھی کھلی نہ کسی پر تری نظر کی بات   دہانِ زخم سے لے راز دار آشنا ہوں

دل سکھائیگا اگر جور و جفا یاد نہیں   ہم بتائیں گے اگر تم ستم ایجاد نہیں
نالۂ گل کا سا نہیں گل کی سی فریاد نہیں   بلبلِ باغ کو پھر آج سبق یاد نہیں
یاس لے شوق اسیری چمن آباد نہیں   پر نکلتے ہیں یہاں اور کہیں صیاد نہیں
بے اثر اشک سے اچھا ہے جو آنکھیں پھوٹیں   ناخلف سے تو یہ بہتر ہے کہ اولاد نہیں
اپنے پر اپنے ہی منقار سے نوچے میں نے   کیا کروں! تاب فراموشی صیاد نہیں
بیخودی میں نہ کھلا کچھ کہ خدائی کیا ہے   دیکھ کر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں

بزم میں جو بیٹھتا ہے وہ اُٹھاتا ہے مجھے   اے پری رو آدمی ہوں تکیۂ محفل نہیں   محاورۂ عامیانہ

سودا نہو جنوں نہ ہو خنجر کا ڈر نہ ہو   کتنا سبک ہو جسم جو گردن پہ سر نہ ہو
اے اہلِ بزم عشق بھرو جام بیخودی   ایسی پیو کسی کو کسی کی خبر نہ ہو

قہر درویش بجان درویش   لو مرے خون کا دعویٰ سن لو   تضمین

آنکھیں تیری الٰہی ہیں آنسو کی تمنا کیا ہو   ہائے جس قطرہ میں پانی نہ ہو دریا کیا ہو

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں   حسرت دید ایک تو نہ گئی
رات آہی گئے تھے کچھ آنسو   شکر کیجئے کہ آبرو نہ گئی
اور حسرت بڑھی وصال کے بعد   ل کے بھی تیری جستجو نہ گئی

کتے پھرتے ہیں وہ مقتل میں ضیافت کیطرح زخم کس کو چاہئے کس کو نمکداں چاہئے
حسرتِ نظارہ مژگاں کی تراوش کے لئے آنکھ میں دل چاہئے اور دل میں ارماں چاہئے

سر جو قدموں سے بڑھا آگے ہے کس کا نقشِ کفِ پا آگے ہے
عشقِ بت حد سے مجازی کے لئے اس سے بس اور خدا آگے ہے
جا کے دل کوچۂ گیسو میں پھنسا یہ نہ سوچا کہ قضا آگے ہے
دمِ رفتار پکارا فتنہ ہاں! مزارِ شہدا آگے ہے
گو ہے ملکِ عدم کا رستہ منزلِ روح فزا آگے ہے

بعض بعض جگہ دوسرے شعراء کے مضامین کو کیا اپناتے ہیں۔ دیکھئے۔ صورتِ غنچہ نہیں رکھتے ہیں زر مٹھی میں ✤ کوئی لیلو لئے پھرتے ہیں جگر مٹھی میں۔ کہ فارسی شعر کا چربہ ہے "لختے پرواز دل گذرد ہر کہ ز پیشم ✤ من قاش فروش دل صد پارہ خویشم"

چلی کوئی گل و سنبل کی جانب کوئی نالاں بڑھی بلبل کی جانب
کھلی زلفیں کھلے گیسو کھلی مانگ لگاتی پھرتی ہیں چت چور کی تمانگ
پھبی سورج مکھی کے سر مکٹ کی لگی گیندے کو چوری بیت پٹ کی
کوئی روکے ہوئے بادِ صبا کو کوئی پکڑے ہوئے موجِ ہوا کو
نگاہوں میں تھا قدِ شوخ بیباک لگی تھی قامتِ شمشاد پر تاک
کہا سنبل کے سارے پیچ کھولو کوئی کہتی تھی غنچوں کو ٹٹولو
یہ کیوں اترائی نکہت ہی چمن کی چرا رکھی ہے بو کس پیرہن کی
گلوں کی کچھ ہو شاید بدمعاشی ذرا ان کی بھی لو جامہ تلاشی

چلی آتی ہے بوئے بے وفائی — بھری ہے رنگ میں نا آشنائی

لبوں پر خندۂ بیباک کیوں ہے — یہ بوجہ گریباں چاک کیوں ہے

شعر خوانی ۔ حضرت شعلہ مرحوم کی شعر خوانی کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا بجز اس کے کہ شعر کو سمجھکر پڑھتے تھے اور انہیں سے خاص الفاظ چن لیتے تھے جن پر رکنا منظور ہوتا تھا یا جن پر زیادہ زور ہوتا تھا اُن کو باآواز بلند پڑھتے تھے اور باقی کو معمولی طریقہ سے۔ اسکے نہ تو کوئی خاص قواعد ہوسکتے ہیں اور نہ یہ اب کسیطرح ضبط تحریر میں آسکتا ہے۔ چند اشعار کو لکھا جاتا ہے انہیں کتابت سے معلوم ہوجاویگا کہ کن کن الفاظ پر اُنکے پڑھنے میں زور ہوسکتا تھا اور کن پر نہیں کہاں رکتے تھے کہاں نہیں۔ مثالاً درج ہوتے ہیں۔

(دل) اُلگو بستہ (بلا) نکلا — کھول زلفیں (کہ دم مرا) نکلا

(تم بھلے) (بخبر بھی) بھلا نکلا — (بندگی)! (بندہ) گر برا نکلا

(کہیں) بوجہ بھی پریشانی — (زلف سے) دل کا سلسلہ نکلا

(نہ سینہ میں) (نہ پہلو میں) (نہ آنکھوں میں) (نہ آنسو میں) — (الٰہی) کون؟ (دل کو کہا گیا) پہلو ہی پہلو میں

(مرحبا!) (صل علیٰ!) زخم جگر کہتے ہیں — (چشم بد دور!) (اسی کو تو) نظر کہتے ہیں

(تمہارے) (بسمل بیتاب) (جانے) کیا کرتے — (نمک) (جو زخم میں ہوتا) تو (ہاں!!) مزا کرتے

دربار (آج) اُسی شہ کون ومکاں کا ہے (باقی تمام بند میں چار چار ٹکڑے کرکے الگ پڑھیے)

(پوچھا کہ کون ہو؟) (بولے) تپش کے پالکے — (پوچھا پتا؟) (تو) (چپ بھی) تبسم میں ٹالکے

(ارشاد خاص) (ہوتے ہی) دونوں ہوئے طلب — (آئے) جھکے (چرن چھوئے) بیٹھے بصد ادب

کیا تہلکہ ہے؟ کیوں تہ و بالا ہے اک جہاں — (محور یہ ہے) (زمیں کو) وہ گردش کہ الاماں!

(بلوان کوئی کتنا ہو دم میں) کروں اسیر — (تحت الثرا میں جائے) تو لاؤں زمیں کو چیر

خاتمہ

اے شعلہ نہ غم نہ شادمانی ہوگی — پیری ہوگی نہ نوجوانی ہوگی

کیا آج ہے اور کے فسانے سنتا — کل تیری ہی زندگی کہانی ہوگی

آج پورے اکیس برس بعد وہ کہانی کہی گئی ہے۔ سو بھی نہ معلوم اچھی یا بُری جیسی ہونی چاہیئے تھی ویسی ہوئی یا نہیں۔ اگر ہو گئی تو فبہا اگر نہ ہوئی تو میں اپنی کم علمی کا پہلے بھی اعتراف کر چکا ہوں اور اب دوبارہ بھی کرتا ہوں۔ ناظرین جہاں سہو پاویں براہ کرم اُس کو درست فرما کر میرے کمی یا رائے کی غلطی سے مجھے مطلع فرما دیں۔ حضرت شعلہ مرحوم کو بہت سے جانب دار بہت بڑھا کر دکھاتے ہیں اور بہت سے بخلاف سابق الذکر لوگوں کے ان کو ہیچ جانتے ہیں۔ خیر۔ جو کچھ بھی اُن کے کلام کی وقعت ہو زمانہ اُس کا شاہد ہو گا۔ مگر تاہم بغیر کہے نہیں رہ سکتے کہ ان معنوں میں جو اوپر شاعر کے بیان کئے گئے ہیں۔ ایسا شاعر بہت زمانہ تک نہ پیدا ہو گا۔ کیسا ہمہ گیر ذہن تھا کہ ہر مضمون پر یکساں چلتا تھا اور کیسی روانی اور دلکشی کے ساتھ اور شاعری کے پردہ میں کیسی نقاشی صناعی کر جاتا تھا مذہب کے باریک نکات کو کس شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان فرما دیا کہ لفظوں کی چاشنی اب تک نہیں اتری۔ خدا اس کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

نرشن

غلط نامہ حصہ اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	،	اضافہ
۲	۳	رلاج	رج
	۸	ناباں	ناپاں
	۹	کرسجدہ	کہ یہ سجدہ
	۱۴	ہیں	ہیا
۳	۸	پتیابری	پتیامبری
۶	۱۲	چلتے	چلنے
۱۶	۱۲	دایک بت	دایک
۲۰	۳	بیٹوں	بیٹیوں
	۷	اشتم	اشٹم
	۱۳	سہنں	سہین
۲۲	۴	نوک	لوک
	۹	بین	ہین
	۱۲	پرت	برت
۲۳	۴	شہالی	سہائی
	۸	نرتھ	انرتھ
۲۴	۱۰	برارہدہ	پرارابدہ
۲۵	۸	نیت	پتیت
	۱۴	دبا	دیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۹	ہورند	دہورندر
۲۹	۵	نہو	نہوں
۳۳	۱۶	گنا بنا دیں	گنا نبا دیں
	۱۷	ادہیائی	آدہیائی
۴۵	۲	پیٹرت	ٹیرٹ
	۷	تن	تن
۴۶	۱۱	نازے	نازکے
۴۷	۱۵	سری پت	سری جدپت
۴۸	۷	غنچۂ	غنچہ
۵۰	۱۳	تعسر	تغیر
۵۴	۳	ہوئس	ہوئیں
۵۶	۶	اگر	الگ
۵۸	۱۲	ہوالعس	ہوائیں
۶۲	۱۶	ہمنائے	تمنائے
۶۵	۱۴	حقیقت کومحـ	حقیقت کومحبت
۶۶	۹	جلوہ ہیں	جلوہ بین
۶۸	۸	گوپ	گوپپ
۷۱	۹	ہماں	پہچان
۷۲	۲	دفن	دقن
۷۴	۵	ہجی	بہجنتی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۵	۱۰	اعیار	اغیار
۷۷	۲	ڈہلاہے	ڈہلایاہے
	۶	رہے	رہی
۸۲	۹	ہوشں	پوشں
۸۵	۸	بستی رہاہیں	بہشتی رہاہیں
	۱۱	سے عیاں	سے جو عیاں
۸۶	۵	بیچپنی	بیچینی
۸۷	۱۹	کہاں	کہاں تک
۸۸	۱۱	طمانچہ	طمانچے
۸۹	۱۱	غرض	عرض
۹۱	۸	ئی	کوئی
"	"	پتیامہر	پیتامہہ
۹۲	۱۱	اب - پایا	آب - آیا
۹۳	۳	حسین	جبین
۹۵	۱۳	ہوا	ہو
۹۸	۱۷	کو	گو
۱۹	۱۲	ہوئے	ہواسئے
	۱۹	ڈف	دف
۱۰۵	۴	اسرا	اسرار
	۱۴	بیب	جیب
۱۰۶	۱۲	بےموج ہیں	بےاوج ہیں
۱۰۷	۹	نجیب	عجیب
۱۰۸	۹	ہالکے ہیں	ہالکے سے ہیں
۱۰۹	۷	مینیں	بینیں
	۱۲	ومہا	ودیا
۱۱۰	حاشیہ	۱۰۱	۱۱۰
۱۱۱	۶	شاہانہ	شاہان
	۷	بنیا	بنیا
	۱۱	بنوو باس	بنو باس
	۱۳	رکھوں	رکھوں میں
۱۱۳	۱۲	سے دہری	ہے ہری
	۱۴	ہوتیں	پھوٹیں
۱۱۵	۶	نقش وپا	نقش پا
۱۱۶	۱۰	جرنوں پر	چرنوں پر
	۱۴	ماما	ماتا
۱۱۸	۱	سروفیہ	سرونپہ
	۱۳	آنکھوں نے	آنکھوں نے
۱۹	۱۰	محرا	صحرا
۱۲۰	۴	پکیہ	پکھارنے
	۶	چپال	جپال

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۱	۵	سماں	سامان
	۶	دل	بدل
	۷	بہاں	بیان
	۱۴	خرماں	خراماں
۱۲۲	۶	وزیا	دریا
۱۲۳	۱۲	سہائی	سجائی
۱۲۴	۱	چپکے	جھلکے
	۴	باد باون	بادبان
۱۲۶	۱	جگت	چکت
	۳	بائی	جائی
	۱۴	تاروسنے	ناروسے
	۱۴	ایدہر	ادہر
۱۲۷	۷	قدم	دولی
۱۲۸	۱۲	الجھی	اچھی
۱۳۲	۱۵	لو	بو
		حصہ دوم	
۲	۰	رہ سئے	رو لئے
	۷	کہوں	کیوں
۴	۲	آز	آنسو
۶	۱۵	خنداں	خندہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۱	دیر سے ہو	دیر ہے
۱۰	۱۴	تماشو	تماشے
۱۵	۹	یوسف کے	یوسف نے
	۱۹	نکلیں کی	نکلینگی
۱۶	۳	جڑے	کھلتے ہے
	،،	جڑ گئی	چپڑ گئی
۱۸	۱۰	کہنچے کہنچے	کہنچے کہنچے
۲۵	۱۸	ہاں ہی	ہاں سیاہی
۲۷	۳	گنج	گنج
۲۸	۱۴	کو	تو
۳۶	۷	شمع	تیغ
۴۳	۴	ہیں	میں
	۱۰	تقدیر	تصدیعہ
۴۴	۵	ہاتھ	ساتھ
۴۵	۶	تم کو مرچکو	تم تو مرچکو
۴۶	۱۲	ہوگیا	پانوں میں
۴۹	۱۱	درسمیں	وڑمیں نہیں
۵۰	۱	گرنہر	جوگزنہر
۵۳	۱۵	زانوں	زانو
۵۵	۲	سب	شب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۵	۲	ہیں	میں	۱۰۵	۶	دشت	وحشت
	۱۷		(ق) اضافہ ہو		۱۲	پرشش	پرسش
۶۱	۶	یا واب	یہ اولب	۱۰۶	۶	پرشش	پرسش
	۱۶	مدِ	مدّ	۱۱۰	۸	دہوم میں ہی	دہوم ہی
۶۶	۶	رستہ	رستا	۱۱۳	۱	قدر	قدّ
۷۱	۱۱	لچھہ	کچھ		۱۱	بگڑے بگڑے	بگڑے
	۱۲	بار	یار	۱۱۵	۱۱	تپلاؤ	[illegible]
۷۹	۱۰	اجاؤ نگاہیں	آجاؤ کہیں	۱۱۸	۲	بخشتہ کا	بخشیگا
۸۲	۵	یا	"ا"	۱۱۹	۸	ڈہانپ ڈہانپ روتے	ڈہانپ ڈہانپ روتے
۸۵	۱	گے	گ		۱۰	فتور	وفور
۹۲		رشتگ	شتاب	۱۲۰	۱۰	کی	کہیں
۹۰	۹	منتر	سر			ہی جگر	ہی ہے جگر
	۱۲	امن	دامن	۱۲۳	۶	ناقہ	نافہ
۹۸	۱۰	پر	پھر	۱۲۴	۴	نہ	تہ
۱۰۰	۸	بھوٹ لسر۔ یہ	بھوٹ کر۔ یہ	۱۲۵	۳	خدا کی بار	خدا کی مار
	۱۵	ڈوبوبے	ڈوبے	۱۲۷	۱	چھپا ہوا	چھپا ہوا
۱۰۱	۱۱	چھوٹی	چھوٹ	۱۲۸	۵	کے	کا
۱۰۳	۸	دہنی	درہی	۱۲۹	۱۰	کہی	کہانی
	۹	کا	کو	۱۳۳	۱۲	تہ	تہ
۱۰۵	۳	وہاں پر	وہاں کان پر	۱۳۷	۵	جہان	جہاں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۲	۱	جسم	جشن
۱۴۵	۴	بارمک	باریک
۱۴۷	آخر	کپ تک	کپتنک
۱۵۰	۸	جوبدار	چوبدار

حصہ سوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۳	گیا	کیا
	۱۳	ذرا	آیا
۵	۱	ملا	بلا
۸	۲	یک	بیک
	۴	ہوا	ہوا
	۱۲	بیہ	پیہ
۹	۴	نگار	لگار
	۷	کو	تو
۱۰	۶	بہرہی خاک	بہرہی ہی خاک
	۱۳	کمر	گمر
۱۶	۱۳	کہبرا	گہبرا
۱۷	۴	قطر	قصر
۱۸	۱۲	نراین	ناراین
۲۰	۰	۰۲	۲۰
۲۲	۶	چھنے	چھلنے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۳	۱۱	ور	اور
۲۴	۱۲	ناب	ناب
۲۵	۷	کا	کیا
۲۶	۱۹	عندا	عہد
۲۷	۴	:	؎
۳۰	۱	ہن	ہیں
۳۶		گہاما	گہاٹا
۳۸	۱	بھی	کبھی
"	۴	شکوہ	شکر
"	آخر	روزو	روز
۴۰	۱۳	وجووہ	وجوہ
۴۳		بنانے کا	بنائیگا
۴۴	۶	تپ جوان	تپ یہ جوان
۵۰	۷	یار	بار
۵۱	۳	جوبس	چوہیں
	۸	اوج	روج
۵۲	۱۲	شہ وار	شہسوار

فہرست مضامین

کلیات شعلہ

حصہ اول

جس میں کہ حضرت شعلہ مرحوم کی مذہبی تصانیف

یعنی

(۱) مسدس برج رج (۲) مسدس پتی برت دھرم اور

(۳) پنر لواہ بلاپ (۴) مسدس ست دھرم

(۵) مثنوی بزم برندابن و (۶) نظم جنگ نندلی

شامل

ہیں

جے جے جے سری کرشن چندر کی جے

مصنفہ مارچ ۱۸۸۸ء

برج راج

خوش آج کا دن ہے درِ امید کھلا ہے
میلہ نہ سمجھئے یہ ہجوم علما ہے
جے کرشن کی جے برج کی ہر لب پہ صدا ہے
جلسہ نہیں ہے دھرم سناتن کی سبھا ہے
ہر دھام میں اب دھرم کی پھرتی ہے دوہائی
منڈل کو مبارک ہو زمیں برج کی پائی

یہ وہ ہے زمیں جسکو زمیں کہہ نہیں سکتے
تاباں سہی پر مہ کی جبیں کہہ نہیں سکتے
اونچا سہی پر عرش بریں کہہ نہیں سکتے
چھپ ہیں کہ چناں اور چنیں کہہ نہیں سکتے
روشن ہے کہ سجدہ گہ اہل یقیں ہے
جو ذرہ ہے یہاں خاتم قدرت کا نگیں ہے

اٹھا ہے یہیں آگے نقاب رخ توحید
چھپتا نہیں ہے شام کو بھی برج کا خورشید
ہر وقت نظر آتا ہے یاں جلوۂ جاوید
ایک ماہ میں یاں تیس نکلتے ہیں مہ عید
آتی ہے ہنسی ذروں کو تاروں کی جھلک پر
یہ وہ ہے زمیں پاؤں نہ رکھے جو فلک پر

یہ برج کی بھومی ہے عجب جلوہ گہ ذات
ہر سمت دکھا دیتا ہے بچوں کی کرامات
ہر کنگرۂ دیوار ہے یاں دست مناجات
لڑکوں کو یہاں کھیل میں قدرت کے طلسمات
بنیاد حقیقت ہے ہر آثار سے ظاہر

ہے حسنِ ازل یاں در و دیوار سے ظاہر

وہ صاف زمیں ہے کہ جو میلی ہو نظر سے
ہر مند مرصع در و یاقوت و گہر سے

جاروب کشی ہوتی ہے جبریل کے پر سے
خورشید مگس راں ہے شعاعوں کے چنور سے

وہ بھوم ہے جس پہ فلک جھوم رہا ہے
نیلم کا ہے اک چتر کہ جو گھوم رہا ہے

اب تک ہے زمیں پر جو کی گلزار حقیقت
غنچے میں وہی بو ہے وہی پھول میں رنگت

ہر کنج میں ہے حسنِ پر آشوب کی خلوت
ہر شاخ ہے سجدہ میں جھکی بہرِ عبادت

سکہ لبِ شیریں کا ہے ایک ایک ثمر پر
ہیں دستخطِ خاص ہر اک برگِ شجر پر

ہاں نورِ سحر یاں کی تجلی کا ہے پاسنگ
دو پہر یہاں ٹھیک ہے تپا پھری اک رنگ

ہر شام میں یاں جلوۂ گھنشام کا ہے ڈھنگ
دونوں مہ و خورشید ہیں کے ہیں دف و چنگ

کیا راگ تھا جو لے ہیں ابھی گونج رہا ہے
برہمانڈ ابھی لے ہیں ابھی گونج رہا ہے

اس حسنِ زمیں کا ہے مگر آب و نمک اور
مٹی کی دمک اور ہے ذرہ کی چمک اور

خورشید یہاں اور ہے مہ اور فلک اور
سبزہ کی لہک اور ہے پانی کی جھلک اور

پھیکے ہیں مہ و مہر کے کاشانہ کے جلوے
ہیں آنکھ میں برِندا بن و برسانہ کے جلوے

جو خاک میں یاں مل گئے قسمت ہے انہیں کی
گلبوٹیں جو یاں گُھسے ہیں جنت ہے انہیں کی

جو منگتے یاں آ کے حقیقت ہے انہیں کی
جو بھیک کا یاں کھاتے ہیں دولت ہے انہیں کی

وہ تلج شہی پر بھی کبھی ہاتھ نہ ماریں
دنیا کا ملے تخت تو اک لات نہ ماریں

کہہ سکتا ہوں کیا برج کی خوبی و لطافت ۔ وہ آنکھ نہیں جس میں ہو نظارہ کی طاقت
کیسے لئے آتا تھا ادھر حسن حقیقت ۔ چلا آیا ادھر شوق نہیں فکر مسافت

معدوم کروں فاصلہ دور و قریں کو
رفتار پکاری کہ نگل جاؤں زمیں کو

یاں دھرم سناتن کا ہے مجمع مہا منڈل ۔ دنیا کا یہ میدان ہے اور دھرم کا دنگل
وہ ٹھنڈی ہوائیں وہ خوشا برج کا جنگل ۔ آنند ہیں آنند سے منگل ہیں ہے منگل

ست دھرم کا جھگڑا جو اٹھا ہے ابھی طے ہو
ہر چار طرف سے کہو ست دھرم کی جے ہو

ہے دھرم ہی انسان کے گناہوں کا کفارا ۔ ہے دھرم ہی ٹوٹی ہوئی آسوں کا سہارا
ہے دھرم ہی سنسار کے دریا کا کنارا ۔ ہے دھرم ہی جو موکش پہ رکھتا ہے اجارا

یہ دھرم نہیں چال دیانندی ہے جسکی
ست دھرم سناتن ہے کہ پابندی ہے جسکی

انساں نے فضیلت ہے اسی دھرم سے پائی ۔ ناداروں نے دولت ہے اسی دھرم سے پائی
بھگتوں نے حقیقت ہے اسی دھرم سے پائی ۔ مردوں نے شجاعت ہے اسی دھرم سے پائی

تھا بوجھ یہی بھیم کے بھی گرز گراں میں
تھا زور اسی دھرم کا ارجن کی کماں میں

ہوتی ہے ادھر مول سے گر دھرم کی ہانی ۔ ہندوؤں کیلئے ڈھونڈھتے [illegible]

نانا کہیں بھوکا تو پیاسی کہیں نانی
دینے کی عوض پھیر دیا پتروں پہ پانی

اوتاروں کو انساں کی طرح جان رہے ہیں
اندھے ہیں یہ کیا برہمہ کو پہچان رہے ہیں

وہ دہرن ہیں اپدیش میں جو وقت گذاریں
وہ دہرن ہیں جو دہرم کی بگڑی کو سنواریں
وہ دہرن ہیں جو ڈوبتی کشتی کو ابھاریں
وہ دہرن ہیں منجدھار سے جو پار اتاریں

دہرماتما اس طرح کہاں جمع ہوئے ہیں
ہیں دہرن جو اپدیش کو یاں جمع ہوئے ہیں

ویرانہ پڑا دہرم ستاتن کا ہے کھیڑا
ڈالا ہے کومت دہرم سبھاؤں نے بکھیڑا
کلجگ کی بھنور جال میں ہے دہرم کا بیڑا
کس زور سے ہے باد مخالف کا تھپیڑا

طوفان کا پانی جو بھرا توڑ کے کشتی
ملاح الگ کود گئے چھوڑ کے کشتی

ہاں وقت وہ آیا ہے کہ سب ہاتھ لگاؤ
اس بہتی ہوئی ناؤ کو چکر سے بچاؤ
طوفان ہے اٹھا پاپ کی ٹکر سے ہٹاؤ
پانی ہے بہت پاؤں ذرا جم کے جماؤ

پہونچے گا کنارے پہ جو منجدھار ہے بیڑا
جے کرشن کی بولو تو ابھی پار ہے بیڑا

افسوس بھری اپنی بھی کچھ کہتا ہوں حالت
پاپی ہوں مجھے عرض سے آتی ہے خجالت
ہے کون کریگا جو گنہوں کی وکالت
ضامن ہے کوئی اور نہ کسی کی ہے کفالت

سمجھے گا نہ کچھ فکر نہ کچھ شکر عمل ہے
لے دہرم ہی نے کرم نہ دویا ہی نہ جل ہے

قیدی کی طرح عمر کٹی موہ کے بس میں
ہر ایک گھڑی گذری ہے دنیا کی ہوس میں
پابند رہا بوجھ سے بے دانہ قفس میں
اک دن بھی نہیں کام کا چالیس برس میں

مدت کا گنہگار ہوں شرمایا ہوا ہوں
اب وقت وہ آتا ہے کہ گھبرایا ہوا ہوں

نے قوت بازو نہ کوئی لختِ جگر ہے
اک وقت کا توشہ نہیں اور سر پہ سفر ہے
غربت زدہ ایسا ہوں کہیں گھر ہے نہ در ہے
پاپوں کا بہت بوجھ ہے بشکستہ کمر ہے

ہوں آپ کے چرنوں سے لگا جان لو اتنا
کچھ اور نہیں چاہتا پرمان لو اتنا

جس دم مری امید سے گھر والوں کو ہو یاس
پھیلی ہوئی سنگھار کے پھولوں کی ہو بو باس
سب دور ہوں سرکار ہی سرکار ہوں اک پاس
مرلی کی صدا کان میں آتی ہو پئے اس

منہ پھیر کے دیکھوں نہ کبھی ماتمی صف کو
پتلی جو پھرے بھی تو مکٹ ہی کی طرف کو

میں یہ بھی نہیں چاہتا تکلیف اٹھاؤ
پر کچھ تو مرے واسطے تدبیر بتاؤ
میں یہ بھی نہیں چاہتا بگڑی کو بناؤ
اتنا بھی نہیں ہوں جسے چرنوں سے لگاؤ

نقشِ کفِ پا پھونک نکلنے کو تو مل جائے
دو ہاتھ زمیں برج میں جلنے کو تو مل جائے

ہو جاؤں فنا پاؤں جو اتنا بھی سہارا
دم لب پہ ہو سینے میں تصور ہو تمہارا
جب بند ہوں آنکھیں تو مکٹ کا ہو نظارا
مٹ کر بھی جدائی نہ ہو چرنوں کی گوارا

جو برج کی رج ہے وہی خاکِ کفِ پا ہے

مٹی نہیں رہجائے تو بیکنٹھ میں کیا ہے

گھروائے کہیں تو نہیں مرنا ہو مبارک
بگڑی ہوئی دنیا کا سنورنا ہو مبارک

آنند ہیں ہستی سے گذرنا ہو مبارک
صدقے دل و جاں کرشن پہ کرنا ہو مبارک

بیکنٹھ میں مل جائیں وہ تدبیر بتا جاؤ
ہم کو بھی سری جی کی کنیزوں میں لکھا جاؤ

سب جانتے ہیں مجھکو نپٹ بے سر و پا ہوں
تم مجھکو بنا ہو میں غلامی کو بنا ہوں

سب جانتے ہیں آپکے چرنوں سے لگا ہوں
ملجائے وہی دولت و نعمت جسے چاہوں

دیکھو نہ خدائی کی کرامات بگڑ جائے
ایسا نہ ہو شعلہ کی کہیں بات بگڑ جائے

اب عرض کی طاقت نہیں ای مجلس عالی
تکلیف بہت میرے سبب آج اٹھا لی

کرتے ہیں بہت کام کہاں وقت ہے خالی
یہ جنس گرانمایہ دکھانی تھی دکھا لی

جو وہم کے عقدے ہیں وہ سب کھولنے اٹھو
اٹھو تو سری کرشن کی جے بولنے اٹھو

مسدس ۲

ست دھرم

مصنفہ

منشی بنواری لال شعلہ وکیل علی گڑھ

جو

۲۹ جون سنہ ۹ء بروز اتوار برن آشرم دھرم بردھنی سبھا
دہلی کے جلسہ جنرل میں پڑھا گیا

بے دھرم کی جے

ہے فرض کہ پہلے کہوں اُس فخر کی حالت — جو کچھ کہ ملا آپ کے چرنوں کی بدولت
وہ لفظ نہیں جن میں بیاں ہو یہ لطافت — اس دہرم کے جلسہ نے جو بخشی مجھے عزت
ہو شکر ادا آپ کی کرپا کا کہاں تک
جو کھینچ کے لائی ہے علی گڑھ سے یہاں تک
بے دہرم سناتن کی جے دہرم کی جے ہو — سنسار میں سورج کی طرح دہرم اُدے ہو

ست دھرم کا جھگڑا جو اٹھا ہی ابھی طے ہو
جو کرشن کا ہی بھگت سر کرشن میں لے ہو

کھو دیتا ہی جوں شب کی سیاہی کو سویرا
مٹ جاتا ہی سورج کے نکلنے سے اندھیرا

ست دھرم سناتن ہی نئی بات نہیں ہی
پرکاش ہو سورج کا جہاں رات نہیں ہی
اجمیر کی آئی ہوئی سوغات نہیں ہی
ست دھرم سے مت دھرم مساوات نہیں ہی

جب دھرم نہیں بھگتی کی دولت نہیں ملتی
برہمانڈ میں ڈھونڈھو تو یہ نعمت نہیں ملتی

یہ اندر پرست اور یہ خوشا دھرم کا جلسہ
ست دھرم کے اونشو کی سبھا دھرم کا جلسہ
بتلاتی ہیں کیا دھرم وچار دھرم کا جلسہ
آنند سے آنند بھرا دھرم کا جلسہ

ست دھرم کے سورج کا وہ پرکاش ہوا ہی
مت دھرم کے اندھیر کا اب ناش ہوا ہی

کیا وجہ نظر آتا ہے ہر ایک جو مسرور
ہی کون جسے دھرم کی رکشا ہی منظور
ست دھرم کے آنند کا ہر چہرہ پہ ہی نور
بتلاؤں وہی کرشن جو ہی جگت میں بھرپور

اس نام پہ اُمڈے ہی خوشی چرخ و زمیں سی
جیکارہ وہ ہو گونج اُٹھے برج یہیں سے

اوتسو ہی یہ ست دھرم کا جلسہ ہے سبھا کا
لہراتی ہیں کیا دھرم وچار اور ودیا کا
پھولوں سے بھرا چرخ پہ دامن ہی ہوا کا
ہر چار طرف شور ہو جے جے کی صدا کا

گلزار سے اُٹھا ہے مگر لہرکے سحاب آج
پھولوں کی گھٹاؤں سے برستا ہی گلاب آج

جلسہ تو خوشی کا ہے پر افسوس بھرا ہے
ست دھرم۔ کومت و دھرم کے عملوں میں گھرا ہے

جو حالت موجودہ ہے حسرت کی وہ جا ہے
کوئی بھی تو اتنا نہیں کہتا کہ یہ کیا ہے

جو دھرم کے رہبر تھے وہ خود کھوئے ہوئے ہیں
جو سب کو جگاتے تھے وہی سوئے ہوئے ہیں

کہنے کو برہمن کا فقط نام و نشاں ہے
چھتری کی بھجابل کا بھی کچھ وہم و گماں ہے

وہ ودیا کا وہ بل تیج وہ پرتاپ کہاں ہے
اور ویش کی دولت تو تہ خاک نہاں ہے

وہ ودیا ہی نہیں تیج کی اٹکل ہو کہاں سے
اٹھتے ہی نہیں ہاتھ بھجابل ہو کہاں ہے

کیا کیا نہ ہوئیں دھرم پہ لوگوں کی چڑھائی
اک شور مچا ہے کہ دہائی ہے دہائی

وہ کونسی آفت تھی کہ جو سر پہ نہ آئی
گیارہ دفعہ ہونے لگی بیوؤں کی سگائی

جو مندر پراچین تھے مسمار پڑے ہیں
پہلے جو جنیو تھے وہ اب تار پڑے ہیں

جو دھرم کی پستک تھیں انہیں آگ میں ڈالا
ہے وہی کومت جس نے نیا مت ہے نکالا

ہر روز ہوا وید کا ایک ارتھ نرالا
ست دھرم کو کرنے لگے جاہل تہ و بالا

کیا دھرم کی حالت تھی کہ غمناک ہوئی ہے
جو برج کہ تلک کی تھی وہ اب خاک ہوئی ہے

شدر ہا نہیں کہتے ہیں شدروں کو جو بیکار
کیا باپ کے جلد ان سے ہوا انکو سنسکار

دیتے ہیں مگر پتر کی یہ روح کو آزار
ماتا کے کنا گت یہ جو کہ اٹھتے ہیں ہر بار

نو ماہ کا دینا ہے کرایہ فقط ہمکو

گو وام سمجھ رکھا ہے ماور کے شلوکو

افسوس کہ ست دھرم کو سوکھے ہیں ڈبویا — جو دھرم کے تھے کرم انہیں آپ ہی کھویا
بدھی کو کیا نشٹ برا بیج ہے بویا — پھل اس کا وہ چکھینگا جو ہوا ہم سے سو یا

جو تم ہو وہی ہم ہیں کوئی غیر نہیں ہے
ست دھرم میں آجاؤ تو کچھ بیر نہیں ہے

تم سے کر ست دھرم کو اور خوب سمجھ کر — ہٹ دھرمی کو چھوڑو نہ رہو پکش کے اوپر
مانو بھی اسی کو جو لکھا وید کے اندر — یہ دوسری ہے بات کہ ضد ہی ہو سراسر

دیکھو نہیں پچھتاؤگے ست دھرم پہ آجاؤ
تم دھرم سناتن کو برا کہتے ہو شرماؤ

کیا سمجھے وہ جس نے کبھی کچھ دیکھا نہ بھالا — اندھے کو ٹٹولے سے نہیں ملتا اجالا
ہر بھگت کو آنند ہے ہر وقت نرالا — ہر شے میں بسا رہتا ہے نندگانو کا لالا

پرمانند کے آنند کو پاتے ہیں یونہیں
یاں دھرم دھجا بھگت اٹھاتے ہیں یونہیں

اب دوسرے مضموں کی طرف آئی طبیعت — جس رو کے دکھلانے کی ہے خاص ضرورت
وہ درگتی بدہواؤں کی دیونگی حالت — اس رنج کے دکھلانے پہ پڑتی نہیں ہمت

اب وقت ہے ہے کرشن تمہیں ہو گے سہائی
سنتا نہیں بدہواؤں کی کوئی بھی دہائی

جو بال اوستھا میں ہیں سنسار میں بدہوا — پت مرتے ہی کر لیتی ہیں جد پت پہ سہارا
ہوتا ہے بلاپ ان کا پر یاد ہیں کیا کیا — ست کوئی ڈگاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہا ہا

کیا ڈشٹ ہیں جو باپ پہ خم ٹھونک رہے ہیں
ماں باپ ہی جلتے ہیں ہمیں جھونک رہے ہیں

ایک بال اوستھا کی ہے بدھوا کی کہانی
مت دھرم سے کرنے لگے جب دھرم کے ہانی
ماں باپ نے جب اسکے پنر بیاہ کی ٹھانی
کہنے لگی منہ تک کے وہ بھولی سے نمانی

میں رانڈ ہوں اور باپ کو اوتساہ ہے کیسا
پت تو گیا بیکنٹھ میں اب بیاہ ہے کیسا

کہتی تھی کبھی ماں سے کہ اچھی یہ بتا دے
کیوں کہتا تھا یہ باپ کہ رنڈسالہ اٹھا دے
ہوتا ہے یہ کیا گھر میں مجھے بھی تو سنا دے
بھائی کا بھی ایسا تھا کہ پھر مجھ کو سجا دے

بدھوا کو کبھی پتر تو جلتے نہیں دیکھا
دولہن تو کسی رانڈ کو بنتے نہیں دیکھا

ماتا نے کہا اس سے کہ ہے دوسرا بیاہ
تو کہتی ہے دو کو یہاں گیارہ کا ہے اوتساہ
میں کیا کروں لوگوں نے نکالی ہے نئی راہ
بیٹی نے کہا تھام کے دل بھر کے نئی آہ

سر جائیگا پت دھرم پہ تب بھی نہ موڑونگی
تو ٹوٹ چکی چوڑیاں وہ اب نہ جوڑونگی

جس سر کو کہ پت دھرم کے چرنوں میں تھا ڈالا
ہیں کون جنھوں نے یہ نیا بھید نکالا
اب کون ہے اس سیس کا پھر گوندھنے والا
جو دھرم پتی برت کا دیکھا ہے نہ بھالا

پت دھرم اگر ستیہ ہے سنگی ہیں پتی کی
بدھوا سے جو سیوا ہو تو ارتھی ہے پتی کی

کس منہ سے کہوگی نئے پت سے پتی پرتا
جب مجھ سے نبھا دھرم نہ اک پہلے ہی پت کا

گیارہ کے لئے روز کہاں ست کا دعوا
اس بیاہ سے تو پہلے ہی مرجانا ہی اچھا

کس سر سے نئی ساس کے ہیں پاؤں پڑونگی
ارتھی کی جگہ کیا نئے ڈولے میں چڑھونگی

پت کہتے ہیں جس کو نہیں ملتا وہ دوبارا
ایشور کا سہارا ہی کہ ہے پت کا سہارا
کب دوسرے کا دیکھنا ہوتا ہی گوارا
ست دھرم اگر سچ ہی تو وہ ست ہی ہمارا

بیکنٹھ میں پدوی کی جگہ پائی ہیں ہم ہی
پت مرتا ہی جلتی ہوئی جلجاتی ہیں ہم ہی

پت دھرم ہمارا ہی اگر ہم پہ سہائی
بیکنٹھ کا ہی راج اسی گھر کی گدائی
یہ اندر کا آسن ہی رنڈاپے کی چٹائی
پھر لیتے ہو جب کر چکی اک بار پرائی

اک بیٹی کو گیارہ جگہ دیتے نہیں دیکھا
اس دان کو پھر کے لیتے نہیں دیکھا

اب لاج ترے ہاتھ ہی اے کرشن مراری
سنتا ہی بھلا تیرے سوا کون ہماری
بپتا ہی بہت ہم پہ پڑی بھیڑ ہی بھاری
اب وقت وہ آیا ہی کہ چادر ہی اتاری

پت ہی ترے چرنوں میں اسی طرح سبھی کی
جس طرح سے تھی لاج تجھے دروپدی کی

اے دھرم کے اپدیشکوں کچھ تم ہی خبر لو
بوئیں ہی پھیلا ہوا جی چاہے سو بھر لو
لے سکتے ہو ست دھرم کی اوپمان کو اگر لو
گر اور نہ کچھ ہو سکے تو اتنا ہی کر لو

سنسار کا سب پاپ سنکٹ نام ہی کھو دو
بدھواؤں کو کیوں پھر کے جہازوں میں ڈبو دو

اے جلسۂ ست دھرم بس اب جائے ادب ہے
ناقص کوئی مضمون ہو تو جلد بکٹا سب ہی

یہ پکش ہی پُر دُور عجب رنج و تعب ہے
اچھا ہی تو سب آپ کی کرپا کا سبب ہے

جو گانٹھ پڑیں دھرم میں ایک ایک کو کھولو
جے کرشن کی جے کرشن کی جے کرشن کی بولو

مسدس

پتی برت دھرم اور بیرہواہ بلاپ

مصنفہ جناب منشی بنواری لال شعلہ حصاری وکیل عدالت علی گڑھ جو جلسہ
سالانہ بھارت دہرم مہا منڈل دہلی میں مصنف نے خود پڑہا تھا

معہ

مسدس ست دھرم

جو سالانہ جلسہ دہرم سبھا جالندہر میں پڑہا گیا
حسب ایماء اُن سجن پرشوں کے جو دہرم کی اونتی اور پریم بھگتی میں تن من
دہن لگائے ہوئے ہیں

جے ہو

نند نندن گھنشام نے کری کرپا آئی آج
گن ساگر اگر اگم سے ملے بھگت پرچ راج

تمہیں دہن دہن ہوائے مہا شئے
کومت دہرم کی چہے کومت دہرم کی چہے

کرت دہرم کی اونتی ہیں ہو سے
سداست کی جے سداست کی جے

ہوا برج کی سمت سے آرہی ہے

وہ بجا وہرم کی آج لہرا رہی ہے

رواں وہرم نوکا ہے اسکے سہارے
اسی نے بہت ڈوبتے پار اتارے

اسی سے کھلے وہرم کے پھول سارے
اسی نے لگائے ہیں بیڑے کنارے

ہرے ہیں اسی سے دل و جان اپنے
یہی ہے ہوا جس میں ہیں پران اپنے

چلی سنسنا کر ہوا وہرم کی ہے
سماں وہرم کا ہی سبھا وہرم کی ہے

اُڑی پھر پھرا کر وہ بجا وہرم کی ہے
اُٹھی برج بن سے گھٹا وہرم کی ہے

کہ بادل میں رنگت بسی ہے پیت پٹ کی
یہ بجلی نہیں ہے جھلک ہے مکٹ کی

لتا کا ہر اک آپ لہرا رہی ہے
گھٹا شیام کے رنگ کی چھا رہی ہے

پتا کا بہار اپنی دکھلا رہی ہے
پون برج بن کی مہک لا رہی ہے

ہوا برج کی لیلوں من کو کھوسے
ہنڈولوں کی لیلا کے آتے ہیں جھوکے

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی ہے جمنا کے تٹ کی
ہوا کے ہے جھوکوں میں جنبش مکٹ کی

مہک بھینی بھینی سی ہے پیت پٹ کی
ہنڈولوں کے جھوٹوں میں ہے جھٹکی ٹکی

اُلجھتی ہیں آنچل میں بجلی کی گونجیں
بھری ہیں ملاروں میں بجلی کی گونجیں

سمیں یہ بلا وہنبا واس سبھا کو
اس آنند کا وہنبا واس سبھا کو

سماں یہ بندیلا وہنبا واس سبھا کو
یہ وہرما تما وہنبا واس سبھا کو

بھری سب کے سر میں ہوا دھرم کی ہے
جسے دیکھئے وہ دہجا دھرم کی ہے

ہوئے ہیں جو اک ست پرش سجن
کسیکے مخالف کسیکے نہ دشمن
یہ ست دھرم کی اونتی کا ہے کارن
نہ نندیا سے ہمکو کسیکے پریوجن

غرض شاعری سے نہ مطلب ہے لیسے
فقط کام ہے دھرم کی ایکتے سے

بکھ ہو چلے ہائے اپنے ہی بھائی
یہ کیوں پاپ کی ناؤ بھر کر ڈبائی
مہا دکھ دیتی ہے گھر کی لڑائی
نہ سمجھے سری کرشن کو تم سہائی

نہ نشٹھا ہے کوئی نہ سیوا ہے کوئی
نہ مرنے پہ پانی کا دیوا ہے کوئی

مہا شبھ یہ کیا نام آیا زباں پر
سری رادھکا بر سری شیام سندر
سری کرشن گوپال نندلال گردھر
نول چھیل گھنشام مرلی منوہر

اسی نام میں حکمت لے ہو رہی ہے
یہی نام ہے جس سے جے ہو رہی ہے

یہی نام ہے ڈوبتوں کا سہارا
یہی نام برہما و شیو نے پکارا
اسی نام میں تو ہے برہمانڈ سارا
یہی نام ہے موکش و ایک لے ہمارا

پڑا دھرم کا ہے جو منجدھار بیڑا
اسی نام سے ہوگا اب پار بیڑا

یہی نام ہے جسکا کرتے ہیں سادھن
یہی نام ہے جسکو جپتے ہیں سجن

یہی نام ہے جسپہ گوپی تھین جوگن — یہی نام ہے جسپہ لٹتے ہیں تن من

ہزاروں اگر جان ہوں تو لٹا دوں
کروڑوں اگر پران ہوں تو لٹا دوں

ترے نام لینے کو مادہو مراری — زباں بنگئی کیوں نہ یہ دیہ ساری
ترے نام ہی پر ہے آشا ہماری — ترے نام ہی پر بھروسہ ہے بھاری

ترے نام ہی سے مٹے گا بکھیڑا
ترا نام ہی پار اُتارے گا بیڑا

یہی نام ہی پران سے جو ہی پیارا — یہی نام ہی بھگت جن کا سہارا
اسی نام پر دہیان بندہتا ہی سارا — اسی نام سے تو ہے تیرا نظارا

یہی نام ہردے کے پٹ کھولتا ہے
یہی نام ہے جس سے تو بولتا ہے

اسی نام کے روپ کا دہیان دہرئے — یہی دہیان ہی جسکو تن من میں بھرئے
اسی لیکے سنسار سے پار اُترئے — یہی دہیان ہی جیتے جی جیسے مرئیے

مہا پاپ کے پھند چھٹتے ہیں اسپر
ہی کیا جگ کے برہمانڈ سے لٹتے ہیں اسپر

یہ وہ دہیان ہی جو جوگیوں نے نہ پایا — یہ وہ دہیان ہو دہیان میں جو نہ آیا
یہ وہ دہیان ہی جسکو منیوں نے گایا — یہ وہ دہیان ہی برہم جسمیں سمایا

وہ کیا دہیان ہی برج موہن کی مورت
وہ کیا دہیان ہی شیام مورت کی صورت

مہاشے میری سمت سے آنکھ ہٹاؤ
نکلے ندینا جیسے دل میں پاؤ
ذرا دھیان میں گردنوں کو جھکاؤ
نظر کون آتا ہے سچ سچ بتاؤ

وہ ہی شیام مورت وہی پیت پٹ ہے
وہی بانسری ہے وہی تو مکٹ ہے

اُسے دھن ہو جسنے یہ دھیان پایا
وہ آیا جہاں پریم بس ہو کے آیا
سماں جسکی نظروں میں اس چھب کا چھایا
کٹھور اپنے من اور وہ کومل سی کایا

بہت دیر اس دھیان کے سکھ رہی ہیں
بس اب آنکھیں کھولو چرن دُکھ رہے ہیں

یہ آنند تو پا چکے اے مہاشے
کومت دھرم کا چڑھ رہا ہے بہت ہے
دو ہائی بھی سن لو جو پت دھرم کی ہے
بکھے ہو رہے ہیں مہا پاپ میں لے

یہ کیوں دھرم اور لاج کو کھو رہے ہیں
جو چلے پتی دھرم پر ہو رہے ہیں

یہ کیسا اندھیر اور پاپوں کا ڈر ہے
جو کچھ ہے یہ پھیلا کومت کا سبب ہے
کسی وید میں آگیا اسکی کب ہے
کہاں ایک اور گیارہ پت کیا غضب ہے

نہ دادا کا نام اور نہ بھائی کا جس ہے
پتا کو دیا ہے نہ ماں کو ترس ہے

کھڑا آج ہوں جس وشے پر مہاشے
ہے پھیلا ہوا جسکا سنسار میں ہے
وہ کیا ہے فقط استری دھرم نشچے
چڑھائی بڑی استری دھرم پر ہے

کلیجوں کو تھامو تو سب بھید کھولوں

اگر سا وہاں ہو کے بیٹھو تو یوں

مہاشے یہ آشے بہت دُکھ بھرا ہی — پتی دہرم کا کرشن پر آسرا ہے
کومت دہرم والوں نے جو کچھ کیا ہے — یہ سنتاپ سارا اپنر بیاہ کا ہے

دیا بیٹوں پر نہ بھوؤں پہ رکشا
برو دہی نہیں کرتے گئوؤں پہ رکشا

بتاتا ہوں کیا دہرم ہی استری کا — نیم انکا ہی کس کے چرنوں کی سیوا
بواہوں کی لکھی ہی کیا کیا اوستہا — بہت آجکل جسکا پھیلا ہے چرچا

دکھاتا ہوں پہلے کہ کل دہرم کیا ہے
پتا اور ماتا کا شبھ کرم کیا ہے

ہی اشٹم برس پتری روپ دیوی — نویں برس سمتل ہے روہنی کی
دشم برش کنیا کی سنگیا ہی ہوتی — بواہوں کی بس تین اوستھا ہیں یہی

پتا اور ماتا کا ہے دہرم کس میں
یہی تین اوستھا ہیں ہووان جسمیں

ہی اوپرانت رجسولا سب کی سنگیا — ہر ایک ماس ہوتی ہی اک جیو ہنسیا
وہ ہی کون جو پاپ بھاگی ہی اسکا — بڑا بھائی ماتا پتا اور ماتا

مہا شوک اور کشٹ پاتے ہیں چاروں
رورو نرک میں ڈالے جاتے ہیں چاروں

لکھی شاستروں میں ہی جو کنیا کی سنگیا — بتائی ہی کلجگ سمے کی اوستھا
گذر کر دشم سے نہیں رہتی کنیا — ہی شنکلپ رجس سلا دیدا او کیا

نہیں رہتا ہی یگ اونساہ کا پھل
نہ کچھ واں کا پھل نہ کچھ بیاہ کا پھل

یہ ترنے تو ویدوکت ہیں اے مہاشے | دلیلوں کی اسمیں ضرورت نہیں ہی
سمیں کا بھی پربھاد ہی سکو نشچے | مہا گھور کلجگ کا جو کچھ ہے سہے

کلو کال کی کیا اوستھا بتائیں
کہ اب چودہویں سال بنتی ہیں ماں ہیں

مہاشے یہ جملہ تھا اک درمیانی | ابھی تو بہت اصلیت ہے دکھانی
سُنو استری دہرم کی سادہانی | جسے کہہ گئے ہیں مُنی اور گیانی

کہوں گا جو شبھ کرم ہے استری کا
بڑا ہی کٹھن دہرم ہے استری کا

وہ کیا دہرم ہی پت کے چرنوں کی سیوا | بیمار یدہ سے ہو پتی چاہے کیسا
گرودہی مہادین یا بروہ اندھا | اپاہج ہو نردہن ہو گونگا ہو بہرا

ہو کیسا ہی پت اسکی سیوا ہی بھگتی
پتی برت کو پت کی پوجا ہے بھگتی

جہاں ایک ہی دہرم ہی پت کی سیوا | جہاں ایک ہی برت ہی پت کی پوجا
جہاں پت کی چرنوں نے پیٹی ہو کایا | وہ اُتم ہیں سنسار میں پتی برتا

مہاشے بتاؤں یہ لکشن ہیں کن کے
نہیں جگ میں پرپرش سپنے کو جن کے

نہیں پرپرش جسے پتا پتر بھرا تا | وہ مدہم ہیں جنکا سو بھاوک ہی ناتا

ادہم ہیں جنہیں دہرم کل ہی بچاتا　　لکھو جنکا ہے سے نہیں دہرم جاتا

ہوئی پریت جنکو پرائے پتی سے
ہے نرک اُن کو سو کلپ تک دُرگتی سے

یہ پت دہرم اور جیسے دُکھ ہی بھاری　　مچی آریا ورت میں ہا ہا کاری
چلی ہاتھ سے لوک کی لاج ساری　　بڑھی شوک وا ایک بپت ہی بھاری

لگے ہونے سنسار میں کرم کیسے
بچارے بچے استری دہرم کیسے

پتی برت کا دہرم یوں ٹوٹ جائے　　نیا جوڑہ ملنے کو جوڑی بڑھائے
کسی پر کھلے سر کسی پر گندہائے　　کسی پر لٹے گھر کسی کو بسائے

کوئی دیکھ سکتا ہے اپرادہ ایسے
پتی برت کے دہرم مٹتے ہیں کیسے

یہ ہی پوچھتی اک پتی برت بدہوا　　ہمارے لیئے شاستر میں دہرم میں کیا
سمجھتی ہیں شبہ دہرم اک پت کی سیوا　　ہی پت دہرم جنہیں نہیں ہوتیں بیوا

نیوگ اور پنر بیاہ یہ ریت کیا ہے
مر اک تو گیارہ کی پرتیت کیا ہے

سہاگ ایک چڑھکر اُترتا نہیں ہے　　پتی برت کا پت تو مرتا نہیں ہے
کبھی دہیان پت کا بسرتا نہیں ہے　　کوئی دور ہر دے سے کرتا نہیں ہے

یہی دہرم ہے اور اسی میں ہی گت ہے
جو پت ہے سو ایشور جو ایشور سو پت ہے

پیت اور گومت کوئی سنتا نہیں ہے
ہماری کوگت کوئی سنتا نہیں ہے
پیت اور راست کوئی سنتا نہیں ہے
ہماری بپت کوئی سنتا نہیں ہے

لٹی جاتی ہو ساری پت کی کمائی
دُہائی سری کرشن جدپت دوہائی

تمہاری ہمارے اگر آپ ہوتے
نہ بپتا یہ ہوتی نہ بر لاپ ہوتے
نہ ہم بیٹھی ہوتیں نہ یہ باپ ہوتے
نہ ہم رانڈ ہوتیں نہ یہ پاپ ہوتے

پتا کی خوشی ہے دہرم چھوٹے اوپر
چتا میں ہو پت ہم ہوں سب چھوٹے اوپر

گھڑا پاپ کا پاپ سے بھر کے پھوٹا
بڑا ہی نرتھ ہے جو پت دہرم ٹوٹا
یہ دہرم گ میں سب نے چھاتی کو کوٹا
رہا کون ساتھی جو ایک ساتھ چھوٹا

چھٹے اک ملے دوسرا میل ہمکو
جلے دیہ پت کی چڑھے تیل ہمکو

دہرا ہمنے جس گود میں پت کے سر کو
چڑھا دے سے کیا کام رانڈ و نکے گھر کو
وہ گودی بھری جائے اب اور ہر کو
براشٹ آئے گی کیا مرے کی خبر کو

جو ارتھی تھی کیا اسکا ڈولا بنے گا
رنڈاپے کی کفنی کا چولا بنے گا

نہ سمجھا پتی دہرم کوئی ہمارا
بلا سے جو بیر جائے سنسار سارا
گومت دہرم سوامی کہاں کا پکارا
نچھیٹے گا چرنوں کا پت کے سہارا

سمجھتے ہوئے بس ہمیں کیا سمجھکر

یہ دُکھ ہمپہ ڈالے ہیں بدھوا سمجھکر

پتر بیاہ کی دہوم اُٹھائی گئی ہے — جو بدھوا تھی دولہن بنائی گئی ہے
جو بگڑی ہوئی تھی سجائی گئی ہے — کھُلی تھی جو چوٹی گوندہائی گئی ہے

گیا سُرگ میں پت سگائی ہے کس کی
ہوا پت بدا اب بدھائی ہے کس کی

ہمارا پتر بیاہ ہے دیہہ چھٹنا — چتا کی ہے بہنیں ہمارا اوبٹنا
ہمارا پتی دہرم ہے گھر میں گھٹنا — ہماری ہے دولت مری پت پہ لُٹنا

سجی سیج بنکر چتا ہے ہماری
اگر پت بُلالے بدا ہے ہماری

پتی کا سدا دہیان ہردے میں ہرنا — ہمارا ہے سنسار سے پار اُترنا
اہو بھاگ ست چڑھکے سنگار کرنا — سُہاگ ہی ہمارا مرے پت پہ مرنا

پتی شوک کرنا سگائی ہے اپنی
رنڈاپے کا رونا بدھائی ہے اپنی

بڑا ہت کے مرنے پہ ہی دُکھ کا سہنا — برا ربدہ اپنی ہے اور اپنا لینا
ہی پت دہرم سنتوش سی گھر میں رہنا — مرے پت کا ہے دہیان رانڈوں کا گہنا

ہنسی کسکی جاتی ہیں رونے میں عمریں
ہمیں کاٹ دیتی ہیں کونے میں عمریں

بتی بیکنٹھ پدوی ہماری ہی ست سے — ہمیں چلتی تھیں دو قدم آگے پت سے
بچائی تھیں کنبہ کو ہم ہی کو ست سے — ہمیں کام کیا ہے کسیکی کومت سے

پتی دھرم کا ست کھاتی تھیں ہم ہی
چتا چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں ہم ہی

پھٹیگی زمیں ایکدن اس کو گت پر
کھڑا ہے یہ آکاش ہمارے ہی ست پر
گریگا فلک ایکدن اس کو ست پر
ہمارا ہی سرنگار ہے مردہ پت پر

ستی ہونے گھر سے نکلتی تھیں ہم ہی
پتی گود میں لیکے جلتی تھیں ہم ہی

ہمیں جان کھوتی تھیں پت کی ہلپر
ہمیں جس لٹاتی تھیں ماتا پتا میں
ہمیں تام کرتی تھیں پت کا سبھا میں
ہمیں کود پڑتی تھیں جلتی چتا میں

ہمیں پران تجتی تھیں پت پر مچلکر
ہمیں راکھ ہوتی تھیں لے آگ جلکر

نہیں ہے کرے جو برائی ہماری
پتی دھرم ہی سیو کائی ہماری
کہ شیو لوک میں ہے بڑائی ہماری
کہاں تک ہو نگی سنائی ہماری

اگر ہے پتی دھرم سچا سہارا
تو بیکنٹھ کی ہم ہیں بیکنٹھ ہمارا

دوہائی ہے اے دھرم رکشک دہائی
بچالو یہ بپتا ہے کلجگ میں آئی
تمہاری گئو ہیں تمہیں ہو سہائی
کھڑے ہیں چھری لیکے سر پر کسائی

دوہائی مہاتما تمہاری سہائی
دوہائی مرے پت کی جلتے چتا کی

سرن آئے کی لاج تو ہے سبھی کو
مہا کشٹ میں ہے دیا ہر کسی کو

سُنو گر نہ تم تو پکاریں اُسی کو | بچایا تھا جسنے سری دُرپدی کو

نہیں سُنتے یہ دھرم رکشک دُہائی
دُہائی تری برج بالک دُہائی

سری پت اُٹھاؤگے یہ بھار تم ہی | لگاؤگے اس ناؤ کو پار تم ہی
ہمارے لیئے لوگے اوتار تم ہی | کروگے دُشٹوں کا سنگھار تم ہی

کو ست دھرم کی راتدن پھی ہی چھی ہو
سری لال جی لال کی جی ہی جے ہو

جس جلسہ مہامنڈل میں یہ مسدس مصنف نے خود پڑہا ہے
اُس جلسہ کے شان شوکت اور مفصل حالات کو رپورٹ بھارت
دھرم مہامنڈل سے ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ کس آنند کا اُتشو تھا
اور اس مسدس کا عام لوگوں کے دلوں پر کیا اثر ہوا ہوگا

مسدس جو دھرم کی حالت پر جلسہ سالانہ دھرم سبھا جالندھر میں ۲۹ ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو پڑا گیا

مہاشیون

ہی فرض کہ پہلے کہوں اُس تخ کی حالت | جو کچھ کہ ملا آپکے چرنوں کی بدولت
وہ لفظ نہیں جنمیں ہو کچھ کہنے کی طاقت | اس دھرم کی جلسے نے جو بخشی ہیں عزت

ہو شکر ادا آپ کی کرپا کا کہاں تک
جو کھینچ لائی ہی علیگڈہ سے یہاں تک

ہر چند کہ پنجاب سے ہے برج بہت دور | نظروں میں سمایا ہی مگر یہاں کبھی ہی نور
ہی کون جسے دھرم کی رکشا ہی یہ منظور | اک شعلہ سی ہی کرشن جو ہی جگت میں مشہور

آنند ہے اُمڈا ہوا اب چرخ و زمیں سے
جیکارہ وہ ہو گونج اُٹھی ہرج یہیں سے

یہاں دھرم کا کیوں جوش ہے کچھ اس کو بھی تاڑا   آیا تھا کبھی ہرج کی نٹ کھٹ کا اکھاڑا
گرراج نے جا آنند بہروبیت کو تھا پچھاڑا   تھا راکھ کو بھی ہند کی چتا کے ہیں جھاڑا

بیکنٹھ کی پدوی کو زباں کچھ نہیں کہتی
چھو جائی جو چرنوں سے وہ بھومی نہیں رہتی

کیا جلسہ سالانہ مبارک ہے سبھا کا   پھولوں سے بھرا چرخ پہ دامن ہے ہوا کا
لہرائی ہیں کیا دھرم دھجا اور پتاکا   ہر چار طرف شور ہے جے جے کی صدا کا

گلزار سے اُٹھا ہے مگر لد کے سحاب آج
پھولوں کی گھٹاؤں سے برستا ہے گلاب آج

جلسہ تو خوشی کا ہے پہ حسرت سی بھری ہے   جو حالت موجودہ ہے افسوس کی جا ہے
کہتے ہیں جسے دھرم وہ بیمار پڑا ہے   نے کوئی معالج ہے نہ نسخہ نہ دوا ہے

وہ ضعف کی حالت ہے کہ چارہ نہیں کوئی
کروٹ کے بدلنے کو سہارا نہیں کوئی

مایوس ہے چاروں طرف حسرت کی نظر ہے   بند آنکھ کبھی ہے تو کبھی جانب در ہے
ناطاقتی ضعف کا کچھ رنگ دگر ہے   کمزور سا اک ہاتھ ہے جو تکیہ سر ہے

کہتی ہے زباں چپکے سے پھر پھر کے دہن میں
کیا کوئی بھی باقی نہیں اب چاروں برن میں

کہنے کو برہمن کا فقط نام و نشاں ہے   دویا کا وہ بل تیج وہ پرتاپ کہاں ہے

چھتری کی بھجابل کا بھی اب وہم و گماں ہے
اور ویش کی دولت تو نہ خاک کہاں ہے

ودیا ہی نہیں تیج کی اٹکل ہو کہاں سے
اُٹھتے ہی نہیں ہاتھ بھجابل ہو کہاں سے

آنکھوں کے بدلجانے کا کچھ وقت قریں ہے
آیا ہے پسینا عرق آلودہ جبیں ہے
دشمن ہے کلو کال کہ جو بر سر کیں ہے
کوئی بھی برے وقت میں اب پاس نہیں ہے

جو ہاتھ سے گرتی ہوئی گردن کو اٹھاوے
اتنا بھی نہیں کوئی جو کروٹ بھی دلاوے

دیکھا جو نہ بیمار نے اپنا کوئی چارا
تھی بند زباں ہچکی سے گھبرا کے پکارا
افسوس نہیں آج کوئی دے جو سہارا
ہوتا ہے برے وقت کا آنکھوں کا نظارا

جو دھرم کے ست بادی تھے بے نام نشاں ہیں
نارد و وہ بیاس اور وہ ہرشچندر کہاں ہیں

لچھمن سا جتی بھرت سا وہ دھرم پہ جو دھر
وہ بھیم سا بلوان وہ دھرمگ یدھشٹر
ارجن سا وہ جودھا وہ کرن جیسا فلک سر
پہلاد و سداماں ہیں وہ بھگت کہاں پر

سب چھوڑ گئے مجھ کو ہو کس کو پکاروں
کوئی نظر آتا نہیں اب جس کو پکاروں

مایوس ہوں امید نہیں کوئی شفا کی
کچھ فکر دوا کی ہے نہ تاثیر دعا کی
جو شمس تھے ودیا کے وہ سب ہو گئے خاکی
جو منتر تھے اب انکی صفائی ہے ہوا کی

ہر بھگتوں کے ہاتھوں ہی کرامات رہیگی
ہے کرشن تو ہی رکھے تو کچھ بات رہیگی

بیمار نے اسطرح جو اُٹھ اُٹھ کے پکارا
کھوئی ہوئی نبض آ گئی لُھکانہ پہ دوبارا
پنجاب کے دھرم کو نسی کچھ پایا سہارا
بگڑی ہوئی جو چیز تھی اسکو سنوارا

وہ دھن ہیں دھرم مگت کہ جنکی یہ دوا ہے
بیماری تو جاتی رہی کچھ ضعف رہا ہے

اب ہوگا وہی تیج وہی دھرم وہی بل
جبتک نہ مٹے ضعف کسی کو نہ پڑی کل
اب ہوگی وہی بھگت وہی شکت وہی دل
یہ ہاتھ نہ بیکار رہوں یہ پاؤں منوشل

ست دھرم کی اچھا ہے کہ تن من کو لگا دو
مت دھرم کے بیماری کو دنیا سے مٹا دو

کٹ جاتے ہیں جو دھرم پہ ہے نام اُنہیں کا
بیکنٹھ سے اونچا ہے بہت دھام اُنہیں کا
اس رنگ میں جو کام آگئے ہیں ہے کام اُنہیں کا
کل والی جو جھالکی تھی ہے انجام اُنہیں کا

جب دھرم نہیں پریم کی دولت نہیں ملتی
برہمانڈ میں ڈھونڈ ہو تو یہ نعمت نہیں ملتی

پھر تم ہو وہی اور وہی دیا ہے تمہاری
دھرم مگت اگر ایک ہے لاکھوں پہ ہے بھاری
موروثی ہے دولت ابھی رکھی ہوئی ساری
کیا غم ہے سہایک ہیں اگر کرشن مراری

ست دھرمی کو ست دھرم کو چھپنے نہیں دیتے
نندلال کو ہرے سے نکلنے نہیں دیتے

کیا کیا ہوئی دھرم پہ دشمنوں کی چڑھائی
سنتا نہیں گئوؤں کی بھی اب کوئی دوہائی
وہ کونسی بپتا تھی کہ جو سر پہ نہ آئی
گیارہ دفعہ ہونے لگی بیٹوں کی سگائی

جو مندر پراچین تھے مسمار پڑے ہیں

پہلے جو جنیو تھے وہ اب تار پڑے ہیں

جو دہرم کی پشتک تھیں نہیں آگ میں ڈالا — اور وید کا ہونے لگا کچھ ارتھ نرالا
ہر وہی کو مت جسنے نیا مت ہے نرالا — ست دہرم کو کرنے لگے ظالم تہ و بالا

کیا دہرم کی حالت یہ ستم ناک ہوئی ہے
جو ج کہ تلک کی تھی وہ اب خاک ہوئی ہے

شردھا نہیں کہتے ہیں شرادھ ہوں کو جو بیکار — دیتے ہیں بزرگوں کی بھی روحوں کو یہ آزار
بیٹے باپ کے جلد اس سے کچھ انکو ہو سروکار — اور ماں کے گنا گت یہ تو کہہ اٹھتے ہیں بار بار

نو ماہ کا دینا ہے کرایہ فقط ہم کو
گو دام ہیں سمجھے ہوئے مادر کے شکم کو

ہے کرشن تری ہاتھ ہے اب بات ہماری — ہے کرشن بھروسا ہے ترا ہی ہیں بھاری
ہے تیری ہی چرنوں سے لگا دھیان ہماری — جو کچھ ہے مصیبت تجھے معلوم ہے ساری

حملہ ہے بڑا دہرم پہ ای نند کے لال اب
کہتے ہیں جسے چکر سو درشن وہ نکال اب

ای جلسہ ست دہرم بس اب جا مرا ادب ہے — لے تار ہوں یوں تار کی ذریعے طلب ہے
ناقص کوئی مضمون ہو تو جلد بیکار وہ سب ہے — اچھا ہے تو سب آپکی کرپا کا سبب ہے

مضمون سے کچھ کام نہ مطلب کوئی ادب سے
بس ایک غرض خاص ہے ست دہرم کی جے سے

بہار گلشن بقا آئینہ حقیقت نما گنجینۂ راز سرمایہ دولت لایزال
شریمت بھاگوت کا پرم پونیت لب لباب اس پنچ ادھیائی کی لگداز نظم

برج چھپ

موسوم بہ

بزم برندابن

سری گنیشائے نمہ

ہے ایشور ہے پرمیشور ہے جگت آتما ہے پرم آتما ہے جگدیش ہے نرنکار ہے پرکاش روپ ہے جوتی سروپ ہے برج چند ہے مادھو مکند تیرے گنانباد اور میری حقیقت چھوٹا منہ بڑی بات ہے دین بندہ ہے کرپا سندہ جو کچھ جگت میں ہو رہا ہے جو کچھ کہ ہو گیا ہے جو کچھ کہ ہو گا سب تیری ہی کرپالتا اور دیالتا کے اُنسار ہے جو کچھ ہے سب کا تیری ہی مرضی پر دارومدار ہے جو کچھ ہے سب تیرا ہی جلوہ ہے جو کچھ ہے سب تیرا ہی پرکاش ہے تیری ستایش نہ میری مجال نہ ناطقہ کی طاقت ۔ شعر

صورتِ عبد میں جوں معنی معبود ہے تو　　　ہست میں نیست ہے معدوم میں موجود ہے تو

مجبوراً اس سے درگذر کے اپنی اُس پرارتھنا کو دوبارہ یاد دلاتا ہوں

جو میں برندابن دربار میں تیرے حضور پیش کر چکا ہوں اور اب پھر وہی لیکر حاضر آیا ہوں۔ اس ہیچ قدرانہ التجا کی قبولیت سے کچھ تو مطمئن کر دیا جاؤں حکم خواہ کسی وقت ہو یہ تیری خوشی پر ہے۔

جے جے جے

اے ناظرین

کچھ میرے مختصر سے حالات بھی سُن لیجئے۔ خاندانی منزلتوں اور ذاتی عزتوں کا اظہار تو ایک امر عبث ہے۔ بلکہ عموماً زمانہ حال کو بہت ہی قریب پچھلے زمانے سے معمولی طور پر ملانے میں ایک عبرت انگیز نظارہ پیدا کر رہا ہے جو فضول آپ کا وقت لیگا۔ آپکا داس بنواری لال متخلص شعلہ خلف جناب ناظر موتی لال مرحوم قوم کا یستھ بھٹناگر فیروزہ حصار کے خاندان قانونگویان سے علی گڈھ میں پیشۂ وکالت کا خوش گذران ہوں پچیس برس سے سخن سازی کے دریائے ناپیدا کنار میں ہاتھ پیر مارتا رہا۔ دیوان۔ قصائد۔ مسدس۔ مثنوی۔ سب کچھ تصنیف کئے اور اُس کی قدر افزائیوں کا زمانے کی رنگتوں کے موافق فخر بھی حاصل ہوتا رہا۔

چنانچہ اُسی ہرزہ سرائی سے ایک جلد دیوان موسوم بہ ارمغان شعلہ ولایت میں بھی مانگا گیا جو اس وقت برٹش میوزیم یعنی عجائب خانہ لندن کی کسی میز پر رکھا ہوگا لیکن میں جہاں تک خیال کر سکتا ہوں ایسے مضامین سے

جو دہرم سمبندھی یا بھگوت گنا نباد نہیں ہیں بجز نام آوری سخن اور داہ وا
کے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا۔

اہو بھاگ کہ ماہ ۱۸۸۸ء میں کچھ قدرتی تحریکات سے دربار سری برندابن دھام مندر گوبند دیوجی میں بتقریب جلسہ بھارت دہرم مہامنڈل بحیثیت ممبری و بطور پرتندھی مجھکو بھی شامل ہونے کا افتخار حاصل ہوا۔

جس جلسے میں کہ ہزاروں ودیاوان پنڈت اور بھگت رونق افروز تھے اس دہرم اوتساہ میں جناب دہرم گیہ دیوان رام جس صاحب سی ایس آئی وزیر مہاراجہ کپورتھلہ و پریسیڈنٹ بھارت دہرم مہامنڈل اور شریمان پنڈت دینڈیال جنرل سکرٹری کے حسن استبداد سے مجکو بھی بطور واکھیان برج بھومی کی مہما اور دہرم سمبندھی مضامین پڑھنے کا موقع ملا جواب بطور مسدس برج رج کے نام سے شائع ہو کر بھارت کھنڈ بھگوت بھگتوں کو آنند دے رہا ہے یہ اسی آنند اور مبارک تحریک کا نتیجہ ہے جس کا میں تن من دھن سے شکر گذار ہوں۔

ہے کرپا سندھو ہے بھگت تبسل آپکے چرن کملوں کو بار مبار ڈنڈوت ہیں جنکی کرپا سے آپکے ادبھت چرتر اور آپکے گنا نباد میری کٹھور پاپی من کی رچی ہوئی کہ آج اردو نظم پنج ادھیائی آپکے پرم انراگی بھگتوں کی حضور میں پیش کر رہا ہوں۔ ہے پریم آنند بھگتوں مجکو اس پرم پونیت تصنیف میں شریمت بھاگوت

فارسی مصنفہ لالہ امانت رائے سے بہت کچھ مدد ملی ہے اور جہانتک میں کہہ سکتا ہوں یہ اسی بھگت کے خرمن کی خوشہ چینی ہے درحقیقت ان موتیونکو مسلسل کرنیکے لیئے میری کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔ زبان فارسی کی دقتونکے رفع کرنیکے واسطے میں نے اسکو عاشقانہ اُردو نظم میں منسلک کیا ہے اور بنظر سہولیت جُدا جُدا حصّے کئے گئے (بیج ملاپ*) عنقریب بھینٹ کرونگا آپ مجکو ہمیشہ دعائے خیر سے یاد فرماویں اور اپنی دعاؤں کے ذریعہ سے سری حضور مہاراج کرشن چندر کے دربار میں آپ ضرور میری التجا کی سفارش کرینگے۔

اے پرم آنند بھگتوں آپکی ذراسی کرپا درشٹی سے میرا بڑا بھاری کام پورا ہوجائیگا ورنہ میں ہوں اور آپکے مہاراج کا زرتا پیت پٹ ہے میری ہاتھ ہیں اور مہاراج کے جامے کا دامن ہے پھر میرے اوپر بے ادبی اور گستاخی کا الزام نہ لگایا جائے اسکی معافی مانگتا ہوں۔

میرے دھن بھاگ ہیں جو آپ بھی میری عرضداشت کو منظور فرمائیں۔

آپکی جے ہو۔

* [illegible]

سری کرشن چندر مہاراج

کے چرن کملوں کو کوٹاں کوٹ ڈنڈوت ہیں جن کے
چرن امرت کی اپار مہما کو شیش سارد ا برہما یشن بھی بیان نہیں کرسکتے
اُنہیں چرنونکی کرپا اور دیالتا سے بھگوت بھگتونکو پریم آنند رس کی بنیوالی
پرم پونیت پوتھی اُردو زبان میں نظم کیگئی ہے۔ آج ناظرین سے یہ عرض ایسا
منش ہے جو اس پرم پوتر پستک کو جسمیں سچدانند گھن پورن برہم برج
چند کے گن نباد اور ادبھت چرتر برنن ہوتے ہیں اپنے نام پر معنون
کرانیکا ادہکاری ہو۔ اِس لیئے جن کومل چرنوں کے
دہیان سے یہ نعمت لایزال مجھکو عطا ہوئی ہے انہیں
چرنوں میں بھیسٹ کرتا ہوں ؛

پنواری لال شعلہ

اوم

شری گنیشای نمہ

سری جگدیش برندابن بہاری
سری گوبندرادہا کرشن گوپال
سری مرلی منوہر شیام سُندر
سری جدپت سری بانکے بہاری
سری جگت آتما مادہو بدہاتا
مکٹ دہاری مدن گوپال موہن
کنھیا نندنندن نند پیارے
تو ہی ہے حُسن رخسارِ حقیقت
تو ہی ہے کاشفِ اسرارِ ازلی

سری رادہارمن مادہو مراری
مدنموہن سری گھنشام نندلال
سری بھگوان گوپی ناتھ گردہر
چترِبھج شیام مورت چکردہاری
دیالو دین بندہو پران داتا
نول سُندر چھبیلے لال موہن
دل ارام چہال جسودہا دلارے
تو ہی ہے پردہ برادر حقیقت
تو ہی ہے رونمائے حسن ابدی

تو ہی ہے جلوہ فرمائے دوعالم — تو ہی ہے خود تماشائے دوعالم
تو ہی لوح طلسم جان و تن ہے — تو ہی بخشندۂ روح و بدن ہے
تو ہی وحشت فزائے عشق رسوا — تو ہی نقش و نگار حسن زیبا
تو ہی ہے موجد ایجاد کونین — تو ہی ہے بانی بنیاد کونین
تو ہی ہے عشق ازلی حسن جاوید — تو ہی ہے خلوت دل بزم توحید
تو ہی ہے رونق گرمیٔ بازار — تو ہی خود جنس تو ہی خود خریدار
تو ہی ہے نغمۂ بلبل چمن میں — تو ہی غنچہ تو ہی ہے گل چمن میں
تو ہی پروانہ تو ہی شمع محفل — تو ہی گلبن تو ہی شور عنادل
تو ہی لچھمن تو ہی سیتا تو ہی رام — تو ہی گوپی تو ہی رادھا تو ہی شیام
زمین و چرخ و مہر و ماہ تیرے — دوعالم ہیں تماشا گاہ تیرے
فنا طرز خرام ناز کی آن — بقا اک لب کی تیرے مند مسکان
بُت چیت چوما کہن کے لُٹیرے — حیات و موت دونوں کھیل تیرے
ملائے تو نے ہست و نیست باہم — گھروندہ تیرا بازی گاہ عالم
زبان سبزہ ناطق ہے ثنا میں — کہ ہے سرگرم ہر ذرہ ہوا میں
نمود آفرینش ہے تجھی سے — وجود آفرینش ہے تجھی سے
تو ہی خلاق ہے کون و مکاں کا — تو ہی رزاق ہے ہر انس و جاں کا
الگ کب تجھ سے تیری گفتگو ہے — غرض اک تو ہی تو ہی تو ہی تو ہے
تو ہی ہے سب سے برتر سب سے بالا — تو ہی ہے حال عصیاں سننے والا
او ہم بگڑے ہوئے لاکھوں سنوارے — مری بھی ٹیر سُن لے پران پیارے

شہنشاہ جہاں عالم پناہ ہے | برائے خود سوئے شعلہ نگاہ ہے

عرضداشت

عجب ہے کچھ مری حالت کا اظہار
نہ لایق التماس التجا کے
ندامت نامۂ اعمال سے ہے
نکما ہوں نکمی زندگی ہے
نہ عقبیٰ کا نہ دُنیا کا نہ دیں کا
اسیر بند دُنیا ہوں سراسر
وہ ننگ اختلاطِ آب و گِل ہوں
وہ آوارہ وطن جس نے نہ دیکھا
الگ ہوں دور ہوں سب سے جُدا ہوں
نہ کوئی چھوڑ جانے کی نشانی
ہزاروں ہیں گناہوں کی گواہی
نہ ذکرِ حق ہے نے فکرِ عمل ہے
نہ جوگی ہوں نہ سنیاسی جتی ہوں
نہ زاہد ہوں نہ ہوں مستِ خرابات
نہ سادھو ہوں نہ بیراگی ابدہوت
مری غفلت کی حد کچھ بھی نہیں ہے

سراسر ہوں ادہم پاپی گنہگار
نہ قابل اپنی عرضِ مدعا کے
خجالت آپ اپنے حال سے ہے
مری ہستی کو خود شرمندگی ہے
عجب کچھ ہوں نہیں لیکن کہیں کا
گرفتارِ قفس بے بال و بے پر
کہ ربطِ جسم و جاں سے منفعل ہوں
وہ بلبل ہوں چمن جس نے نہ دیکھا
عجب بیکس ہوں بے برگ و نوا ہوں
نہ کوئی یادگارِ زندگانی
سپیدی پر ہیں کیا کیا روسیاہی
نہ کرم و دہرم نے ودیا نہ بل ہے
نہ رند بادہ کش نے متقی ہوں
نہ عابد ہوں نہ ہوں اہلِ کرامات
نہ لاہوتی نہ جبروتی نہ ملکوت
خیالِ نیک و بد کچھ بھی نہیں ہے

نہیں چھونے کے قابل جسم ناپاک
غرض جو کچھ ہوں سب تجکو خبر ہی
ہمیشہ ہے گنہگاروں پہ رحمت
کیا دشمن کا بھی او وہار تو نے
دیا لو دین بند ہو کے سہارے
نہیں اک وقت کا توشہ بغل میں
گڈھب رستہ ہے اور منزل کڑی ہے
نہ پستی و بلندی کا ٹھکانا
نہ رہبر کوئی راہِ پرخطر ہیں
برا ہے وقت وہ جسکا کہ ڈر ہے
دمِ آخر رواں آنکھوں میں ہوگا
بدلتی ہوں محبت کی نگاہیں
دمِ رخصت ہو گھر والوں سے گھیرا
ہجومِ اہلِ ماتم ہوں سرہانے
ہر ایک کی ہو نگاہِ حسرت آلود
عجب مایوس ہو ناکامِ دنیا
کسی کو اک دو دم کی انتظاری
مرے ہر کام باہم بٹ رہے ہوں
غرض سامانِ رخصت جب ہو طیار

ملیگی کس طرح سے خاک میں خاک
مرا انجام کیا مدِ نظر ہے
ہمیشہ ہے تری بخشش کی عادت
اوتارا ڈوبتوں کو پار تو نے
تھکا بیٹھا ہوں منزل کے کنارے
جھکا پڑتا ہے سر فکرِ عمل میں
جو گٹھری سر پہ ہے بوجھل بڑی ہے
ہزاروں قافلے گو ہیں روانہ
اندھیرا ہوگا ہر جانب نظر ہے
سماں یہ ہے کہ جو پیشِ نظر ہے
کسی دن یہ سماں آنکھوں نئیں ہوگا
ہر اک جانب ہوں حسرت کی نگاہیں
کھڑا ہو سب لدا اسباب میرا
عزیز و اقربا خویش و بیگانے
کھڑی ہو بیکسی بالیں پہ موجود
طپاں ہو ہم اسیرِ دامِ دنیا
کسی کے دل میں ہو فکرِ سواری
اٹھانے والے بھائی چھٹ رہے ہوں
پڑے جان اور اجل میں آ کے تکرار

اسے تعجیل ہو حکم قضا کی
وہ بہری ہو کہ آگے دہر کے نکلوں
پڑا جھگڑا ہو کچھ آپس میں بھاری
نظر آجائے چھب بانکی ادا کی
تصور رشتۂ جاں میں جکڑ لوں
جب آئے آنکھ میں دم پران پیارے
وہی ہو دھیان جسکو میں دکھاؤں

اسے ہو ڈھیل عرض مدعا کی
یہ پچلی ہو کہ درشن کر کے نکلوں
وہ کیا بس اک تمہاری انتظاری
مندیں آنکھیں تو ہو جھانکی ادا کی
چھٹے تب نبض جب دامن پکڑ لوں
لگا ہو دھیان چرنوں میں تمہارے
وہی جھانکی ہو جس کو میں بتاؤں

جھانکی

کدم کی چھانو ہو جمنا کا تٹ ہو
کھڑے ہوں آپ اک بانکی ادا سے
خمیدہ ناز سے ہو قد بالا
ستارے جھڑ رہے ہوں پیت پٹ سے
کسی نازک کمر ہو کاچھنی سے
گلے میں ہوں جڑاؤ ہار ہیکل
بھری گجروں سے ہو نازک کلائی
پڑی سنگھار کی ہو پھول مالا
برابر ہوں سری رادھا کشوری
کمر اُلجھی ہوئی نازک کمر سے

اُدھر مرلی ہو ماتھے پر مکٹ ہو
مکٹ جھوکونیں ہو موج ہوا سے
مکٹ گھیرے ہوئے ہو مہ کا ہالا
گتھی موتی کی لڑیاں ہوں مکٹ سے
بندھی بنسی ہو جامے کی تنی سے
پڑے گلگوش میں ہوں کرن کنڈل
بنے ہوں برگِ گل دستِ حنائی
گلے میں دستِ شوقِ برچھا لا
مدہر سر بانس کی بجتی ہو پوری
ہوا الجھا پیت پٹ نیلا مر سے

مکٹ سے چندر کا ہالے سے ہالا
کڑوں سے ہار بن مالا سے مالا

لڑی بیسر سے اور مکتا سے مکتول
لٹوں سے کریٹ کنڈل سے کرنپھول

ادھر الجھے ہوئے بازو سے بازو
ادھر الجھے ہوئے گیسو سے گیسو

صفائی رنگ سے آئینہ ہو دنگ
جھلکتا گوری میں ہو شیام کا رنگ

تبسم ہو دم نظارہ باہم
عیاں اک چھب میں ہو حسن دو عالم

جدا ہوں گو برائے نام دونوں
بنے ہوں ایک رادھا شیام دونوں

بہم دیگر ہو عکس حسن زیبا
کنھیا رادھا ہوں رادھا کنھیا

جو ہو یوں حسن یکتا کا نظارہ
بہار روئے زیبا کا نظارہ

گرے گردن ڈھلک کر پیٹ پٹ پر
کھلی رہ جائیں خود آنکھیں مکٹ پر

اگر اس چھب کا آخر میں سماں ہو
مرا مرنا حیات جاوداں ہو

دوشالے کی عوض ہو برج کی دھول
پڑیں اترے ہوئے سنگھار کے پھول

ملے جلنے کو لکڑی برج بن کی
بنے اکسیر یوں پھنک کر بدن کی

غرض اس طرح ہو انجام میرا
تمہارا نام ہو اور کام میرا

یہ دولت چھوڑ دوں ناداں نہیں ہوں
بہشت اور موکش کا خواہاں نہیں ہوں

تمہیں کو شرم ہے جاں کے دیئے کی
تمہیں کو لاج ہے پیدا کیے کی

رہوں تا اختلاط آب و گل میں
رہے نقشہ انہیں چرنوں کا دل میں

زباں جب تک دہن میں ہو نہ بیکار
پکارا ہی کروں سرکار سرکار

ہمیشہ ورد ہو نام گرامی
ہمیشہ ہو زباں پر نام نامی

اسی آنند میں باقی بقا ہوں
نہ محتاج عزیز و اقربا ہوں

کسی کے سامنے پھیلے نہ دامن / نہ احساں ہو کسی کا بار گردن
رہوں باغ جہاں میں نگ بو سے / کٹیں دن زندگی کے آبرو سے
اوگے سرو ہی بالا تو اچھا / اگر ہو مرضی والا تو اچھا
رواں بحر کرم ہو مثل سیل / رہے دنیا کی دولت ہاتھ کا میل
بھروسہ ہے گھٹ دواری تمہارا / تمہارا ہی ہے بنواری تمہارا
غرض ہو جب کبھی جھگڑا اسراطے / کہیں سب بولو رادھا کرشن کی جے

بزم شب ماہ

سرد رات کی کیفیت بنسی کی دلکش آواز گوپیوں کی بچینی

کدھر ہے ساقی بزم شب ماہ / کھلا بند نقاب حسن دلخواہ
صدائے نغمہ کی افسوں گری ہے / عجب در پردہ ساز دلبری ہے
فلک جلوہ فروش ماہ تاباں / زمیں برج بن گسترده داماں
شب مہتاب فرش چادر نور / بیاباں در بیاباں جلوہ طور
مجلا نور تھا ہر اک طبق میں / زمیں لپٹی تھی چاندنی کے ورق میں
شکن موج ہوا سے آسماں میں / جھلک سیماب کی ریگ رواں میں
زمیں پر فرش تھا گل چاندنی کا / نہ تاباں تھا اک گل چاندنی کا
ملمع تھا ہر ایک گل پر سنہرا / نظر آتا تھا ہر پتا روپہرا

معطر دشت تھا عطر حنا میں
عجب شفاف دریا کی روانی
یہ آب و تاب تھی انوار مہ میں
سر گرداب ہالا ماہ کا تھا
وہی تھی روشنی جو طور میں تھی
بنا افشاں تھا ہر تابندہ کوکب
صفائی آئینہ سطح زمیں کا
مہ گردوں عجب جلوہ فشاں تھا
بھرا تھا نور مہ سے تا بماہی
غرض بھر نمونہ جلوہ ذات
نمونہ دشت تھا حسن جہاں کا
بہار حسن کا تھا جوش بن میں
لب جو کنج کی ٹھنڈی ہوائیں
چمک تھی ہر رگ برگ شجر میں
دل عاشق کو ذوق درد کی رات
پئے سیر بہار حسن صحرا
دل و جاں دلربا دلبر دلارام
سراپا عشوہ گر سر تا قدم ناز
نثار حسن سے سرمست و مدہوش

لپٹ کافور کی موج ہوا میں
بھرا نکھرا ہوا چاندی کا پانی
جھلکتی تھی زمیں جمنا کی تہ میں
لب دریا اجالا ماہ کا تھا
نظر کو بھی نظر آئی نظر تھی
مہ انور تھا اک خال رخ شب
دکھائی دے تھا نسخہ چرخ بریں کا
زمیں پر جو گرا سایہ کتاں تھا
بنی تھی چاندنی ظل الٰہی
دو عالم میں بنی تھی ایک ہی رات
نقاب الٹا تھا روئے مہ وشاں کا
شجر باہم تھے ہم آغوش بن میں
خمیدہ موج بن کی تھیں لتائیں
چہکا جو پدہ آ رہی تھی دشت و بر میں
صلائے گرمجوشی سرد کی رات
شب مہتاب و موج آب دریا
چھبیلے چھیل بانکے چھب سری شیام
ہر رنگ حسن خود طاؤس طناز
قیامت قامت و مشتاق آغوش

ہوا یوں جلوہ فرما برج بن میں
دہری مرلی ادہر گردہر نے چھب سے
صدائے نغمہ نے غارت ہوش
قیامت زا عجب انداز نے تھا
ہوا تھا سوز سے بیتاب پانی
رواں موجوں کے آتش رنگ ڈورے
تھمی رک رک کے لہروں کی روانی
سمٹ کر رات سانچے میں ڈہلی تھی
کہیں سوز اور کہیں جلوہ کا تھا ساز
جھکا پڑتا تھا جلوے پر مکٹ کے
نہیں تھا تاب نظارہ کا کچھ ہوش
غرض جو عالم ایجاد میں تھا
بنا دامان صحرا رشک گلشن
ہوائے سرو میں تھی نکہت گل
صبا میں سنسناہٹ جو بھری تھی
تلاش دل میں ہر نغمہ رواں تھا
ہر اک آواز پیغام بشارت
پئے بوسہ دئے پیغام لب کے
سری جی لاڈلی ہم پر یہ راداہا

بہار تازہ جوں صحن چمن میں
بھرے سر شیام نے اعجاز لب سے
دو عالم بیخودی سے خود فراموش
لب جاں آفریں دمساز نے تھا
بنا تھا آگ پر سیماب پانی
حباب آب پارکیے کٹورے
جما چلتا ہوا جمنا کا پانی
شب مہتاب چاندی کی ڈلی تھی
ادہر چھائی ادہر مرلی کی آواز
بنا نیلم کا نگ گردوں سمٹ کے
بنی تھی چشم حیرت ہمہ تن گوش
ہر نگ لے عجب فریاد میں تھا
چمن کے رنگ میں ڈوبا ہوا بن
پروں میں تھی چھپی منقار بلبل
صدائے جنبش بال پری تھی
بندھا مرلی کی دہن کا اک سماں تھا
ہر اک انگلی میں تھی رمز اشارت
پکارے بانسری میں نام سب کے
سکھی چندراولی للتا بسا کہا

گیا بیچین ساری گوپیوں کو
یہ کہکر سب نے تن من دھن بسارا
آہا آہا اہا آہا اہا جی
وفور شوق سے رعشہ بدن میں
روانہ سوے بن از خود فراموش
تقاضائے جنوں وحشت سرانجام
نہ سدہ گھر کی نہ سدہ تن کی نہ من کی
سر عصمت نہ پاس ننگ و ناموس
حریف شرم عقل و ہوش تاراج
گریباں پر نہ دامن پر نظر کچھ
بھرا جادو تھا بنسی کی صدا میں
اُٹھایا ننگ سے اور نام سے ہاتھ
کوئی بیٹھی ہوئی اُٹھی جھپک کے
گلے میں تھا کسی کے ہار آدھا
کہیں شانے سے آدھی مانگ سُلجھی
ادھوری کوئی چشم نرگسی میں
کہیں رکھا ہوا محرم میں جیر
کوئی ماکھن دہی کو چھوڑ سٹکی
کوئی دلدادہ گھبرائی ہوئی سی

پکارا پریم پیاری گوپیوں کو
چلو سکھیو کہ کیرت کا نہ پیارا
مدھر وہ بن بانسری باجی وہ باجی
نہ جان تن میں نہ تن تھا پیرہن میں
پر پرویاں متھرا و وشن بر دوش
تصور دل میں لب پر نام ہی شیام
ہوا سر میں بھری تھی برج بن کی
خودی سے دور اور وحشت سے مانوس
حیا گھر کی نہ باہر کی کوئی لاج
نہ سر کی اور نہ ساڑہی کی خبر کچھ
ہزاروں کر گئی رشتے حیا میں
نکمے ہو گئے ہر کام سے ہاتھ
کوئی اُٹھی ہوئی دوڑی لپک کے
کسی کا رہ گیا سنگھار آدھا
کہیں زلف ایک بکھری ایک اُلجھی
لگا دونوں کا سرمہ ایک ہی میں
کہیں تھا پانوں کا ہاتھوں میں زیور
کسی نے سر سے پٹکی دودھ کی مٹکی
کوئی نو خیز شرمائی ہوئی سی

ہر ایک میں ڈھنگ آفت کا نرالا
قیامت سوز اک بر جبالا

تپاں کوئی مثال شمع محفل
رواں کوئی برنگِ نالۂ دل

تماشے فتنہ زا اٹکھیلیوں کے
نقاب الٹے ہوئے البیلیوں کے

ہر اک دل میں تھی ہجرِ شیام کی آگ
ہر اک کے حسن کو تھی عشق سے لاگ

خراب و خانماں برباد کوئی
سراپا صورتِ فریاد کوئی

کوئی حیرت زدہ آئینہ تمثال
کوئی بہرِ خرامِ ناز پامال

کوئی مستِ خیالِ چشمِ فتاں
کوئی دیوانۂ زلفِ پریشاں

کوئی بیہوش و بیخود تھی کھٹ پر
کوئی جامے سے باہر بیتاپٹ پر

کوئی حلقہ بگوش کریٹ کنڈل
کوئی گردن فروش ہار ہیکل

کوئی رنگِ ملیح شیام بر پر
نمک چھڑکے ہوئے زخمِ جگر پر

کوئی وابستۂ فتراک نخچیر
نگاہ ناز کے کھائے ہوئے تیر

نشاۂ عشق سے مخمور کوئی
کسی کی مستیوں پر چور کوئی

سرِ آتش کوئی مانندِ سیماب
کوئی غش کوئی بیخود کوئی بیتاب

پڑی کانوں میں خبر وصل جانی
صدائے نغمۂ پیغام زبانی

لبِ جمنا تھا دیوانوں کا جھرمٹ
تھا گرد شمع پروانوں کا جھرمٹ

گروہ گوپیاں آشفتہ کاکل
ہجومِ عندلیباں تھا سرِ گل

ادھر ہر بانسری پیکان دلدوز
صدائے سوز سوزِ خانماں سوز

سمائی تیر سی گستاخ دل میں
ہزاروں کر گئی سوراخ دل میں

حیات و موت دونوں ایک لے میں
عجب تکرار تھی لب اور لے میں

اشارہ بہر مشق دلربائی
سر سوراخ انگشت حنائی

ادائے پائے نازک فتنہ انگیز
صدائے نغمہ مرلی شرر ریز

بچھڑ کر چلدیا تھا ساتھ سے دل
ہر ایک دابے ہوئے تھی ہاتھ سے دل

سراپا آرزوئے وصل جاناں
ہر اک درد محبت سے غزل خواں

غزل

آگئی صبح ازل چاک گریبانوں میں
ورنہ پہلے تو نہیں تھی کٹے دیوانوں میں

گرم ہی بزم تو پروانگی بزم بھی ہو
ہم بھی ہیں شمع تجلی کے پروانوں میں

کون ہو واقف اسرار ظہور جلوہ
کون ہی حسن حقیقت کا اداوانوں میں

ہیچ بن ہی نہیں کہ دامن صحرائی جنوں
وحشیوں کا ہی ترے شور بیابانوں میں

جسنے شیرازۂ اجزا ہی دو عالم باندھا
ہم ہیں اُس گیسوئے پیچاں کے پریشانوں میں

غمزے کا ہی اعجاز کہ لب کا اعجاز
جان نکلی ہوئی آجاتی ہی بیجانوں میں

شوخی دست جنوں ورثہ ہی جاتی ہی
دامن دشت کو ٹانکا ہی گریبانوں میں

لذت زخم کو پوچھے دل بسمل ہو کوئی
بھر لیا شور قیامت کو نمکدانوں میں

اے شہ حسن خدا را نگہ لطف ادہر
مشغلہ خاک نشیں بھی ہی ثنا خوانوں میں

جو دیکھا گوپیوں کو ہوش پامال
مخاطب ہو کے بہر پرسش حال

سری ست نے پوچھا کیوں ہیں بیتاب
بتاؤ کیا ہے سبب سیر مہتاب

کیا بیچین کس کی آرزو نے
نکالا گھر سے کس کی جستجو نے

ہے کس رازِ نہاں کی پردہ داری
ہے کس مطلب کی دلمیں بیقراری

یہ کس آئینے کی حیرانیاں ہیں
یہ کس حیرت کی بے سامانیاں ہیں

ہے کس افسونِ دل بُردی کی تاثیر
لگے ہیں کس نگاہِ شوخ کے تیر

یہ کس جوشِ محبت کا ہے طوفان
یہ کیوں چاک گریباں کے ہیں ساماں

فراموشیٔ عالم کا سبب کیا
لبوں پر آہِ پیہم کا سبب کیا

ردائے عصمت سرِ افسوس کیوں ہے
یہ چاکِ پردۂ ناموس کیوں ہے

ہوا کیوں غنچہ ساں پہلو میں دل تنگ
گوارا کیوں ہوئی بربادیٔ ننگ

کھلی ہو کس کی اسرارِ نہاں پر
مٹی ہو کس کے حسنِ بے نشاں پر

حریفِ عشق ہے ظاہر پرستی
ہے بہرِ عکس آئینے کی ہستی

یہ کیوں ہو دلنشیں عشقِ خط و خال
کہ ہو آئینہ ساں مشتاقِ تمثال

تغافل ہے یہ ہشیاری نہیں ہے
اگر خود دل کی خودداری نہیں ہے

یہ طرزِ پارسائی کچھ نہیں ہے
خیالِ کتخدائی کچھ نہیں ہے

بنی ہو تم پئے فرمانِ شوہر
کہ ہے حکمِ خدا فرمانِ شوہر

بحکمِ دین و رسم و راہ عصمت
رضا جوئی شوہر ہے عبادت

جو با عفت ہیں وہ شرم و وفا سے
قدم دھرتی نہیں باہر حیا سے

سراسر قابلِ افسوس ہو تم
عجب غارت گرِ ناموس ہو تم

کیے کی کچھ پشیمانی نہیں ہے
یہ شانِ پاکدامانی نہیں ہے

خلافِ مصلحت یہ بے لبی ہے
مناسب سوئے خانہ واپسی ہے

نہ ہو پھر اختلافِ رسمِ ملت
قدم آئین نہ باہر بے اجازت

غلط ہے گر سرِ وابستگی ہے
کہ مثلِ بوئے گل خود رفتگی ہے

اگر میرے لئے ہے دشت گردی
تو ہے شرطِ جنوں کچھ پامردی

حقیقت پر اگر ہے عشق مائل
نہیں ہے تنگ راہ کوچۂ دل

تلاش و فکر لاحاصل سعی ہے
بہارِ عشق رنگِ بیخودی ہے

تماشا ہوں سرِ راہِ حقیقت
مقید ہوں نہ پابندِ طریقت

قریں ہوں دل سے دل کی آرزو سے
نہیں ملتا ہوں لیکن جستجو سے

بظاہر برج میں ہوں یا کہیں ہوں
ہر اک دل میں مگر خلوت نشیں ہوں

نہیں ہے دھیان میرا مجھ سے کچھ کم
کہ دل ہے جلوہ گاہِ ہر دو عالم

سوارِ ناقہ ہوں لئے زیبِ محمل
ہمیشہ ہوں مقیمِ کوچۂ دل

تصور ہی سے دل رشکِ چمن ہے
جو دل میں ہوں تو دل ہی برج بن ہے

مجھے ہر چشمِ نم جمنا کا تٹ ہے
مجھے ہر رخنۂ دل بنسی بٹ ہے

نظر میں ہے اگر حسنِ حقیقت
ہر اک پہلو ہے میرا کنجِ خلوت

یہی چھب دل میں بھی بانکی ہے میری
جھکے گردن تو پھر جھانکی ہے میری

یہاں اک ناز سے پیشِ نظر ہوں
ہزار انداز سے واں جلوہ گر ہوں

کھلیں دل جس طرح پھولوں کی کلیاں
رگیں ہو جائیں برندابن کی گلیاں

بظاہر ہوں اگرچہ آب و گل میں
مجھے چاہو تو ڈھونڈھو دل ہی دل میں

قریب و دور دونوں میں ہوں محصور
قریں سے ہوں قریں اور دور سے دور

عیاں ہوں اپنے حسنِ برمحل سے
ابد کے بعد اور پہلے ازل سے

زمیں و آسماں ہیں پردۂ راز
دو عالم ہیں مرے بازیچۂ ناز

بھرا ہے نورِ حسنِ لایزالی
نہیں ہے ایک ذرہ مجھ سے خالی

تصور دل میں ہوں صورت نظر میں
تلفظ میں ہوں معنی دل ہوں بر میں

نگاہِ معرفت دیکھے مری لاگ
ہوا میں خاک ہوں پانی میں آگ

یقیں میں وہم ہوں عین الیقیں ہوں
نہیں میں ہاں ہوں اور ہاں میں نہیں ہوں

سمائے مجھ میں میری آرزومند
نہیں پر ظاہری الفت کا پابند

بنائی تم نے دیوانوں کی گت ہے
یہ بیباکی خلافِ مصلحت ہے

مناسب کب ہے ہم پہلوئے غیر
نہ تھی زیبا شبِ مہتاب کی سیر

گروہ گوپیاں وحشت سرانجام
جوابِ شام سے پایوس و ناکام

پئے شکر گوہر افشانیِ جاناں
سراسر دم بخود تھیں محو و حیراں

ہوائے گل میں تھیں از خود فراموش
برنگِ بلبلِ تصویر خاموش

ہر ایک گم کردۂ رفتار و گفتار
ہر ایک ساکت مثالِ نقشِ دیوار

خموشی رازدارِ ذوقِ پنہاں
برنگِ غنچہ سب سر در گریباں

سرِ حیرت سراپا رنگِ تغیر
گروہِ خود پسنداں بزمِ تصویر

نظر نیچی کئے ہر اک خوش ابرو
قیامت کے تھے فتنے سر بزانو

کئے پامال سب جانِ حزیں کو
کھرچتی ناخنوں سے تھیں زمیں کو

زباں عاجز تھی عرض مو بمو سے
دہن تھے بند گویا گفتگو سے

اثر بر عکس آہِ متصل میں
الٹ جاتی تھی لب کی بات دل میں

تبسم کی جگہ تھیں سرد آہیں
نگاہِ شرم شوخی کی نگاہیں

گروہ گوپیاں کی آس ہے ہے
لبِ جاں بخش و سخن یاس ہے ہے

اُمنگیں تھیں کہ حسرت کی نشانی — امیدِ وصل مرگِ ناگہانی
پئے اظہارِ غم تھا تازہ مضمون — رباعی حسب حالِ زار موزوں

رباعیات

دلدادہ کسی کے پہلے اے ماہ نہ تھے — تھے واقفِ رسم حسن گمراہ نہ تھے ۱ہ
عصمت کی بھی پردہ داریاں تھیں معلوم
آگاہ تھے سب سے تجھ سے آگاہ نہ تھے

جب آنکھ نہیں تو اشکباری کیسی — جب دل ہی نہیں تو آہ وزاری کیسی ۲ہ
دامن کی ہیں دھجیاں تو عصمت کیا خاک
جب جیب نہیں تو پردہ داری کیسی

بیشک و شبہ ہے کون لاریب ہے کون — دانائے صواب واقفِ عیب ہے کون ۳ہ
ہم پر تو ہے پردہ داریوں کی تاکید
خود پردہ کشائے عالمِ غیب ہے کون

او گاؤ زمیں پہ رحم کھانے والے — او سب کو گناہ سے بچانے والے ۴ہ
او سادہ مزاج کیا فراموشی ہے
ہم بھی تو ہیں ساتھ ہی کے آنیوالے

وابستہ کُرے کی خود پشیمانی کیا — جب سوچ سمجھ لیا تو نادانی کیا ۵ہ
پردہ کیسا جو ہو گریباں صدچاک
داماں ہی نہیں تو پاکدامانی کیا

٦ دل گری پڑے تو کیا سنبھالے کوئی — اس پیچ کو کس طرح نکالے کوئی
الجھا ہوا ان لٹوں کا سلجھے کیونکر
زنجیر نہیں کہ توڑ ڈالے کوئی

٧ اے شوخ مزاج تندخوئی کب تک — شیریں دہنی یہ ترشروئی کب تک
گر عشق نہیں صواب اچھا نہ سہی
اے واقفِ راز عیب جوئی کب تک

دیگر

٨ ہے سرمہ چشم خاکِ پائے جاناں — ہم بھی ہیں گدائے کوئے شاہِ خوباں
آئینہ دل میں ہے اسی کی تصویر
ہے جس کے خیال میں دو عالم حیراں

٩ حسرت بھری یہاں نظر ہے وہاں شوخ نگاہ — وہاں لب پہ بانسری یہاں لب پہ ہے آہ
تھا روزِ ازل ہی سے یہ لازم بلزوم
یہاں بخت سیاہ اور وہاں حسن سیاہ

١٠ پانی میں یہ آگ بھی لگائی کس نے — جمنا پہ بھی بانسری بجائی کس نے
او نغمہ نے ذرا خدارا انصاف
سکھلائی ہے ہمکو بے نوائی کس نے

١١ کونین کے بار سے سبکدوشی ہے — دیوانے نہیں جو یوں ہی بیہوشی ہے
بنسی کو بجا بجا پکارا کس نے
غارت گرِ ہوش کیا فراموشی ہے

۱۲ آنند بہار برج نندن پیارے | اے نند دولار برج نندن پیارے

دشنام سزائے طالبانِ بوسہ

یہ کیسا ہے پیار برج نندن پیارے

دیگر

۱۳ پامال پڑے ہوئے ہیں ہم بھی سرِ راہ | نے طاقتِ صبر ہے نہ ہے طاقتِ آہ

اک روز یہ جور و ظلم ہوگا معلوم

ہے داورِ حشر تو ہی اور تو ہی گواہ

۱۴ کیا دولتِ عشق ہے کہ جوڑی ہم نے | آنکھیں شب و روز ہیں نچوڑی ہم نے

گھر والوں سے کام ہے نہ گھر سے مطلب

جوڑی اک تجھ سے سب سے توڑی ہم نے

۱۵ تو ہر کے قدم پہ جاں نثاری کیسی | جب دور ہوئے تو پاسداری کیسی

بیہوش کیا ہے تیری چھب نے گھنشام

جب ہوش نہیں تو ہوشیاری کیسی

۱۶ جو کچھ کہ بدی ہوئی ہے سب ہے معلوم | ہر ایک کا بخت ہے ہر اک کا مقسوم

تو واقفِ حال ہے ازل سے اپنا

اے محرم دل نہ رکھ خدارا محروم

۱۷ دنیا کو گئے ہیں بھول تیری خاطر | قصے کو دیا ہے طول تیری خاطر

جاں دے کے ہوا ہے جاں کا الٹا دشمن

قالب کو کیا قبول تیری خاطر

دیگر

ھلہ ہر ور دمیں پائی جاں نوازی تیری | ہر زخم میں دیکھی چارہ سازی تیری

گو خاک نہیں ہے خاکساری اپنی
نازاں ہوں میں سُن کے بے نیازی تیری

کلہ غارت گرِ جاں کو ہائے پرواہ نہیں | کیا قصۂ زلف ہے کہ کوتاہ نہیں

اندھیر ہوا ہے برج بن میں اندھیر
ہے روز سیاہ غم شب ماہ نہیں

ثلہ ہے گریہ بے اثر لب جو خالی | کچھ آنکھ میں رہ گئے ہیں آنسو خالی

دل بھر و ی، گو کیوں تلاش دل ہی شعلہ
یہاں بانسری کر چکی ہے پہلو خالی

اٹھی اک مہ جبیں خیلِ بتاں سے
بڑھی بہرِ جوابِ کلمۂ پند
سنبھالا بیقراری سے جگر کو
کیا اظہارِ حسرت و وبد وہو
کہ اے آرامِ جانِ جانِ عشاق
غزالِ شوخ پرند ابن رسیدہ
تجھے زیبا ہے نازِ بے نیازی
نہ تھی گر بانسری کو ہم سے کچھ لاگ
بلایا کیوں تھا جنسی کی صدائیں

چلی آگے گروہِ گوپیاں سے
بت طرار شوخ چاق چوبند
لیا آنچل پہ خونِ چشم تر کو
مخاطب ہوئے شوخ شعلہ خو ہو
دل و جاں دلربا چت چور قزاق
برنگ بوئے گل دامن کشیدہ
تری بخشش ہے دردِ جانگدازی
لگائی کیوں شبِ مہتاب میں آگ
نکالے اب جو سو رخنے حیا میں

لگائی آپ تو نے آگ دل میں ۔ مزا انجشا ہے دردِ متصل میں
سراسر ہیچ ہے عقبےٰ و دنیا ۔ نہیں بہتر تیرے کچھ تجھ سے تمنا
سوالِ صبر اے خود کام تا چند ۔ جوابِ بوسہ کب ہیں کلمۂ پند
نہ قابو ہے نہ زورِ صبر دل پر ۔ نہیں ہے اختیاری جبر دل پر
اگر ہم سے یہی تھی کج ادائی ۔ تو کیا تھا مدعائے دلربائی
ترے خواہاں ہیں سودائی نہیں ہیں ۔ خدائی کے تمنائی نہیں ہیں
نہ رکھ لطفِ خداوندی سے مایوس ۔ نہ کر بہرِ جفا پامالِ افسوس
قیامت خیز ہے دردِ جدائی ۔ تو ہی کچھ سوچ رسمِ آشنائی
نہ ہم میں طاقتِ رفتار باقی ۔ نہ ہم میں قوتِ گفتار باقی
فغانِ سرد کو ہے گرمجوشی ۔ سرشکِ گرم کو ہے چشم پوشی
دلِ بیتاب قابو میں نہیں ہے ۔ کوئی شے تھی کہ پہلو میں نہیں ہے
کہے دیتی ہیں سنجیدہ نگاہیں ۔ چُرا لائی ہیں دزدیدہ نگاہیں
نہ پہلو میں نہ آنکھوں میں نہ لب پر ۔ دلِ مشتاق نکلا تیری چھب پر
نہیں جب وجہ کچھ صحرا نوردی ۔ تلاشِ دل میں ہے یہ دشت گردی
دل و پہلو کا رشتہ توڑ دیتیں ۔ جو ہوتا دل ہی دل تو چھوڑ دیتیں
خیالِ حسن زیبا ہے اسی میں ۔ بھری ساری تمنا ہے اسی میں
ترے ہاتھوں میں اے شوخِ جفا جو ۔ دلِ سوزاں کی آتی ہے کہیں بو
یہ شورِ حشر کیا ہے بانسری میں ۔ دلِ نالاں چھپا ہے بانسری میں
انہیں زلفوں میں ہے اے حسنِ آفاق ۔ دلِ گم کردۂ پہلوئے مشتاق

سزا ہے گر ہماری درد ہجراں
ہوئی دشوار و مشکل زندگانی
یہی برپا کن چرخ و زمیں ہے
یہی گنجینہ ہے رمز نہاں کا
اگر دل صاف ہے صدق و صفا میں
اگر ہووے تو ہجر و وصل مانیں
شرارت شوخی و دم حیلہ بازی
گماں اے بت جدائی کا غلط ہے
رگ دل ہیں مثال زلف پیچاں
تلاش و فکر ظاہر کا عمل ہے
نکلنا ہو رہا ہے تجھ کو مشکل
ہوا جب ختم حال شوخ بسمل
ہوا ہمسر ہم آغوشی جاناں
سرنگش آرزوئے دردمنداں
اٹھا طناز اک بانکی ادا سے
رضائے وصل خوش طرز تکلم
کسے پٹکے سے بل نازک کمر کے
مٹایا حسرت تلخی جاں کو
امنگیں حسن کی سیمیں تنوں میں

خدارا پھیر دے دلہائے نالاں
کہ ناممکن ہے بے دل زندگانی
نہیں ہے دل تو پھر کچھ بھی نہیں ہے
یہی آئینہ ہے حسن جہاں کا
تو خود پرماتما ہے آتما میں
اگر دل سے نکل جائے تو جائیں
نہیں چلتی یہاں کچھ کارسازی
یہاں دعوئے خدائی کا غلط ہے
نہیں ان سے نکلنا سہل و آساں
کہ دل خلوت گہ حسن ازل ہے
مبارک گوپیوں کو تنگی دل
رموز عشق و راز حسرت دل
جبیں فرسا گروہ مہ جبیناں
خدائے حسن خیل خود پسنداں
ملکٹ لیتا ہوا چھوکے ہوا سے
صلائے بوسہ زیر لب تبسم
سمیٹا سب کی سب کو جست بھر کے
لب شیریں دئے لب تشنگاں کو
حمائل دست نازک گردنوں میں

بتانِ رشکِ بلبل گل کے تھیں ساتھ
دھرے تھے پتھر دل پر پھول سے ہاتھ

لگے معنی کشائے خندۂ گل
لگے متوجہ فریادِ بلبل

دواں تھا اچھلا پیچھے ہر اک کے
چھٹی اک دوسری پکڑی لپک کے

کناری تھی کناری پیت پیت کی
ہلاتی تھی جگر جنبش پلک کی

کوئی سرگوشئ گل میں تھی مشغول
کوئی سلجھائے تھی اُلجھے کرن پھول

لپیٹے ہاتھ میں کوئی تھی پٹکا
کوئی دیتی تھی نٹ ناگر کو جھٹکا

لئے ہاتھوں پہ جانِ دل سرِ دست
ہزاروں بلبلیں اک گل پہ تھیں مست

کوئی موزوں صدا دمساز مرلی
کوئی مستانہ آواز مرلی

دفورِ ذوق میں لرزاں رگ و پے
سرایت کر رہا تھا نغمۂ نے

دماغوں میں بھری بوئے گلِ تر
ہر اک تھی شادماں جامے سے باہر

ہر اک کے رخ سے بیتابی ہویدا
ہر اک سمجھی ہوئی اپنا ہی شیدا

جو دیکھا حسنِ گل کو اپنا دمساز
ہوا کچھ بلبلوں کو عشق پر ناز

کرے دستورِ ناز مہ جبیناں
غرورِ حسن ہے رسمِ حسیناں

ہوئیں اک بار بیتابی فراموش
سمجھکر شاہم کو مشتاقِ آغوش

بنی سرکش ہر اک شمشاد قامت
ہر اک نوخیز فتنہ اک قیامت

ہر اک سادہ میں شوقِ کج ادائی
ہر اک بیخود میں ذوقِ خودنمائی

بھری گھنشام نازِ بے نیازی
ہوا فہمِ رموزِ عشق بازی

ہوا آگاہ حالِ رنگِ محفل
کھلا ایک ایک کا اندیشۂ دل

جہاں ہے عجز سے ہے ارجمندی
پسندیدہ نہیں ہے خودپسندی

چھوڑا اکر اپنا دامن سب کو چھوڑا
ہر اک کے حسن کا ابہام توڑا

ہوا مانند بو گلشن سے پنہاں
بدن سے روح جیسے جسم سے جاں

چلا آنکھوں سے باہر جان ہو کر
چھپا نظروں سے انتر دھیان ہو کر

گیا دامن کشاں چیت چور کیسے
جگر سینے سے دل پہلو سے جیسے

گروہِ گوپیاں سے ہو گئے غائب
رہا پنہاں بہت شوخ عجائب

مہاراج کے انتردھیان ہونیسے گوپیوں کی بیتابی درد ہجر کی بیچینی باہم کی گفتگو فراق کی اضطرابی تلاش و جستجو کی آوارگی و خرابی

کدھر ہے ساقیِ محفل فراموش
برنگِ جام خالی ہے ہر آغوش

نقاب افگن ہوا حسنِ تجلی
پھر اب بیتاب ہوں نے لی تعلی

کہاں ہے بلبلِ گم کردہ دل
ہوا پر بوئے گل نے باندھا محمل

گئی گلزار سے گل کی سواری
اڑائے خاک اب بادِ بہاری

کہاں وہ نور وہ ٹھنڈی ہوائیں
زمیں جھاڑا کریں بن کی لتائیں

کلی ہر پھول کی کملا رہی ہے
ہر اک شاخِ شجر مرجھا رہی ہے

ہوا بن کر اڑی رنگت گلوں کی
زباں سوکھی ہوئی ہے بلبلوں کی

خزاں سے لٹ گیا گلشن کا جوبن
ہوا پر اڑ گیا ہے بن کا جوبن

عجب پیلی سی رنگت ہے قمر میں
ہوئی ہے چاندنی پھیکی قمر میں

فلک پر ہے نگاہِ چشم مردم
ہوا ہے مہ شبِ مہتاب میں گم

جہاں تاریک ہے سب کی نظر میں
صدا اُٹھی نہ گلبانگِ درا کی
نہ بوئے پیرہن بادِ صبا میں
پریشاں گوپیاں تھیں بر سرِ راہ
گرے دامن پہ آنسو چشمِ تر سے
جگر سینے سے دل پہلو سے نکلے
پریشاں سر بصحرا تھیں ہر اک سو
ہراساں ہر طرف نظریں اُٹھائے
ہر اک جانب نگاہِ حسرت آمیز
ادائے دلبری طرزِ جنوں زا
تلاشِ دلربا میں بیخودانہ
ہر اک خود رفتہ تھی جویائے گھنشام
بھرے کانوں میں بیچھل کی صدا کو
اگر غنچہ کوئی چٹکا تو چونکیں
کوئی تھی دیکھتی آغوشِ در میں
نظارہ خواب سا تھا رُوئے گل کا
ہر اک تھی دم بخود حیران و ششدر
کدھر ہو لالچی جسودھا دلارے
کدھر ہوا سے مکٹ دھاری اری

اندھیرا چھا رہا ہے بحر و بر میں
ہوئی آہٹ نہ کچھ آوازِ پا کی
نہ باقی گونج بنسی کی ہوا میں
عجب بکھرا ہوا تھا خرمنِ ماہ
ہوا نورِ نظر غائب نظر سے
کلیجے ہاتھ کے قابو سے نکلے
بتانِ شوخ چشمانِ آہو
غزالانِ بیاباں زخم کھائے
سیہ چشموں کی چتون وحشت انگیز
پریرویاں شہری سر بصحرا
برنگِ نالۂ دل تھیں روانہ
ہر اک گم کردہ تھی شوخِ دلارام
ہر اک تھی کہتی ہوئی آوازِ پا کو
اگر پتا کہیں کھٹکا تو چونکیں
کوئی کہتی تھی اب اب تھا نظر میں
پتہ کوسوں نہیں تھا بوئے گل کا
پکارا سب نے اک اک نام لیکر
کدھر ہو اے سری گھنشام پیارے
کدھر ہو اے سری بانکے بہاری

کہاں ہو اے چھپے چھپ منوہر
کہاں ہو اے پیسے شیام گردھر

پکارا ایک نے ہو پران پیارے
پکارا ایک نے ہو بنسی وارے

پکارا ایک نے ہو کرشن گوپال
پکارا ایک نے ہو نند کے لال

کہا اک نے کہاں ہے او فسوں ساز
کہا اک نے کہاں ہے او دغا باز

پکاری ایک ہو ہو کرشن جی ہوت
چھپائی ہے کہاں مکھ چندر کی جوت

غرض چلائی ہر اک نالہ دمساز
نہ آئی پھر کے لیکن کوئی آواز

ہوا تھی بیچ بن میں روح بلبل
صبا آوارہ بہر نکہت گل

ہجوم گوپیان ناز پرور
خراب کوچہ عشق سمن بر

گریباں تا بدامن چاک ہی چاک
لباس حسن رنگیں خاک ہی خاک

سراپا زلف مشکیں گرد آلود
جگر میں آگ لب پر آہ پر دود

جنوں کے ہاتھ سے تھی شرم پامال
نقاب رخ بنے بکھرے ہوئے بال

نظر نیچی پہ اونچی فریاد
وہی آنکھوں میں قد سرو آزاد

وہی تھا سوز آہ مشتعل میں
وہی بنسی کے رخنے جان و دل میں

نگاہوں میں بسا وہی خوبی کی صورت
وہی آنکھوں کی پتلی شیام مورت

ہر اک تھی صورت کاکل پریشاں
غرور حسن پر اپنے پشیماں

ہر اک مصروف اپنی ہائے ہو میں
ہر اک مایوس اپنی آرزو میں

اٹھایا حشر کو شور و فغاں سے
ملایا تھا زمیں کو آسماں سے

شکایت بخت بد سوئے ہوئے کی
تلاش و جستجو کھوئے ہوئے کی

ستاروں سے کہیں لی ماہ کی فال
کہیں ذروں سے پوچھا مہر کا حال

زباں پر گفتگوئے جلوۂ ذات
کہ اے برگِ نہالِ صحنِ گلشن
ادھر کو آئے ہیں چدبت ہمارے
بہم بجنے کی یہ آواز کیوں سے
کوئی اٹھی پوچھتی سبزے سے بدحال
یہ کیوں اک اک قدم پڑتا ہے
نہیں ہے رہنمائی سے اگر کام
شکر خوابی شبِ مہتاب میں ہے
عبث نا آشنا دیوانگی ہے
خدارا سبزہ گوں بت کا پتا دے
چلی کوئی گل و سنبل کی جانب
کہیں زلفیں کھلے گیسو کھلی مانگ
چبھی سورج مکھی کے سر کٹ کی
کوئی روکے ہوئے بادِ صبا کو
نگاہوں میں تھا قدِ شوخ بیباک
کہا سنبل کے سارے پیچ کھولو
یہ کیوں اترائی نکہت سے چمن کی
گلوں کی کچھ ہو شاید بدمعاشی
چلی آتی ہے بوئے بیوفائی

ہر اک پتے سے حسنِ سبز کی بات
ہوا و ازہارِ شاخِ گلبن
کہیں دیکھے بھی ہیں گھنشام پیارے
نہیں واقف تو برگ ساز کیوں ہے
کہ تو کس پائے نازک کا ہے پامال
سبک رفتار کوئی تو گیا ہے
ڈبویا کیوں جہاں میں خضر کا نام
مقدر کی طرح کس خواب میں ہے
چمن سے کیوں تجھے بیگانگی ہے
اگر گھنشام دیکھے ہوں بتا دے
کوئی نالاں بڑھی بلبل کی جانب
لگا دی پھرتی کہیں چت چور کی تھانگ
لگی گیندے کو پوری پیٹ پٹ کی
کوئی پکڑے ہوئے موجِ ہوا کو
لگی تکنے قامتِ شمشاد و پرتاک
کوئی کہتی تھی غنچوں کو ٹٹولو
چرا رکھی ہے بو کس پیرہن کی
ذرا ان کی بھی لو جامہ تلاشی
بھری ہے رنگ میں نا آشنائی

لبوں پر خندۂ بیباک کیوں ہے
چلی اک فتنۂ ہمرنگ قیامت
کہیں غنچے سے پوچھا گل سے پوچھا
گلوں کو دیں قسم بلبل کو سوگند
رکھا قمری نے سر پر سرو کے ہاتھ
چمن میں قہر تھا لب تشنگاں پر
نہ پایا جب پتہ رشکِ چمن کا
کسی گل میں نہ پائے وہ خط و خال
چمن سے کر کے یوں گل گشت آئیں
ہوئی چاکِ گریباں سے جو فرصت
سحر کا پہلے ہی پھاڑا گریباں
بپھر اٹھا دشت میں سامان محشر
سر شک چشم سیلاب زمیں تھا
جھکی دیکھی جو شاخ بید مجنوں
کہ اے پروردۂ دامان صحرا
تمنائے قدمبوسی ہے کس کی
کوئی خوش چشم وحشی ناز ساماں
کہ اے رامِ رمِ شوخ دلارام
سر ناز و ادائے حسن و حشمت

یہ پوچھ گریباں چاک کیوں ہے
بڑھی نوخیز اک شمشاد قامت
کہیں قمری کہیں بلبل سے پوچھا
دھرے گودی میں غنچے سے جگر بند
کہا دیکھے نہیں ہیں برج کے ناتھ
اُوگے کانٹے تھے ہر گل کی زباں پر
نشاں دیکھا نہ ماہِ انجمن کا
کیا مانند سبزہ باغ پامال
پریشاں حال سوئے دشت آئیں
لیا دامان صحرائے قیامت
ہلالِ چرخ کا تار گریباں
بنا تھا برج بن میدان محشر
فلک اک دودِ آہ آتشیں تھا
کہا لیلیٰ وشوں نے حال محزوں
خمیدہ صورت گیسوئے لیلا
اُسے دیکھا بھی ہی حسرت ہی جھکی
مخاطب تھی سوئے خیلِ غزالاں
سبک رو سبک جسم و سبک گام
شکارِ ناوکِ چشم محبت

تمہیں ہو پاسباں دشتِ جنوں کے
نگہباں گردشِ چشمِ فسوں کے

نگاہوں میں ہو حسنِ شوخ دلخواہ
انہیں کے واسطے ہو چشم براہ

نہیں آیا اِدھر تو کانہہ پیارا
غزالِ شوخِ برندا بن ہمارا

بناویں گے تمہیں زربفت کی جھول
سجاویں گے سینگوٹی میں کرن پھول

مگر حیواں انہیں سایہ کب تھے
ہوائے دشت میں رمخوردہ سب تھے

گئیں بس التجائیں یوں ہی بے سود
کہاں صحرائیوں سے چشمِ بہبود

کوئی پامال سایہ رشک سے تھی
مخاطب کوئی طفلِ اشک سے تھی

کہ اے طوفانِ محشر سے ہم آغوش
قیامت کے لئے ہیں کیا ترے جوش

توہی جوشِ بہارِ خونِ دل ہے
توہی ہمرازِ دردِ متصل ہے

توہی ہے باعثِ آرامِ عاشق
توہی ہے قاصدِ پیغامِ عاشق

ترے رستے بنے ہیں بحر و بر میں
توہی چالاک ہے سب کی نظر میں

بجائے توشہ کچھ لختِ جگر باندھ
حذار اے تکلف اب کمر باندھ

اگر چاہے کسی ہمراہ کو ساتھ
تو لیتا جا فغاں و آہ کو ساتھ

جب آنکھوں سے سرِ دربار پہونچے
قریبِ خلوتِ دلدار پہونچے

ادا کرکے سلامِ اول کا دستور
کھڑا رہیو ادب آموز کچھ دور

سراسر دم بخود خاموش رہنا
نظر تیری طرف اٹھے تو کہنا

کہ اے بحرِ کرم دریائے رحمت
گوارا تشنگاں پہ کیوں ہو زحمت

انیسِ شب ترے اندوہگیں ہیں
جلیسِ بزم سب صحرا نشیں ہیں

نہیں قابو میں جوشِ چشمِ گریاں
بھلا کب تک نچوڑیں جیبِ داماں

چلیں رو رو کے ہر اک پل کہاں تک — سکھائیں آنچ پر آنچل کہاں تک
لیا ہے جوششِ گریہ سے منہ ڈھانپ — جو گیسو تھے وہ اب پانی کے ہیں سانپ
ہر اک آنسو ہے زیرِ دستِ سیلاب — نقابِ روئے غمگیں چادرِ آب
رواں فوارہ ہے ہر چشمِ تر کا — گلے تک آ گیا پانی کمر کا
حباب آسا نہیں سر گردنوں پر — فلک ٹوٹا ہے کیا نازک تنوں پر
غرض اے طفلِ اشکِ چشمِ خونبار — دکھاتا چشمِ دیدہ حالتِ زار
اگر کہہ دے گا کل رنج و محن کو — بھریں گے موتیوں سے ہم دہن کو
فغاں و آہ تم بھی حال کہنا — زباں یاری اگر دے چپ نہ رہنا
جو کچھ دیکھی ہے حالت دردِ جاں کی — ملا نامت زمیں و آسماں کی
ہمارا بدگماں کو کب یقیں ہے — ہوا اکھڑی ہوئی بندھتی نہیں ہے
کوئی پیچھے کو ہٹتی تھی بہک کے — کوئی سایہ سے کہتی تھی جھجک کے
مقرر رنگ تجھ میں شیام کا ہے — ہمارا ہو کے بھی ہم سے جدا ہے
رواں ہے ہم سے آگے اک قدم بیش — ہمیشہ ہے چپ و راس و پس و پیش
تو ہی شاہد ہے اس بیگانگی کا — تو ہی ہمسایہ ہے دیوانگی کا
پڑے جب وقت کچھ دینا گواہی — رہے سر پر ترے ظلِ الٰہی
کسی کھوئے ہوئے کی جستجو ہے — کسی پائے ہوئے کی آرزو ہے
مخاطب تھی کوئی خاکِ زمیں سے — بہا کر اشکِ چشمِ سرمگیں سے
کہ اے خاکِ شفا اکسیر سیرت — سوادِ سرمۂ اہلِ بصیرت
مہ و خورشید خاک افتادہ تیرے — مثالِ نقشِ پا دلدادہ تیرے

پئے نقشِ قدم اعزاز تجھکو
فلک پر لاکھ فخر و ناز تجھکو
خدا را دے نشانِ کرشن گوپال
تجھی پر ہے جہاں ہے ہند کا لال
غرض سب گوپیاں تھیں سر بصحرا
پریشاں حال وحشتِ عشق رسوا
ادائے دلربا بیتابیٔ دل
خرامِ ناز مشقِ رقصِ بسمل
مژہ کانٹوں کا تلوے پا رہے تھے
گریباں تا بدامن جا رہے تھے
نرالے ڈھنگ کے تھے جیب و داماں
جنوں ساماں ہر اک بے ساز و ساماں
سوئے گردوں تھیں حسرت کی نگاہیں
لبوں پر سرد و گرما گرم آہیں
نہ تھا پر اضطرابِ دل میں کچھ فرق
ہر اک پہلو وہی جولاں گہ برق
مخاطب تھی خیالِ بت سے ہر فرد
مسدس میں سنائے شکوۂ درد
تصور دو بدو آئینہ تمثال
دکھایا ابتدائے عشق سے حال
بڑھا کر ایک نے دستِ مناجات
سنائی مختصر سی جنم کی بات
کسی نے بیقراری کو دکھایا
کسی نے اشکباری کو دکھایا

مسدس

یاد ایام کہ پردے میں تھا حسن جاوید
لگ گئی قفل محبت کی کلید
یاد ایام کہ خلوت میں تھی بزم توحید
کھینچ لائی تجھے عشاق کی ہاں حسرت دید
جلوہ حسن ازل یوں سر بازار نہ تھا
بے بہا جنس کو گاہک سے سروکار نہ تھا

نور ہی نور تھا یہ جلوہ فزائی کب تھی
آپ ہی آپ تھا یہ وصل و جدائی کب تھی
حسن ہی حسن تھا یہ ہوش ربائی کب تھی
ذات ہی ذات تھی یہ قید رہائی کب تھی

حسن پردے میں تھا حسن کے دیوانے تھے
شمع خلوت میں تھی ہم بزم میں پروانے تھے

آفرینش کا سبب ہے ترا اک رنگ صفات
ہستی و نیستی دونوں ہیں ترے جلوۂ ذات
تیری تحریک کی اک مظہر کل موجودات
ہیں ترے کھیل بقا اور فنا موت و حیات

صورت عبد میں جوں معنی معبود ہے تو
ہست میں نیست ہے معدوم میں موجود ہے تو

خالق کون و مکان مالک امکان و وجود
پردہ بردار رخ معنی اسرار شہود
رازق جن و بشر صانع بود و نابود
خود تماشا و تماشائی حسن مقصود

جلوہ میں جلوہ گر و جلوہ نمائے عالم
بانیٔ عالم ایجاد و بنائے عالم

مچھ اوتار ہوا پہلے تو ماہی بن کر
چار دہ رتن سمندر سے نکالے متھ کر
کچھپ اوتار ہوا صورت مہ بار دگر
تیسری بار تھا باراہ کے قالب میں گزر

حفظ پہلاد کو خود آپ کے نمودار ہوا
شکل نرسنگھ میں چوتھا ترا اوتار ہوا

پانچویں بار ہوا غیرت ماہ روشن
قد کوتاہ تھا نوخیز ہو جوں سرو چمن
جلوہ گر حسن نمودار بشکل باون
داں لینے کو بڑھائے ہوئے دست و دامن

کیا ہوا اس سے ترہوان کا ساماں پورا

اک قدم بھی نہوا عالم امکاں پورا

ششم اوتار پرسرام کا تند و سفاک
چھتریوں کا تھا کیا خوں رواں بر سر خاک
ساتویں بار سری رام شہ عالم پاک
قاتل راون بد کیش و جفا جو بیباک

آٹھویں بار ترا حسن دوبالا آیا
دونوں عالم میں عجب جلوۂ یکتا آیا

نور پنہاں کو پسند آہی گیا حسن ظہور
جلوہ گر بن کے ہوا خانۂ بسدیو میں پور
بندی خانہ تھا حقیقت کی خوشی سے معمور
دل میں اک جوش محبت تھا تو آنکھوں میں سرور

سمجھے بسدیو تھے یہ لخت جگر میرا ہے
دیوکی کہتی تھیں گودی کا پسر میرا ہے

تجھے مادر سے غرض تھی نہ پدر سے مطلب
نہ پسر ہونے سے نے لخت جگر سے مطلب
قید خانہ سے نہ کچھ کام نہ گھر سے مطلب
تھا مگر ایک حقیقت کی نظر سے مطلب

حسرت دید نہاں جلوۂ جاوید میں تھی
دونوں عالم کی خوشی گریۂ تولید میں تھی

واہ وہ شام کہ کترے تھے شفق نے کیا پھول
اور وہ بھادوں کی جھڑی رحمت باری کا نزول
ہر دعا پہنے ہوئے پیرہن رنگ قبول
ذرہ ذرہ تھا عبادت میں سراپا مشغول

مہر گھر ڈھونڈھتا تھا حجلہ نشیں ہونے کو
آسماں پھرتا تھا متھرا کی زمیں چھونے کو

واہ وہ شانہ کش کاکل ظلمت شب تار
چرخ کرتا تھا زمیں پر دُرِ انجم کو نثار
ماہ کہتا تھا فلک سے مجھے صدقے میں اُتار
رات تھی تا بہ کمر صورت گیسوئے نگار

عالم الغیب نے خود غیب کا پردا اُٹھا
جلوہ فرمانے نقابِ رُخِ زیبا اُلٹا

نور ہی نور سیہ خانہ نسیدپوں میں تھا
راز سربستہ کی صورت سے ہر اک قفل کھلا
دیدہ باتوں پہ پڑا قدرتِ حق سے پردا
چشمِ عاشق کی طرح حلقۂ زنجیر تھے وا

جب اُٹھا پردۂ اسرار جز و کل کے لئے
آئی آواز کہ یہ نور ہے گوکل کے لئے

زینتِ دوش پدر ہو کے چلا نورِ نظر
اشکِ بیتاب کی مانند ہوا زیر و زبر
آب جمنا پے پا بوس تھا تا شانہ و سر
پل نہ جھپکی تھی کہ بسدیو گئے نند کے گھر

رشکِ خورشید سے اک رشکِ قمر کو بدلا
حکمِ ازلی تھا کہ دختر سے پسر کو بدلا

صبح ہوتے ہی کھلا جلوۂ نورِ جگدیس
کوئی زہرہ تھی کوئی ماہ کوئی تھی برجیس
برج کی گوپ چلیں بن کے بلوس نفیس
نند بابا کو بدھائی تھی جسودھا کو اسیس

دوب خوش ہو کے ہر اک اچکاری لائی
پالنے پھول کے خود بادِ بہاری لائی

دھانی دھانی تھا عروسانِ چمن کا ملبوس
منگلا آرتی کا صحنِ چمن میں تھا جلوس
رقص کرتے تھے شجر اُٹھ کے برنگِ طاؤس
برگِ گل ننھی سی گھنٹا یاں تھی غنچے ناقوس

صبح دم پھیلی ہی جاتی رُخِ پُر نور کی تھی
آتشِ گل میں لپٹ شعلۂ کافور کی تھی

وجد میں جھومتی پھرتی تھی عجب بادِ سحر
ٹہنیاں آرتی لینے کو جھکیں تا بکمر

جھانجھ کی طرح سے بجتا تھا ہر اک برگِ شجر — تو نہالانِ چمن سجدہ میں رکھے ہوئے سر

گونج گھڑیال کی پتوں کی ہوا سے نکلی
سنگھ دھن قمری کی کوکو کی صدا سے نکلی

صرف استت تھا ہر ایک نغمۂ مرغانِ چمن — تپسیہ پر کہا تھی کہ اُڑتے تھے ہوا پر گلشن
پھول چن لینے کو پھیلا تھا زمیں کا دامن — دیوتا کہتے تھے کرشن کی جو دھن ہو دہن

حسن میں نور سمایا تھا سیاہی ہو کر
سر پہ آیا تھا مکٹ فرِّ الٰہی ہو کر

آئیں پریوں کی طرح بحر سے موجیں باہر — ساڑھیاں آبِ رواں کی تھیں بندھیں تا بکمر
گاتیاں دامنِ دریا سے کسیں سینوں پر — ہر حباب سرِ دریا تھا بنا محرمِ زر

قعرِ دریا سے اچھلتے تھے گہر جہاں پہ جہاں
وار کر پھینکدئے موتیوں کے تھال پہ تھال

ساؤنلے رنگ پہ زیبا تھے عجب نقش و نگار — ایک ہی گُل پہ کھِلی گُل گلشنِ قدرت کی بہار
قد بڑھا زلف بڑھی حسن بڑھا آخر کار — پھر تو ہونے لگے اک روز میں سو سو سنگھار

عکس سمجھا تھا کہ ہے جلوہ نمائی مجھ میں
آئینہ کہتا تھا ہے ساری خدائی مجھ میں

اب سناتے ہیں تجھے شوخ سراپا تیرا — دیکھ دکھلاتے ہیں تجھکو ہی تماشا تیرا
خود ہی حیراں نہ کرے حسن خود آرا تیرا — خود خبردار ہو اب اٹھتا ہے پردا تیرا

کاش ایسی ہی اداؤں کا نہ بسمل ہو جائے
اپنا نظارہ تجھے آپ ہی مشکل ہو جائے

وہ کمل دل سے چرن اور وہ نازک کفِ پا
سنکھ اور چکر گدا اور پدم کی وہ ضیا
ہیں رگِ جانِ دو عالم کفِ پا کی ریکھا
دستِ قدرت کی لگائی ہوئی تلووں میں حنا

دل میں آتے ہیں تو کچھ پریم کے بس آتے ہیں
یہ چرن وہ ہیں کہ جو دھیان سے دکھ جاتے ہیں

مہر میں کیا ہے جو کہئے کہ ضیا ہے ان سے
ماہ کیا ہے جو کہیں داغ لگا ہے ان سے
نور اک عالمِ امکاں میں بھرا ہے ان سے
یہ کمل وہ ہیں کہ برہمانڈ بنا ہے ان سے

دھیان میں بھی کبھی ملتا نہیں آساں انکا
برہمہ ہو جاتا ہے خود سر بگریباں انکا

پردۂ چشمِ تمنا ہے مگر ان کی زمیں
نقش ہے ان کا کہ ہے خاتمِ قدرت کا نگیں
ان سے پُر نور ہوئی حسنِ دو عالم کی جبیں
دیدہ و دل ہی میں ملتے ہیں جو ملتے ہیں کہیں

رکھتے ہیں جاں کی طرح سے انہیں سینہ و دل میں
پتلیاں آنکھ میں ہیں اور سویدا دل میں

سارے نظاروں میں دل ہی ہے نظارہ انکا
خاتمہ حسن کا ہے حسنِ دل آرا انکا
گل ہی سنسار کے جل تھل پہ اجارا انکا
پار کر دیتا ہے اک پل میں سہارا انکا

تیرے چرنوں سے مٹایا نہ بکھیڑا کسکا
تو ہی بتلا کہ رہا بیچ میں بیڑا کس کا

انگلیاں پاؤں کی ہیں پنجۂ خور ہی مہتاب
ایڑیاں حورِ بہشتی کے زنخداں کا جواب
ساق پُر نور ہیں دو شمعِ تجلی شباب
حسن کی آب ہی آئینہ زانوئے خوش آب

گوپیوں نے بھی اسی کیلئے سر پھوڑے ہیں

اس ہی زانو نے تو آئینۂ دل توڑے ہیں

وہ کمر ہے جو اٹھا سکتی نہیں بار نظر
پیچ پٹکے کے کمر میں ہیں کہ پٹکے میں کمر
ناف ہی بال میں الجھا ہوا ناسفتہ گہر
یا ہے آئینۂ قدرت کی صفا کا جوہر

پانسری زیب کمر ہو کے بسی ہے کیسی
کاچھنی بال میں بل دیکے کسی ہے کیسی

شکم صاف میں کیا شوخی کی گن ہیں بھری
پیٹ کے گیتی ہوا کی شیام جو بانکی کھری
پھینک کر تختۂ الماس کے مضموں کی پری
طبع نے سینکڑوں آئینے دکھائیکو دھری

حسن خوباں کی نہ مضموں سے لڑائی ہو جائے
صاف تشبیہ نہیں ہے کہ صفائی ہو جائے

دونوں شانوں میں بھری حسن تجلی کی ہے شان
دونوں بازو ہیں نکلے ہوئے عشاق کی جان
نازکی دونوں کلائی کی کلا پر قربان
ہاتھ وہ جن کو نہیں چھین کے دل کی پہچان

دست بردی کو لگے رہتے ہیں کیا کیا ٹونیں
پانسری دیتی ہے دل لا کے انہیں ہاتھوں میں

انگلیاں شمع لطافت کی وہ اٹھی ہوئی لو
ناخنوں کی وہ ضیا اور وہ کف دست کی ضو
دو اگر پنجۂ خورشید ہیں دس ہیں مہ نو
وار کر پھینک دے گردوں جو مہ چودہ ہوں سو

بے ستوں چرخ بریں کس کا سجایا ہوا ہے
دست قدرت انہیں ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے

کیا گلا ہے کہ صراحی کی نہیں جس سے مثال
شمع کی لو کا کوئی کرتا ہے خوش فکر خیال
کوئی کہتا ہے کہ یہ نور کے سانچے کا ہے ڈھال
سب دکھاتے ہیں غرض اپنے مضامیں کا کمال

ہر بوسہ لب عشاق کو مانوس ہے یہ
قدرتی حسن کے تجانے کا ناقوس ہے یہ

جان شیریں سے بھی شیریں ہے عجب سیب ذقن
جسمیں بربہا نڈ تھا اب سہیں نہیں جائے سخن
منہ لگی جس کی ملائی وہ ہے غنچہ سا دہن
اس پہ قربان ہیں اگر لاکھ ہوں قدرتکے چمن

کیا دکھایا تھا تجھے یاد ہے اس غنچہ میں
گلشن عالم ایجاد ہے اس غنچے میں

لب وہ شیریں کہ لبے ہی ہیں ہمدم دمساز
اک نے خشک کو ہے انکی بدولت کیا ناز
بانس کی پوری ہیں پیدا ہوئی اٹھی آواز
ہستی و نیستی دونوں ہیں انہیں کے اعجاز

دیر لگتی نہیں دینے میں کچھ لینے میں
جان لیتے ہیں وہ مشتاق پہ جان دیتے ہیں

جلوہ ہائے لب و دنداں پہ نہیں تاب نظر
غنچہ بیچی نازک ہے عجب جاں پرور
تہ میں گلبرگ کے لپٹے ہوئے رکھے ہیں گہر
ناوک غمزۂ دلدوز ہے پیکاں دوسر

فکر گلزار حقیقت کی ہے گل چینی کا
لطف ہے اہل نظر کو ہیں حق بینی کا

وہ کپول اور وہ انوار تجلی کی ضیا
عکس افگن جو ہوا نور درخشاں انکا
حسن کی شمع فروزاں ہیں عجب جلوہ نما
بڑھ گئی اور بھی آئینۂ قدرت کی جلا

اور یہی نور ہے جس نور کے رخسارے ہیں
اور یہی ماہ ہے وہ جسکے یہ مہ پارے ہیں

سبزہ گوں حسن کے کیا گہری ہوئی رنگت ان میں
گل نچوڑا ہے مگر گلشن قدرت ان میں

صانعِ حسن نے دکھلائی ہے صنعت اپنی
سب کی سب کوٹ کے بھر دی ہے ملاحت اپنی

گویاں شیفتہ ہیں حسن کے آئینوں کی
طوطیاں بول رہی ہیں انہیں آئینوں کی

مدھ بھرے سحر بھرے سین بھرے نین بِشال
رس بھرے جس بھرے کام بھرے روپ رسال
وہ کٹیلے کہ خدنگ قدر اندازی بہال
وہ ہٹیلے نہ ہٹیں جان کو اگر لیں نہ نکال

شرمگیں وہ ہیں کہ دل ہی میں بھرے رہتے ہیں
سرمگیں وہ ہیں کہ آنکھوں میں بھرے رہتے ہیں

چشم بد دور وہ مخمور ہیں پیاری آنکھیں
خنجر ناز ہیں ابرو تو کٹاری آنکھیں
ہیں نگاہوں میں دمِ گریہ و زاری آنکھیں
انہیں آنکھوں سے تو کھوئی ہیں ہماری آنکھیں

یہ ہی مژگاں ہیں جو قلب الٹ دیتی ہیں
پل جھپکنے میں یہ پربھا پلٹ دیتی ہیں

صاف شفاف وہ پیشانی کا حسن روشن
آب آئینے کی موجیں ہیں جبیں کی وہ شکن
نور میں نور کی وہ لو ہے کہ قشقے کی پھبن
سبزہ گوں حسن کے حصے میں ہے کیا کیا جوبن

یہی آئینہ ملاحت سے بھرا دیکھا ہے
اسی الماس کی تختی کو ہرا دیکھا ہے

کان وہ عالمِ امکاں میں نہیں جنکا جواب
نازکی انکی کہاں اور کہاں برگِ گلاب
دو صدف نور کے ہیں جن میں گہر ہیں نایاب
کیوں نہ ہو حلقہ بگوش انکا ہر اک خوش آب

کرن کنڈل وہ سجاوٹ میں ہیں پورے جنکے
گوشوارے مہ و خورشید ہیں دونوں انکے

تار شیرازۂ کونین ہیں پیچاں گیسو
رخ پہ بے وجہ نہیں ہیں یہ پریشاں گیسو
طرۂ حسن سر عالم امکاں گیسو
دولت حسن ازل کے ہیں نگہباں گیسو
کنڈلیاں مار کے بیٹھے ہیں غضب کے کالے
کان کے پاس کے مشہور ہیں کنڈل والے

بیچ بالا قد بالائی ہیں کیا کیا پامال
کرپٹ کنڈل وہ مکٹ اور وہ چھٹی بال
تو تو کچھ تو ہی ہے دیں کس سے بھلا تجکو مثال
پیت پٹ کا چھپنی جامے کی نہیں بالا مال
نند کا لاڈلا جسودہا کا دولارا تو ہے
سب ہیں تیرے بت بیباک ہمارا تو ہے

یہ تو سب کچھ لئے تیری تجلی سے ظہور
تو ہی بتلا کہ کہیں درد جگر کس کے حضور
کچھ ہماری بھی خبر ہے بت خود بیں مغرور
کر دئے سینے میں بیتابیٔ دل نے ناسور
حسن تمکیں سے ہے اک شور قیامت برپا
فتنۂ قامت موزوں سے ہے آفت برپا

واہ اے عشق فسوں ساز تری خوش خبری
واہ اے عشق جنوں زا تری شوریدہ سری
واہ اے عشق حیا کار تری پردہ دری
واہ اے عشق جگر دوز تری بخیہ گری
دامن دشت سے وحشت کے گریباں اٹکے
خار سے پاؤں کے چھالوں میں بیاباں اٹکے

راز سربستہ کی کھلتی ہے حقیقت تجھ سے
ایک ہی رنگ پہ ہے وحدت و کثرت تجھ سے
حسن پنہاں کی نظر آتی ہے صورت تجھ سے
ایک ہی بزم میں ہے خلوت و جلوت تجھ سے
دشت میں ذرہ اور ذرہ میں صحرا تو ہے

موج میں بحر ہو اور قطرہ میں دریا تو ہے

اس سے پہلے سے بت شوخ ہیں خواہاں تیرے
واقف حسن نہ تھے بے سر و ساماں تیرے
آئینہ خاک میں تھا جب سے ہیں حیراں تیرے
جانتے بھی نہ تھے گیسو کو پریشاں تیرے

ایک تھے وصل و جدائی کو سمجھتے کب تھے
اے صنم تیری خدائی کو سمجھتے کب تھے

اے دل و جان و جگر کرشن کنہیا پیارے
نازک اندام ہیں وحشت تو وہ آفت مارے
٥
ڈھا گئی بانسری دھن سر پہ قیامت بارے
سر بصحرا ہیں ترے چاک گریباں سارے

کل تلک بولتے تھے مور بیابانوں میں
آج دیوانوں کا ہے شور بیابانوں میں

اے دلارام جہاں نند دلائے گھنشام
ننگ و ناموس پہ ہر چند ہوں لاکھوں الزام
لے گئی ایک ہی چھب چین کے صبر و آرام
کام رکھتے نہیں کونین سے تیرے ناکام

خلوت خاص ہے اغیار کو یاں راہ نہیں
پاک دامانی پہ دھبا ہے تو پرواہ نہیں

بانسری اور لب جمنا پہ بجانے والے
خاک عشاق سے دامن کے بچانے والے
چاندنی رات میں او آگ لگانے والے
دیکھتا جا ہمیں منہ پھیر کے جانے والے

نہ چھپے گا نہ چھپے گا کبھی جلوہ تیرا
دیکھ ہر ذرہ میں ہے حسن سراپا تیرا

او دل آزار کھلا جاتا ہے راز نہاں
او ستمگار غلط لطف و کرم کا تھا گماں
او جفاکار عبث شرط و فا کا تھا بیاں
او ترا اقرار کہاں تجھ میں محبت کا نشاں

کاش بدنام نہو جائے محبت تیری
بیوفا دیکھ نہ کھل جائے محبت تیری

ہم تو کیا حسن کی اپنے بھی نہ تھی تجکو خبر
دھرنا آتا تھا نہ سیدھا بھی مکٹ کا سر پر
سامنے آنکھ نہ اٹھتی تھی کہاں ترچھی نظر
یوں کسی جاتی تھی کب کھینچ کے پٹکے سے کمر

نغمے نے ہیں بھرے سینکڑوں جادو کب تھے
کالی کملی کی جگہ دوش پہ گیسو کب تھے

سانولے رنگ پہ پہلے تو تجھے ناز نہ تھا
ہم ہی ہمراز تھیں سربستہ کوئی راز نہ تھا
بھولی صورت تھی کرشمہ نہ تھا انداز نہ تھا
لب تھا جاں بخش ہر اک بات میں اعجاز نہ تھا

نغمہ کیا سیٹی بجانا بھی نہیں آتا تھا
راس کیا پاؤں اٹھانا بھی نہیں آتا تھا

اب تلک کھیل سمجھتی تھیں تماشا تیرا
تو چھپا پیش نظر ہے وہی جلوہ تیرا
کھل گیا چاک گریباں پہ پردہ تیرا
کھینچے پھرتا ہے بیاباں میں سودا تیرا

سہل جیت چوری چوری کو سمجھ رکھا تھا
بانسری بانس کی پوری کو سمجھ رکھا تھا

خود فراموش ہوئی تھیں تری بنسی سنکر
جوش وحشت لئے نکلا ہمیں گھر سے باہر
شوق بیتاب نے پردے میں کیا تھا مضطر
غیرت ماہ نہ تھی یوں ترے چھپنے کی خبر

خاک اس دل پہ پڑے ہمکو ستایا جس نے
آگ لگجائے شب مہ کو جلایا جس نے

برج بن کی وہ ہوا اور وہ عجب باد بہار
وہ خرام لب جو قامت سرو طرار

وہ لب لعل و لب نے کا وہ حسنِ تکرار	کھینچ کر لے ہی گئی بانسری دل صبر و قرار

کیسا ڈھایا ہے غضب حسن کے متوالے نے
آسماں سر پہ گرایا ہے مکٹ والے نے

خود نمائی سے خجل شوخ خود آرا ہم ہیں	غرق دریائے ندامت ہیں سراپا ہم ہیں
ننگ و ناموس مٹائے ہوئے رسوا ہم ہیں	جانِ گم گشتہ کی مایوس تمنا ہم ہیں

کاش پھٹ جائے زمیں ور سما جائیں ہمیں
ہر شب ماہ میں اے بت تجھے یاد آئیں ہمیں

تاب گیسو میں رہا اور نہ رہا زلف میں بل	جیب میں تار نہیں چھڑیں یہ کیسے آنچل
پڑ رہی ہے تپ غم سے دل و جاں میں ہل چل	خاتمہ کر ہی گئی ایک نگاہِ اول

جلوۂ حسن کو دکھلا کے یہ پردا کیا ہے
آخر اے شوخ گناہ دل شیدا کیا ہے

ہائے برہم ہوئی کیا صحبت سیر مہتاب	غیرت ماہ نے ڈالا رخ انور پہ نقاب
چشم مشتاق ہوئیں جوشش گریہ سے پر آب	دل شکستن کی صدا آئی نہ مانند حباب

آگ سی لگ گئی سوزِ تپ غم کی تن میں
گونج بھی تو نہ ملی بانسری دھن کی بن میں

درد کہتے ہیں کسے اور کسے سوزش جاں	دل ہوا کرتا ہے کس طرح سے پہلو میں تپاں
آنکھ کیوں بند رہا کرتی ہیں کیوں اشک رواں	مجھے سمجھیں نہیں کیوں سینے میں گھٹتا ہے دھواں

آشنا گل کی ہیں پروائے فریاد نہیں
ہم وہ بلبل ہیں جنہیں طرزِ فغاں یاد نہیں

سر دھری نے غضب آگ میں ڈالا ہم کو
جستجو نے تری اے شوخ نکالا ہم کو
صاف اندھیر ہوا مہ کا اُجالا ہم کو
بیقراری نے کیا ہے تہ و بالا ہم کو
پھینکدیتی ہے اونچے وہ پٹک دیتا ہے
نہ زمیں تیتی ہے ہمکو نہ فلک لیتا ہے

سروِ آزاد تجھے قامتِ رعنا کی قسم
برج میں جو ہو ترا اُس کی تمنا کی قسم
گیسوؤں والے سرِ زلف چلیپا کی قسم
نند بابا کی قسم تجھکو جسودہا کی قسم
کاش اے ڈھیٹھ نما لے جو کسی کی سوگند
سب سے پیاری تجھے بنسی ہو اُسکی سوگند

رحم کر رحم ذرا اپنے پریشانوں پر
زور اب دستِ جنوں کا ہے گریبانوں پر
حشر سا حشر ہے برپا ترے دیوانوں پر
زخم دل ٹوٹ کے گرتے ہیں نمکدانوں پر
کثرتِ درد سے اب درد جگر کچھ بھی نہیں
بیخبر اب تو خبر لے کہ خبر کچھ بھی نہیں

گوپیوں کی جستجو نقش قدم کا ملنا مہاراج کا پرگھٹ ہونا

کدھر ہے ساقیٔ دامن کشیدہ
کہیں پامال غم آفت رسیدہ
جبیں ہوں بہر سجدہ نور آگیں
دکھا نقش کفِ پائے نگاریں
غرض جب حد سے گذرا درد جانکاہ
رہی باقی نہ تابِ نالہ و آہ

برہنہ سر گروہِ حشر رفتار
چلیں رک رک کے مثلِ نبضِ بیمار

بھرا ہر آبلے کا منہ تقاضوں سے
شکستہ لذتِ خارِ جستجوں سے

کمر ٹوٹی ہوئی تھی آرزو کی
تھکی نظریں تھیں چشمِ جستجو کی

کہ ناگہ نقشِ پائے یار دیکھا
زمیں کو غیرتِ گلزار دیکھا

ٹھٹک کر رہ گئی اک غیرتِ ماہ
کیا نقشِ قدم سے سب کو آگاہ

جھکا کر مہ جبینوں نے جبیں کو
لگایا نقشِ پائے نازنیں کو

کہا سب نے اُسی پا کا نشاں ہے
جو سب کے دیدہ و دل میں نہاں ہے

جبیں فرسا ہوئیں نقشِ قدم سے
لئے بوسے لگا کر چشمِ نم سے

کیا آگاہ منزل نقشِ پا نے
تسلی دی امیدِ مدعا نے

تشفی دی دلِ اندوہگیں کی
بندھالی آس سجدے نے جبیں کی

نکل آیا حصولِ دشت گردی
بڑھا آگے کو شوقِ رہ نوردی

ہر اک محوِ سراغِ نقشِ پا تھی
غزلخواں شوق میں خوش ادا تھی

غزل

نشاں پائے رنگیں سے سراغِ مہ جبیں پایا
شبِ مہتاب میں صحرا کا صحرا گلزمیں پایا

ترے نقشِ قدم پر ہے سرِ خیلِ پری رویاں
مٹا کر نقشِ نام اپنا سلیماں کا نگیں پایا

بڑھایا سجدہ نقشِ قدم نے حسنِ آرائش
نشاں پا کو بلقیس نے کس طرح زیبِ جبیں پایا

ملیں آنکھیں جگہ آنکھوں کی خاکِ کفِ پا نے
ہر اک نے دیدۂ حیراں کو اپنے سرنگیں پایا

دماغِ خاکِ صحرا عرش تک ملتا نہیں اب تو
قدم چھو کر زمیں نے رتبۂ عرشِ بریں پایا

شمیمِ کاکلِ مشکیں اُڑی پھرتی ہے صحرا میں
غزالِ چیں کو مستِ بوئے زلفِ عنبریں پایا

نہ آیا اُٹھ کے پہلو تک بھی نقشِ پائے نازک سے
دلِ مضطر کو کیا اچھا مقامِ دلنشیں پایا

ستاروں کی طرح کسبِ ضیا سے ذرے روشن ہیں
زمیں نے آسماں سے بڑھ کے یہ ماہ مبیں پایا

اجازت شرم نے اک دم دی اظہارِ گریہ کی
ہمیشہ اشکِ چشمِ تر کو زیبِ آستیں پایا

صدائے نے پہ نقشِ پا کی ہر تصویر بول اُٹھی
ہر سر پالسری نے کیا لبِ جاں آفریں پایا

خوشا نیز امقدر وادیِ غربت میں اے شعلہ
کہ بہرِ سجدہ نقشِ قدم شغلِ جبیں پایا

نظر بازانِ چشمِ شوق و امید
بلا کر واں ذوقِ حسرتِ دید

کیا سب نے نشانِ پا کو رہبر
چلیں سب سر کے بل نقشِ قدم پر

ہوائے شوق میں جو پائے گھنشام
پڑی تھیں کھوج لیتی چند ہی گام

زمیں پر تھی ہر اک کی چشمِ پرغور
ملا نازک سا اک نقشِ قدم اور

جھجک کر نقشِ پائے ہمسفر سے
کہا سب نے تعجب کی نظر سے

قیامت شورِ محشر سے بہم ہے
یہ کس کا دوسرا نقشِ قدم ہے

رواں ہے ساتھ رشکِ ماہ کوئی
برنگِ سایہ ہے ہمراہ کوئی

یہیں ہیں سے کوئی فتنہ رواں ہے
ہمارے پاؤں کا سا ہی نشاں ہے

ہوا ہے نرم کس پر وہ دلِ سخت
خوشا طالع خوشا قسمت خوشا بخت

سرِ بزمِ عیش کی دمساز ہے کون
بتِ نازک بدن ہمراز ہے کون

یہیں بگڑی بتانِ سرو قد نے
جلایا غیرت و رشکِ حسد نے

کہا دل میں کہ یارب کون ہے یہ
بتِ شوخِ شکر لب کون ہے یہ

رفیقِ جانِ جاناں کون ہے یہ
انیسِ ذوقِ پنہاں کون ہے یہ

زمیں پر ہیں قدم آنکھوں میں گھر ہے
کوئی تو ہے جو منظورِ نظر ہے

حمائل کس کی ہے زلفِ سیہ پوش
ہوا ہے ناز کس کا زینتِ دوش

کوئی تو ہے نثارِ چشم و ابرو
کوئی خوش چشم ہے ہمراہ آہو

کوئی ہے مے پرستِ چشمِ خود بیں
کوئی تو ہے یہ مستِ چشمِ خود بیں

کوئی تیغِ نگہ پر سربکف ہے
کوئی تو تیرِ غمزہ کی ہدف ہے

مذاقِ زندگی کھویا ہے سب نے
لئے شیریں وہ لب کس تشنہ لب نے

حسد سے تھا لبوں پہ آہ و نالہ
غزل خواں تھی ہر اک رشکِ غزالہ

غزل

آشفتہ سر ہے ساتھ ترے برج بن میں کون
الجھا ہوا ہے زلفِ شکن در شکن میں کون

ہاں اس طرف بھی ایک نظر دور سے سہی
بیٹھا ہے او قریب عدو انجمن میں کون

دل میں اگر نہیں ہے خیالِ لبِ ملیح
بھرتا نمک ہے زخمِ جگر کے دہن میں کون

ہے تیرے نقشِ پا کے قریں نقشِ پائے غیر
آیا ہمارے تیرے سوا برج بن میں کون

صیاد کا گماں کبھی گلچیں کا وہم تھا
کھٹکے پہ بلبلوں نے پکارا چمن میں کون

کیا کیا غمِ فراق میں غربت وطن سے ہے
سچ ہے شریک ہوتا ہے رنج و محن میں کون

نکہت کو بلبلوں سے بھی ہیں پردہ داریاں
مانند بو ہے خلوتِ گل پیرہن میں کون

غربت میں رہتے رہتے زمانہ گذر گیا
شعلہ اگر گئے بھی ملیگا وطن میں کون

ہر اک جویاں سراغِ مدعا کی
ہر اک حیراں نشانِ نقشِ پا کی

نہ دیکھا شوخِ یکتا ماہ منزل
بڑھی نقشِ دوئی سے حیرتِ دل

مگر جھپکا جو اک دم چشمِ نم کو
نہ پایا دوسرے نقشِ قدم کو

شگوفہ تھا بیاباں میں عجائب
ہوا تھا نقشِ پائے بخبر غائب

ہر اک ششدر کہ اس کا مدعا کیا
ہر اک مضطر کہ ہے یہ ماجرا کیا

ہوئی حیراں نگاہِ چشمِ مردم
کہ تھا یاں عکس بھی آئینے میں گم

نشانِ پا نہیں ملتا زمیں پر
گئی کیا مثلِ مہر چرخِ بریں پر

کہا اک ماہ وش نے بے تامل
یہ کیسا بیخودی میں ہے تغافل

پیادہ پا جو آئی ہے بہت دور
ہوئی ہے نازنیں چلنے سے معذور

پڑے ہونگے قدم اٹھنے کے لالے
ہوئے ہوں گے حنائی پاہیں چھالے

رہی ہوگی نہ تابِ رہ نوردی
کہاں عورت میں اتنی پا مردی

بتِ خورشید روئے پاکے مضطر
اٹھا لی مثلِ شبنم ماہ پیکر

ہلال آسا کشادہ کرکے آغوش
کیا ہے مثلِ کاکل زینتِ دوش

کوئی انداز ہے جو بھا گیا ہے
بتِ بے رحم کو رحم آگیا ہے

اسی حیرت میں تھیں حیرت سرانجام
تلاشِ گرشن میں یا ہوئیں ناکام

نہاں دیکھا یکایک مدعا کو
نہ پایا سا شام کے بھی نقشِ پا کو

گریں سب اشک کی صورت زمیں پر
لگائی خاکِ صحرا کی جبیں پر

دیا تھا ہاتھ سے آئے ہوئے کو   غضب تھا کھو دیا پائے ہوئے کو
غزالِ شوخ رم کی جستجو ہے   نگاہِ وحشت آگیں چار سو ہے
کہ ناگہ اک پری رو شمع رخسار   ہوئی کچھ دور صحرا میں نمودار
کہا سب نے وہی ہے نازک اندام   وہی ہے یہ جو تھی ہمراہ گلفام
وہی حیرت نما و فتنہ زا ہے   وہی آئینہ وار نقش پا ہے
یہی تھی مثل دل پہلو بہ پہلو   یہی تھی دوش پر ناشانہ گیسو
قیامت قد وہی ہے حشر رفتار   وہی ہے بستۂ دامانِ دلدار
اسی کی رشک دل کو جستجو تھی   یہی ہمراہ گل باشندہ بو تھی
ہوئیں آ کر فراہم چار سو سے   تلاشِ گل میں حیراں گل کی بو سے
مناسب کا خیالِ لا ابالی   وہی نکلی وہی پرسانہ والی
کہا ہر اک نے اے ہمراز و ہمدوش   کہاں چھوڑا ہے غارت گرِ ہوش
ترے آگے کہاں ہو سدھ ہماری   ترا ہی نام تو تھا ہر آن پیاری
بتا ہے کس طرف شوخ دلآرام   کہاں ہے آرزوئے جان گلفام
جو پوچھا حال رشکِ گل کا سب نے   کہا اک آہ بھر کر غنچہ لب نے
کہیں بھی ہوں شریکِ غم تمہاری   کہاں ہمدوش ہوں ہمدم تمہاری
سراسر تازہ تر حسرت ہے میری   فزوں کچھ تم سے بھی حیرت ہے میری
فریب مہربانی میں پھنسا کر   گیا جانے کہاں دامن چھڑا کر
اکیلا چھوڑ کر رنج و قلق میں   گیا آوارہ دشت لق و دق میں
نہیں رکھتا کسی سے کام خودکام   غلط نکلا غلط شوقِ دل شیام

بظاہر گرچہ خواہاں ہے سبھی کا — کسی کا ہے نہ ہوگا وہ کسی کا
نگہ تھی ابروؤں پر کیا خبر تھی — اُسے منظور یوں قطعِ نظر تھی
گیا پہلو سے مثلِ دل نکل کر — نظر سے چھپ گیا کچھ دور چل کر
چلو میں بھی تمہارے ساتھ اب ہوں — جو تم ہمسا رہو میں جاں بلب ہوں
نہیں درماں پئے آہِ دمِ سرد — نہیں معلوم کچھ بھی چارۂ درد
ملی جب بسملوں میں تازہ بسمل — نمک افشاں ہوئی بیتابیٔ دل
تصور میں خودی سے بیہشی تھی — تحیر میں سکوت و خامشی تھی
تلاشِ شام کی باہم تھی تکرار — کہ اُٹھی عشق کی اک تجربہ کار
کہا بیکار فکرِ جستجو ہے — عبث ذوقِ حصولِ آرزو ہے
تمہیں کیا ہو تمہارا مدعا کیا — رضائے یار میں چون و چرا کیا
نہیں وہ آشنائے نکہتِ گل — نہ پروائے دمِ فریادِ بلبل
وہاں کب وہم کو ہے بارِ خلوت — گماں سے دور ہیں اسرارِ خلوت
ہیں بشن و رودر و برہما غافلِ راز — تمہیں سامانِ ظاہر پر ہوا ناز
مہ و خورشید و اختر ارض و افلاک — حواس و ہوش و عقل و فہم و ادراک
جہاں تک ہے تلاشِ نفی و اثبات — نہیں پا سکتے اُس کی کنہ کی بات
کہیں غائب کہیں مانوس ہے وہ — کہیں سُن ہے کہیں محسوس ہے وہ
رہا آنکھوں میں شوقِ دید بن کر — بھرا دل میں کہیں اُمید بن کر
وہی ہے روز و شب وہ ہی مہ و سال — وہی ہے ماضی و مستقبل و حال
کہیں سایہ میں سایہ دھوپ میں دھوپ — ہزاروں روپ میں ہے ایک ہی روپ

یہی بہتر ہے بے تکرار ہو کر
رہو محوِ جمالِ یار ہو کر

ثباتِ زندگی ہے نقش بر آب
خیالاتِ جہاں ہیں خواب ہی خواب

اگر روشن نگاہِ دوربیں ہے
ہر اک سو جلوۂ عین الیقیں ہے

نجاتِ دلکش ہے یادِ گرامی
ہے وصلِ اصل ذکرِ نامِ نامی

نہیں دنیا و مافیہا سے کچھ کام
یہیں بیٹھی جپو ہر نام کا نام

تن پر داغِ خود ہے مرگ چھالا
شریکِ سرخ ہیں مونگے کی مالا

تپش کیا کم ہے آہِ متصل کی
لگی وہ ہوتی ہے ہر دم سوزِ دل کی

جگر کی خاک سے بھبوتی رما ہیں
یہی زلفیں ہیں جوگی کی جٹائیں

سہائی بھگت کا ہے پریم بس ہے
سنا ہے آپ ہی فریادرس ہے

بڑی تاثیر ہے دردِ جگر میں
اثر کہتے ہیں سب آہِ سحر میں

عجب کیا ہے ہمیں سے عیاں ہو
بتِ نامہرباں خود مہرباں ہو

پئے سنکر گفتگوئے شوخ ہمدرد
ہر اک بیٹھی زمیں پر صورتِ گرد

پسندِ دل ہوئی خلوت گزینی
پئے ذکرِ صنم گوشہ نشینی

ہوئیں مصروفِ یادِ جلوۂ ذات
زباں پر حفظ بازی و طلسمات

ہر اک محوِ خیالِ راحتِ جاں
پئے اظہارِ دردِ دل غزلخواں

غزل

کہاں ہو او بتِ رشکِ قمر ہم سے جدا ہو کر
ڈراتی ہو شبِ مہتاب اب کالی بلا ہو کر

ہوا ہے آہ سے رنجیدہ کیوں غائب نگاہوں سے
پڑی ہیں راہ میں آنکھیں ہماری نقش پا ہو کر

نہ یہ شانِ رحیمی ہے نہ یہ شانِ کریمی ہے
بت بیدرد یہ بے رحمیاں کیسی خدا ہو کر

بھرا ہے انتظارِ جلوۂ دیدار آنکھوں میں
شبِ ہجراں تسلی کرتی ہے روزِ جزا ہو کر

بت بیداد گر ڈر ہے تری نازک مزاجی کا
زباں پر نالۂ شبگیر آتا ہے دعا ہو کر

یہ بیتابی نہیں تھوڑی یہ بیچینی نہیں تھوڑی
کریگا درد جانے اور کیا اس سے سوا ہو کر

شبِ فرقت کے سوئے روزِ محشر تک نہ اٹھینگے
اگر فتنہ نہ چونکا دے تری آواز پا ہو کر

تجھے تو کیا کہیں شکوہ ہے پر تیرے تصور سے
کسی کے دل میں کیوں جائے ہمارا مدعا ہو کر

بڑا ہی جوش گریہ اب بچاتا اپنے گوکل کو
نہیں ہے اندر کا طوفان جو دب جائے بپا ہو کر

نشانِ پائے جدپت مٹا دوں نقش ہستی کو
فنا ہو جاؤں یوں شعلہ تو کیا ہوگا بقا ہو کر

تصور رہا وہ ہوری مورت کا سب کو
خیال بانسری ہر جاں بلب کو

ہر اک لحمہ ہر اک ساعت ہر اک آن
صدائے مقدمِ دلدار پر کان

عجب تھا حال ہر اک نازنیں کا
بچھونا خاک کا تکیہ زمیں کا

ہوئی تھی روزِ محشر ہجر کی رات
خیالِ شیام سے تھیں خج و نجو بات

کہ اے غارت گرِ جانِ تمنا
حریفِ ساز و سامانِ تمنا

یہ کیا نقشہ ہے کیوں دامن کشی ہو
یہ کیا پہلو ہے کیوں پہلو تہی ہے

اٹھایا گوپیوں سے ہاتھ تو نے
دھرا کر نام گوپی ناتھ تو نے

گریزاں گر یونہیں ہم سے رہے گا
زمانہ نام سنگر کیا کہے گا

چھٹا گر گوپیوں کے نام کا ساتھ
تو رہ جائے گا باقی ناتھ ہی ناتھ

اٹھائی ہوگی خاص و عام سے شرم
ہوا کرتی ہے آدھے نام سے شرم

مٹا دے خلق کے الزام کو بھی
ہمیں چھوڑا تو چھوڑ اس نام کو بھی

اگر سمجھا ہوا ہے اے دلارام
کہ سب لیتے ہیں آدھا پیار کا نام

تو یہ رتبہ جسودہا کے لئے ہے
یہ شایاں نند بابا کے لئے ہے

پھر اس میں بھی ہے سب کو جائے تکرار
غلط ترکیب میں ہوتا ہے انکار

جو آدھا نام ہو جاتا ہے پیارا
سہرے کے لفظ ہوتے ہیں دلارا

سر نام گرامی ہیں ہمیں تو
کہ نصفِ نام نامی ہیں ہمیں تو

نہیں ہے نام کو بھی اس میں وسواس
ہوا کرتا ہے کچھ ہمنام کا پاس

گوارا نام سے ہے ننگ تجھکو
محبت میں ہے عزم جنگ تجھکو

کسے ہے تاب فرقت ایک دم کی
کوئی حد بھی وفور درد و غم کی

کہاں تک بے وفا نامہربانی
رہی ہے کوئی دم کی زندگانی

غضب ٹوٹا ہے دل پر جان پر قہر
قیامت آ رہی ہے فتنۂ دہر

نقاب رخ ہے دودِ شعلۂ آہ
ہوا جاتا ہے غارت حسن دلخواہ

لٹا رکھا ہے درد متصل نے
بنا رکھا ہے بسمل زخم دل نے

بلا ہے سرگذشت شام ہجراں
غم و اندوہ و حسرت یاس و حرماں

ہمارا غم ہماری ناتوانی
نہیں سنتا کوئی ساری کہانی

دل بد بیں نہیں آگاہ تیرا
ہے مثل رنگ سینہ سیاہ تیرا

عیاں ہے ذات اے ہرجائی تیری
ہمیں معلوم ہے شکرائی تیری

کہاں رہئے ساری رات کوئی
نہیں بنتی بنائے بات کوئی

بگاڑ اب درد و پہلو میں ہوا ہے
بکھیڑا دست و زانو میں ہوا ہے

ہر اشک تر سے ہے گلگوں گریباں
ہوا ہے آبشارِ خوں گریباں

بنے جاتے ہیں نالے چرخ منزل
گھسیٹا ہے طپش نے دامنِ دل

جلا جاتا ہے خود آنکھوں میں پانی
بھڑکتی ہے تپِ سوزِ نہانی

ہوا ہے اضطرابی کا تماشا
روانہ ہر طرف ہیں بے تحاشا

کھڑی ہیں بیستوں کے توڑنے کو
جگہ ملتی نہیں سر پھوڑنے کو

ہراساں بیخود و بیتاب و مضطر
ملول و خوار و محزوں خاک بر سر

نہیں آتا سرِ بسمل پہ کوئی
چھری سی پھیرتا ہے دل پہ کوئی

کلیجے ہو رہے ہیں پاش پر پاش
جگر کے آ رہے ہیں قاش پر قاش

زمیں پر لوٹتی ہیں تیری غمناک
ہوئی ہیں کاکلیں آلودۂ خاک

طمانچہ پنجۂ وحشت نے مارے
گلِ رخسار کے ہیں پارے پارے

ہوئے ٹکڑے لباسِ خوشنما کے
پڑے بکھرے ہیں زیور دست و پا کے

اثر کچھ بیت پٹ کا ہے نمودار
بنی ہیں سر سے پا تک زعفراں زار

تیری تپسی نے کیسا بدلا نکالا
گلا گھوٹے ہوئے آتا ہے نالا

شرر ہیں آنسوؤں کے چشمِ تر میں
لگی ہے آگ سی تارِ نظر میں

تہ و بالا کیا جوشِ قلق نے
بہت سے کھائے پلٹے نہ طبق نے

فلک گرتا نہیں ناکامیوں پر
زمیں پھٹتی نہیں بدنامیوں پر

کہاں ہے کس طرف بیداد گر ہے
خبر سب کچھ ہے پر کچھ بے خبر ہے

اگر رد کا نہ چشمِ جوش زن کو
پھریگا ڈھونڈھتا ہی برج بن کو

نہ ہو الزام اشکِ تہ نشیں پر
کدم کی جڑ نہ پائے گی زمیں پر

ابھی تیرے گا گوبر دھن کا ٹیلا
کبھی دیکھی نہیں آنکھوں کی لیلا

ترے یہ کوس چوراسی ہیں کتنے
زمیں پر برج کے باسی ہیں کتنے

بہالے جائے گی سب کو روانی
دکھائی دے گا سو سو کوس پانی

اثر گہرا ہے اشکِ آتشیں کا
رفو ہوگا نہ اک رخنہ زمیں کا

قیامت دیدۂ گریاں سمجھنا
نہ ان کو اندر کا طوفاں سمجھنا

نہ رہنا اس بھروسے اے جفاکار
کہ اک انگلی پہ تھا کوہ گرانبار

یہ جوشِ اشک تا تحت الثرا ہے
زمیں ساری اٹھالے گا تو کیا ہے

پتے لگتے نہیں ہیں بحر و بر کے
اچھلتے کب ہیں ڈوبے چشمِ تر کے

خیالِ جزو کیا کل کو بچانا
نہیں کیا سارے گوکل کو بچانا

غلط روداد یہ غم کی نہیں ہے
کہ عرضِ حال ہے دل لگی نہیں ہے

ذرا تو رحم کر او برج والے
کہاں تک کوئی بپتا بی سنبھالے

تو ہی خود دیکھ لے آکر سرِ راہ
خرابی عمر و سامانِ شبِ ماہ

گوارا ہم پہ یہ آفت کہاں تک
تجاہل سے سرِ غفلت کہاں تک

تو پھر کس کام آئے گا ہمارے
تجھے جب پیار پھر کیا پران پیارے

گھٹائی الفت اتنی غیرتِ بدر
قدیمانِ محبت کی نہیں قدر

وہ ماکھن اور وہ مصری ہر سویرے
نہیں واقف نہیں تھکنڈوں سے تیرے

کہاں ہوتی ہے سچی چور کی بات
کئے غارت کہلا کر شیر و خیرات

سمجھ رکھا تھا کچھ جاگیر تو نے
بہت توڑے ہیں ظرفِ شیر تو نے

نہ سیدھا باندھنا آتا تھا تینا | بتا پھرتا ہے اب لالا چکینا
وہی ہم ہیں ذرا تو سوچ جی میں | ہماری ڈھونڈھتی ہر اک گلی ہیں
ہمیں اب تیری اُلٹی جستجو ہے | نگاہ حیرت افزا چارسو ہے
پسند دل ہماری اب ہے فریاد | بہت بھولا ہوا ہے یاد کر یاد
جسے دیکھا وہ تیرا مبتلا ہے | گناہ دوستی ہم پر ہی کیا ہے
رہیں صحرا نشیں یا یوں کب تک | سزائے رخصت ناموس کب تک
نہیں اک دم بھی اب تاب جدائی | وہی ہو پھر وہی جلوہ نمائی

بن میں سری کرشن مہاراج کا پرگھٹ ہونا اور باہمی گفتگو

کدھر ہے ساقی مست مے ناز | اُٹھا وے درمیاں سے پردۂ راز
دکھاوے جلوہائے حسن مستور | نظر کا ہو نظارہ نور ہی نور
گئی حد سے گذر جب بیقراری | سُنی آخر صدائے آہ و زاری
کیا گھر اپنا اشک چشم تر نے | جگہ کی دل میں آہ پُر اثر نے
ہوئی کوتہ شب غم طول ہو کر | دعائیں آگئیں مقبول ہو کر
کھلی رشک قمر کی پردہ پوشی | ہوئی ٹھنڈی فلک کی گرمجوشی
خوشی پھر آرزوؤں نے دکھائیں | تمنائیں گئیں سب لوٹ آئیں
جفائیں بھی ہے اُسکے لطف اخلاص | کہ ہے عشاق سے اک نسبت خاص
گروہ گوپیاں بیکس و خوار | سراپا انتظار جلوۂ یار
تصور میں تھا اک گردن جھکائے | کسی کی راہ میں آنکھیں بچھائے

پری رویوں کے صف بستہ پرے تھے
امید و یاس میں کچھ مشورے تھے

نقاب آنکھوں پہ آنسو روکنے کو
لبوں پر ہاتھ نالے ٹوکنے کو

یکایک آئی بوئے نکہت گل
فغاں سے ہو گئیں خاموش بلبل

پلٹ کر آگئیں جانیں بدن میں
اُجالا سا ہوا پھر برج تن میں

نگاہیں تھیں چکاچوندہ ایک دم سے
ہوا پرگھٹ بُت طرار جسم سے

ہر اک نے کھول دیں آنکھیں جھپک کر
لیا آغوش میں سب نے لپک کر

نہ تھا فکر پس و پیش بد و نیک
گری پڑتی تھی اوپر ایک کے ایک

کوئی کھینچے تھی پٹکے کو کمر سے
کوئی لپٹے ہوئی پیٹا کمر سے

کسی نے زلف سے پونچھا پسینا
کسی گستاخ نے بُقچی کو چھینا

کوئی تھی دیکھتی مژگاں کی صف کو
کوئی تھی کھینچتی اپنی طرف کو

کوئی تھی شوق لب میں لب گزیدہ
خوشی سے کوئی پیراہن دریدہ

کوئی رُخ کے مقابل محو و حیراں
کسی کی انگلیاں زیر زنخداں

کسی کا شوق میں آغوش پر ہاتھ
کوئی رکھے ہوئے تھی دوش پر ہاتھ

کہا اک نے پکڑ کر ہاتھ مضبوط
چھڑا لو گر ہو گوپی ناتھ مضبوط

یہی تھی ہم سے شرط آشنائی
کیا ہے خوب پامال جدائی

اگر اب چھوٹ جاؤ تم تو جانیں
بھلا ہو جاؤ اب کے گم تو جانیں

نظر کی طرح آنکھوں سے نہاں تھا
بُت نامہرباں اب تک کہاں تھا

زیادہ ایک سے تھا سر و کار
پر اب یکساں ہے سب کی حالت زار

خصوصیت اگر ہے جان تو لے
سوار دوش کو پہچان تو لے

انکھیں میں ہے وہ گھبرائی ہوئی سی — ہمیں میں ہے وہ شرمائی ہوئی سی
مگر اب تو نہ وہ فرقت نہ وہ غم — وہی وہ ہے وہی تو ہے وہی ہم
وہی ہے برج بن وہی شب ماہ — وہی نظارگی حسن دلخواہ
گئے دکھ درد جانِ مضمحل سے — غزل گائی وفورِ شوق دل سے

غزل

نظر سے ہوکے نہاں شوخ خوش جمال آیا — بغل میں جاں کی طرح جاکے نندلال آیا
ہم ایک یاد میں بھولے ہیں دونوں عالم کو — زمانہ خواب ہوا جب ترا خیال آیا
چمن میں آنکھ بچھاتی ہیں بلبل و قمری — عجب بہار سے جسودھا کا نونہال آیا
ہر ایک رنگ میں دیکھی ہے تیری نیرنگی — ہزار وضع میں اک حسن بے مثال آیا
خرامِ ناز نے پیسا تھا ٹھوکروں میں دل — قدم قدم کے تلے شوق پائمال آیا
نویدِ جذبۂ دل کو کہ لیکے مژدۂ وصل — وہ خود ہی آفت جاں شوخ مہ جمال آیا

گئے کی اپنے پشیماں نہاں ہیں اے شعلہ
کہ سر سے پاؤں تلک اب انفعال پایا

پڑھے مضمون تازہ ہر کسی نے — مبارک باد گائی اک سکھی نے

مبارک باد

اے ترا جلوۂ ناگاہ مبارک ہم کو — غیرتِ ماہ شب ماہ مبارک ہم کو
بخت بیدار کو مژدہ ہو مقدر کو نوید — مقدم دولت دلخواہ مبارک ہم کو

جس میں ہو جوش وہ آنسو ہو سزوار ہمیں   جس میں تاثیر ہو وہ آہ مبارک ہمکو
لاکھ جھنکواے کیتوئیں شرم سے تو عصمت کیا   چاہنے والے تری چاہ مبارک ہمکو

ہے ہر اک نقش قدم نقش جبیں اے شعلہ
خاکساری سر راہ مبارک ہم کو

ہوئی بارے شب مہتاب شفاف   غبار کلفت دل مطلع صاف
نسیم صبح نے دامن سنبھالا   بہار تازہ نے جوبن نکالا
ہوئی چہکار مرغان چمن کی   چلیں سن سے ہوائیں برج بن کی
سر گل بلبل گلشن تھی گستاخ   گلے لپٹی بہم تھیں شاخ سے شاخ
پریشانوں نے خود گیسو سنوارے   کھلے پژمردہ باسی ہار سارے
طرب انگیز تھا میدان صحرا   زمرد گوں تھا ہر دامان صحرا
ہر اک کھولے ہوئے آغوش مطلب   بہار سبزہ گوں پر لوٹتی تھیں سب
سر سبزہ ہر اک غلطاں خوشی سے   گری پڑتی تھیں شوق بیخودی سے
مشام جان میں تھی بوئے گل تر   دماغ خوبرویاں تھے معطر
ہر اک بے بادہ مست شوق دلدار   ہر اک بے نشہ تھی مدہوش و سرشار
بڑھا ذوق دل صد پارہ کیا کیا   بھرا انفا دامن نظارہ کیا کیا
لبیں آنکھیں بت حسن آفریں کی   نشتفی کر گئیں جان حزیں کی
نہ دود دل نہ لب پر آہ جانسوز   نہ جوش بیقراری خانماں سوز
ہوا سامان عیش شب مہیا   وہی گوپی وہی نٹ کھٹ کنھیا
ہر اک بیتاب شوق متصل میں   ہر اک تا کام ذوق کام دل میں

وہ لطفِ حسن یکتا جوش میں تھا ہر رنگ دل ہر اک آغوش میں تھا
ہوئے ٹھنڈے نمک سے زخم بسمل کیا حاصل ہر اک نے مقصدِ دل
بہار آئی جو ہنگام طرب کی ہوئی یوں گفتگو اک غنچہ لب کی
کہ اے آرام دل پیارے سہی شیام ہے نذر خوش خرامی صبر و آرام
تری اک اک ادا رنگیں ادا ہے بہارِ گلشنِ ہستی میں کیا ہے
وہ عالم کو ہے آہنگِ تماشا عجب ہے تیرا نیرنگِ تماشا
خبر کیا گو بیان سادہ دل کو کہاں قدرت خمیرِ آب و گل کو
نگاہِ چشمِ ظاہر ہیچ کارہ کسے تابِ نظر بہرِ نظارہ
مگر ہر دل ہے رسوائے محبت ہر اک سر میں ہے سودائے محبت
ترے کیا شکوہ بیداد سے دل کہ آگے لب پہ ہے فریاد سے دل
اٹھا رکھا تھا کیا جوش بکا نے کیا ہے چپ نگاہ سرمہ سا نے
لیے اظہار حالِ جانِ مضطر ہر رنگ غنچہ خاموشی سے بہتر
رکی لب پر ہوائے نالۂ دل رہی دل میں صدائے نالۂ دل
ہے بہر دیدہ و دل اک نظارہ ترا حسن نہاں و آشکارا
ہوا جب دیدۂ حیراں سے غائب عجب حالت ہوئی اے بو العجائب
سر دل پر تھی بلائے آفت و مہر ہوا تھا حشر برپا فتنۂ دہر
لگائی خاک صحرا چشم نم سے جبیں رگڑی ترے نقشِ قدم سے
ہر اک جانب تھا اشکوں کا تلاطم مگر راہِ سرِ مقصود تھا گم
پکارا ہر طرف با آہ و زاری نہ آیا رحم اے ماہ و ہو طراری

گیا پہلو سے تو مانندِ جاں تھا
بہت سحر آفریں اب تک کہاں تھا

پھر آیا جلوۂ جاوید ہو کر
ملی امید نا امید ہو کر

نہ آیا دور تک جلوہ نظر میں
بہت بیباک نکلا پردے پردے میں

نمود آخر ہوا آغوشِ جاں سے
کہاں ڈھونڈھا تجھے نکلا کہاں سے

نہیں ملتا ہے تیرا کُنہِ ذات
نہیں کھلتی ترے نیرنگ کی بات

بیانِ رمز کا پایاں نہیں ہے
مجالِ عالمِ امکاں نہیں ہے

بہت گن گا رہے ہیں وید تیرا
نہ پایا پر کسی نے بھید تیرا

خیال و وہم کو بیگانگی ہے
جنوں کو آپ ہی دیوانگی ہے

نہیں کھلتے ہیں بند و بست تیرے
گل و بلبل ہیں دونوں مست تیرے

ہمیشہ سے ہے جاری رسمِ الفت
مگر کچھ تو ہیں آئینِ محبت

طریقے تین ہیں الفت کے ہر چند
نہیں تو ایک کا بھی شوخ پابند

طریقِ اولیں ہے عینِ الفت
برابر کی ہو دونوں میں محبت

طریقِ دوم ہے اے ستمگر
گر نڈھال ایک ہو اور ایک مضطر

طریقہ تیسرا ہے خاک کلفت
نہ ہو دونوں کے باہم رنگِ الفت

تجھے اے خود نمائے جلوۂ ذات
پسندیدہ ہے ان میں کونسی بات

اٹھا رکھا اپنا نیرنگِ تجلی
کہ اک صورت پہ ہو دل کی تسلی

یہ آئینِ محبت کون سے ہے
کہ گاہے مہر ہے گاہے جفا ہے

کبھی جور و ستم سے مہربانی
کبھی لطف و کرم کی لن ترانی

کبھی دامن کشی بے سبب ہے
کبھی خود اپنے مطلب کی طلب ہے

یہ سنکر نکتہ رازِ محبت
کھلے دونوں طرف اسرار الفت

بتِ رشکِ چمن جوشِ طرب میں
گل افشاں تھا جوابِ غنچہ لب میں

کہ اے ناواقفانِ رمزِ الفت
کہاں آزاد پابند طریقت

ہر اک آئین سے آزاد ہوں میں
بہارِ عالمِ ایجاد ہوں میں

غرض ہجراں سے نے وصلِ بتاں سے
جہاں سے کام نے اہلِ جہاں سے

ولے واقف ہر اک احوال سے ہوں
نہیں غافل کسی کے حال سے ہوں

کسی کو رازِ قدرت کی خبر کیا
گماں کا میری خلوت میں گذر کیا

تقدس ہے مرا نورِ انالشرق
تعین ہے مرا جولانگہ برق

مگر ہے مجھ سے جس کو خاص اخلاص
وہی ہے خاص بندہ محرمِ خاص

بظاہر گرچہ آزادِ قفس ہوں
جو میرے بس ہی میں بھی اسکے بس ہوں

پئے عاشق ہے کچھ فرقت ضروری
کہ قدرِ وصل ہے ہجراں کی دوری

وگرنہ کون ہی جس سے جدا ہوں
رسیدہ ہوں مگر سب میں رہا ہوں

مذاقِ عشق اول دردِ جاں ہے
شکیب و صبر پہلا امتحاں ہے

نکلتا ہے جو اس منزل میں کامل
جگہ ہے اُس کی ہر اک گوشۂ دل

انیسِ خلوت آرائی ہے میرا
جلیسِ بزمِ یکتائی ہے میرا

ولیکن بہرِ اظہارِ محبت
ضروری ہے حجابِ آدمیت

نہ تھا زیبا یہ طرزِ بے نقابی
حجابِ خانماں ہے بے حجابی

نہ شرمِ غیر نے پاسِ یگانہ
حیاداری ہے دستورِ زمانہ

کبھی میں خوش نہیں ایسی ادا سے
کہ باہر ہوں قدم شرم و حیا سے

اُٹھایا تم نے کل رسمِ جہاں کو ۔ یوہیں لگتے ہیں دھبے خانداں کو
کہ ہے پابندِ دنیا آدمی زاد ۔ کیا ظاہر کا کیوں ناموس برباد
بُرا ہے گھر سے باہر پانوں دھرنا ۔ نہیں لازم کبھی حد سے گذرنا
اُٹھانا ہاتھ کو شرم و حیا سے ۔ اُترنا ہے نگاہِ اقربا سے
زمانہ کی نہ رکھی شرم کچھ بھی ۔ نہیں معلوم سرد و گرم کچھ بھی
کیا کیوں شوقِ دل ناموس پر صرف ۔ گئیں کیا ہے جو آئے نام پر حرف
اگرچہ پوچ ہیں وسواسِ دنیا ۔ مگر تھا کچھ مناسب پاسِ دنیا
یہ سچ ہے کون ہے فرزانۂ عشق ۔ کہاں پابند ہے دیوانۂ عشق
کھلے ہیں مجھ پہ سب رازِ محبت ۔ کہ ہے سوزِ نہاں سازِ محبت
تعارف اک برائے نام سا ہے ۔ تعلق ایک رشتۂ خام سا ہے
محبت کا عجب نشو و نما ہے ۔ یہ عالم دونوں عالم سے جدا ہے
اگر اے آرزو مندانِ آغوش ۔ جہاں خواہی نخواہی ہے فراموش
بھری سر میں ہوائے گلشنِ وصل ۔ بڑھے ہیں ہاتھ بہرِ دامنِ وصل
نہ ہو بیتاب شوقِ متصل سے ۔ ذرا کچھ کام لو تسکینِ دل سے
کہ بہرِ کامرانی ہے یہی شب ۔ سرِ عیش و جوانی ہے یہی شب
یہ سنکر رمزِ شاہِ مہ جبیناں ۔ بڑھا جوشِ شبابِ نازنیناں
قرار و صبر سب قابو میں آئے ۔ دلِ خود رفتہ خود پہلو میں آئے
ہوا بزمِ طرب کا ساز و ساماں ۔ پھٹے جوبن سے چاکِ گریباں
نکیلی چتونوں میں تھا کھیلا ۔ شبِ مہتاب میں تھی رات نیلا

راس منڈل

کدھر ہے ساقیٔ بزمِ حقیقت — کہ ذوقِ عیش ہے نیرنگِ قدرت
وہ دے بھر بھر کے اپنے جامِ سرشار — سرورِ بیخودی سے ہوں خبردار
بڑھوں خود جوششِ مستی سے آگے — نکل جاؤں کہیں ہستی سے آگے
پڑا غل دورۂ چرخِ کہن میں — رچا ہے راس منڈل برج بن میں
زمیں پلکوں سے جھاڑی آسماں نے — کیا منڈل کا حلقہ کہکشاں نے
مثالِ آئینہ میداں تھا شفاف — مہِ تاباں نے کی پھر چاندنی صاف
لگائے مشرقی تکیے افق نے — بچھائے مغربی قالیں افق نے
یہی تھا غلغلہ عرشِ بریں پر — مبارک اے زمیں تیرا مقدر
اسی دن کا تو شوقِ جانفزا تھا — تجھے جب شیش نے سر پر دھرا تھا
زمیں پر تھا وہ نورِ عالمِ پاک — جھکے پڑتے تھے نیچے اہلِ افلاک
نکالے غرفۂ گردوں سے گردن — پکارے دیوتا جی دھن ہو دھن
ریاضت چھٹ گئیں تھی عابدوں کی — سماہی کھل گئیں تھی قدسیوں کی
سراپا چشم تھے بہرِ تماشا — ہوئے تھے محو بشن و رودر و برہما
کمنڈل چھوڑ سے اور بن جوگیوں نے — اٹھائے اپنے آسن جوگیوں نے
لئے ہاتھوں پہ نذرِ جان و تن تھے — رواں سب سوئے بزمِ برج بن تھے
تھی پاتال کی آکاش میں دھوم — لئے گاؤ زمیں نے اپنے کھر چوم
کہا گو تھی گرانباری سے بیکل — ملا ہے آج بارے شاخ کا پھل

کھلے قدرت کے نیرنگِ حقیقت
چمن کا رنگ تھا رنگِ حقیقت
بڑھی عشقِ حقیقی کی تھی مستی
ہر اک جانب تھا شغلِ حق پرستی
نہالانِ چمن سب برگزیدہ
ہر ایک شمشاد و قمری حق رسیدہ
لباس فاختہ تھا جوگیانہ
کٹی سادھو کی تھی ہر آشیانہ
نکلتا حق تھا قمری کی صدا سے
تپسیا سرد کی تھی ایک پا سے
عروسانِ چمن میں جوگ کا ڈھنگ
ٹپکتا تھا حنا سے گیروا رنگ
ہر اک گل پاٹھ کے سامان میں تھا
ہر اک غنچہ اسی کے دھیان میں تھا
ہوئی بادِ بہاری جو رک کے
گئی شاخِ شجر سجدے میں جھک کے
ہوا کے ساتھ ذکرِ حق رواں تھا
ہر اک پتا زبانِ بید خواں تھا
گل بلبل کو ذوقِ جاں نثاری
ہوا پابند ہے ہوئے بادِ بہاری
عجب تھی بارشِ گلہائے رنگیں
بنا تھا برجِ بن دامانِ گلچیں
اٹھائے سر ہوئے اوج میں تھے
حباب بحر اپنی موج میں تھے
لبِ ساحل پہ نامِ کرشن اوتار
نہیں ملتے تھے باہم ایک بھی بار
وہ عالم تھا تماشا گاہِ اسرار
ہر اک سو جلوۂ قدرت نمودار
حقیقت زا تھا حسن و عشق کا ڈھنگ
گل و بلبل تھے دونوں ایک ہی رنگ
نہ بلبل کو حیا داری گلوں کی
نہ گل کو شرم تھی کچھ بلبلوں کی
جمی تھی بزمِ عشرت نصف شب میں
بھری تھیں قدرتیں جوشِ طرب میں
نگاہوں میں تھا نورِ جلوۂ ذات
ہوئی تھی گرم کیا بزمِ طلسمات
لیا ڈف اپنا چرخِ چنبری نے
ملائے ساز زہرہ مشتری نے

ہوا خود بزم آرا چھیل چھبیلا ۔ بجی گھنشام کی بانکی مُرلیا
اُوچ کی گونج تھی گردوں تلک میں ۔ بھرے تھے سبت سُر ساتوں فلک میں
اُدھر انہد تھا محوِ نغمہ نے ۔ اُدھر ترلوک تینوں گرام میں لے
ہر اک جانب بتانِ فتنۂ قامت ۔ خرامِ ناز اندازِ قیامت
پری رویانِ نازک شعلہ رخسار ۔ لباس خوشنما رنگین و زرتار
کوئی دھانی کوئی سُرخ اور کوئی زرد ۔ ہر اک تھی اپنے اپنے رنگ میں فرد
چڑھا جوشِ جوانی دلبروں پر ۔ نقاب اُلٹے ہوئے آدھے سروں پر
ہر اک سرکش مثالِ شعلۂ طور ۔ نظر آتا تھا سر تا پا بھرا نور
بتانِ شوخ شوقِ راس میں مست ۔ سُبک جسم و سبک گام و سبک جست
کسے مضبوط بل نازک کمر کے ۔ اُٹھیں طنّاز عزمِ رقص کرکے
کیا ایجاد پھر رقص آئیں ۔ ملائے پنجۂ دستِ نگاریں
نرالا ترت تھا انداز کے ساتھ ۔ لئے ایک ایک نے ایک ایک کے ہاتھ
کیا حلقہ بتاں خوش ادا نے ۔ بنایا اپنا ہالہ مہ لقا نے
فروزاں بیچ میں تھا حسنِ ندرت ۔ برنگ نقطۂ پرکار قدرت
بنا تھا شمع حسنِ بے مثالی ۔ پھرے تھا گرد فانوسِ خیالی
ہوا تھا حسن یکساں مہ وشوں کا ۔ بنا تھا ایک چکر گردشوں کا
بنی تھی شعلہ جوالہ ہر ایک ۔ بنی گرد ماہ مثلِ ہالہ ہر ایک
عجب تھی تال کی اور سم کی آواز ۔ غضب تھم تھم کے تھی چھم چھم کی آواز
تعشق گوپیوں کا شیام کی پیت ۔ سُروں میں بھر رہے تھے برج کے گیت

کھڑا تھا ناتھ باندھے سامنے دیس
بھرا تھا بھیروی نے جوگیا بھیس

بھاگ اپنے ہی کچھ بیراگ میں تھا
غرض جو راگ تھا انوراگ میں تھا

کہاں کا وقت کس کی تال اور تان
جھنجھوٹی گا رہی تھی شیام کلیان

زہے بخت پریرویان گوکل
کہ تھا ہم بزم وہ حسن جز و کل

یہ دل خود رفتہ وہ دل سے ہم آغوش
وہ خود پہلو نشیں یہ خود فراموش

سری جدہیت نے بہر رنگ محفل
جدا دیکھی ہر اک کی خواہش دل

کیا وحدت کو کثرت کا اشارہ
بنا تو ایک سے بہر نظارہ

ہر اک آئینہ رو کے روبرو تھا
وہی اک حسن سب کے دو بدو تھا

الگ ایک ایک پر جلوہ گری تھی
وہی ٹیکہ تھا وہی بانسری تھی

وہی تھے کریٹ اور وہی مکٹ تھا
وہی جامہ تھا وہی پیت پٹ تھا

وہی دُر وہ ہی مکراکرت کنڈل
وہی زلفیں وہی گیسو وہی بل

وہی ہیکل وہی پھولوں کی مالا
وہی قامت وہی تھا قد بالا

وہی نور جبیں وہ ہی سیاہی
وہی سج دھج تھی وہ ہی کج کلاہی

وہی چھب ہیں ادائے دلبری تھی
وہی شوخی وہی عشوہ گری تھی

وہی جلوہ وہی تھا نور جاوید
وہی کثرت وہی تھا رنگ توحید

ہر اک صورت میں تھا حسن یگانہ
بنا تھا برج بن آئینہ خانہ

ہر اک جانے ہوئے قابو میں اپنے
ہر اک سمجھے ہوئے پہلو میں اپنے

ہوا کثرت نما جب حسن یکتا
ہر اک گوپی کا تھا اک اک کنہیا

بت طناز بہر رقص تھا ساتھ
لیا اک اک نے اک اک شیام کا ہاتھ

مبارک ساعت جس کا ساتھ ہو یہ
مبارک ہاتھ جس میں ہاتھ ہو یہ

کلیدِ گنجِ اسرارِ حقیقت
ہر اک کے ہاتھ میں تھا دستِ قدرت

ہوا رقصِ بتِ طاؤسِ طناز
عجب جنبش میں آیا جلوۂ ناز

نکل جائے نہ تا جھٹکے میں مُرلی
لگائی شیام نے پٹکے میں مرلی

فلک سمجھا کہ کس کی شان ہے یہ
زمیں اچھلی کہ کیا سامان ہے یہ

مہ و خورشید چرخ و عرش جھومے
ہر اک گردش میں سو سو بار گھومے

بھرے ٹھوکر میں اعجازِ ازل تھے
کروڑوں لشکرِ نغمے پدموں کل تھے

نثارِ پائے نازک جزو کل تھا
عجب ہنگامۂ قدرت کا عمل تھا

غضب کی گردشیں عرشِ بریں کو
ہلا دی گردشیں گاؤ زمیں کو

بھرے تھے جلوہ ہائے حسنِ نیرنگ
نگہ کو عرصۂ کونین تھا تنگ

ہوئی آکاش سے پھولوں کی برکھا
فلک نے خود زرِ انجم کو پرکھا

رخِ پرنور کا صدقہ اتارا
مہ و خورشید نے گردوں کو وارا

غرض سب گوپیاں نازپرور
دکھائی کرشن کو تھیں اپنے جوہر

بنا دم دم پہ طرزِ رقص ایجاد
بتانِ فتنہ زا ایک ایک استاد

کبھی تنہا کبھی تھا ہاتھ میں ہاتھ
نچایا ناچ لیکر شیام کو ساتھ

اداؤں سے کبھی دامن کشیدہ
کبھی شمشاد قامت تھیں خمیدہ

کبھی چکر پہ چکر تھے جھپٹ کے
کبھی چنچل چلیں آنچل الٹ کے

نرالا نرت کا تھا گاہے انداز
نکلتی تھی نہ اک گھنگرو کی آواز

کھڑے ہو ہو کے برسایا چلت کو
اتارا انگلیوں پر گت کی گت کو

الاپ اُٹھے تھے سر کچھ آپ ہی آپ
بنی پا کو بیاں مردنگ کی تھاپ

پڑے جب پاؤں فرشِ گل پہ ہم سو
گری خلخال پر خلخال چھم سے

عرق تھا مہ جبینوں کی جبیں پر
کہ تھے شبنم کے قطرے یاسمیں پر

غلط ہیں نسبتیں آبِ گہر سے
وہ کیا ہیں جو بہیں پیشا مہر سے

عجب ہیں اُن کی شوخی کے قرینے
بہت خوباں نے خود پونچھے پسینے

بکھرتی تھیں جو زلفِ عنبریں فام
مٹا دیتا تھا اپنے ہاتھ سے شیام

نمایاں تھا طلسمِ عشق بازی
محبت کر رہی تھی کارسازی

کوئی قرباں بتِ شیریں شمائل
کسی کے ہاتھ گردن میں حمائل

کہیں چھلّے سے بنسی کو نکالا
کسی نے چھین لی پھول مالا

کسی نے قول لیکر ہاتھ مارے
نشانی کے کہیں چھلّے اُتارے

کسی نے پھر کے ڈورے لٹک کے
کسی نے پلہ جھاڑے پٹ پٹ کے

کوئی کہتی تھی یوں شوخ دلارام
بڑا ہی بھولنے والا ہے تو شیام

مجھے بھی یاد رکھنا تو جنی ہیں
لگا لے گانٹھ جامے کی تنی ہیں

کوئی کہتی تھی رمز و زعم کی بات
کہ دیکھی عشق بازی کی کرامات

اُٹھایا جس نے تھا کوہِ گراں سر
نچایا ہم نے اُس کو انگلیوں پر

گروہِ گوپیاں سے ایک مضطر
دھرے سینے پہ تھی دستِ سمن بر

دکھاتی تھی سراسر بیتابیٔ دل
طپیدن ہائے جانِ نیم بسمل

دوا پوچھے تھی کوئی دردِ جاں کی
کوئی ترکیب کچھ ضبطِ فغاں کی

سخن کوتاہ بہرِ وصلِ جاناں
ہر اک رقاص تھی دست و گریباں

بڑھی خود رفتگی شوقِ صنم میں ۔۔۔ گئے طے ہر دو عالم اک قدم میں
تصورِ شیام کا دل میں بھرے تھی ۔۔۔ ہر اک ہستی کی منزل سے پرے تھی
ہر اک دل تھا جمالی و جلالی ۔۔۔ تماشا گاہ حسن لایزالی
ازل سے حسن کو ہے عشق سے کام ۔۔۔ کہاں گوپی وگرنہ اور کہاں شیام
غرض جب ہو چکی محفل طرازی ۔۔۔ کیا جدپت نے شغلِ آب بازی
نقابِ چہرۂ خوباں اٹھائے ۔۔۔ لبِ دریا عجب چھینٹے اڑائے
پڑا عکسِ لباسِ ارغوانی ۔۔۔ گلابی ہو گیا جمنا کا پانی
بھرا دامانِ دریا کو گلوں سے ۔۔۔ نکل کر آئیں بلبل بلبلوں سے
بڑھا پابوسیوں کو جوش دریا ۔۔۔ کھلی تھی شوق میں آغوش دریا
سرِ دریا تھا کیا حسنِ یگانہ ۔۔۔ روانی موج کی تھی بیخودانہ
حباب بحر تھے چشمِ تماشا ۔۔۔ لبِ ساحل کو ذوقِ بوسۂ پا
صدف لائیں گہر کے تھال بھر کے ۔۔۔ لٹائے موتیوں کے تھال بھر کے
چمکتے تھے زمیں کے ذرے سارے ۔۔۔ نظر آتے تھے پانی میں ستارے
فروغِ جلوہائے روئے خوباں ۔۔۔ سرِ جمنا تماشائے چراغاں
ملی آواز میں دریا کی آواز ۔۔۔ دوبالا ہو گیا ہنگامۂ ناز
رہی نظارگی رشکِ قمر کی ۔۔۔ سرِ دریا شبِ عشرت بسر کی
دھرا اول میں اٹھا کر شوخ دلخواہ ۔۔۔ ہوئی یوں ختم بازی شب ماہ
سوئے خانہ کیا ہر ایک نے عزم ۔۔۔ سحر ہونے سے پہلے اٹھ گئی بزم
مواجب راس منڈل اسطرح طے ۔۔۔ پکارے دیوتا جے کرشن کی جے

خاتمہ

بس اب اے شعلۂ خستہ جگر بس — کہاں تو اور کہاں وہ پریم کا رس
ہمیشہ سے ہے پابندِ طریقت — حقیقت کیا تری اوبے حقیقت
یہ کیا سامان یہ کیا حکمت کا تہار از — نہ جانی ایک بھی کیفیت راز
نہ سمجھا کوئی کاروبار اُس کے — نہیں کھلتے کبھی اسرار اُس کے
کہانکی پاٹ پوجا کا ہے کا نیم — ہے بھروسہ کافی پریم ہی پریم
نہیں واں فرق بخشش میں سر مو — تجھے جو مانگنا ہے مانگ لے تو
سبب کیا چاہئے جب ہے سبب دے — طلب کیا اس سے جو خود بے طلب دے
نہیں ہوں مانگنے لائق کسی طور — مجھے کیا چاہئے اُس کے سوا اور
وہی جہانکی سری راد ہارمن کی — وہی وہ ہاتھ جھوٹی بج بن کی
مٹے دنیا و عقبےٰ کا بکھیڑا — لگاؤ پار کر یا سندہ بیڑا
تمنا ہے رہی ہے عرض کو طول — ملے اس نظم کو بھی رنگ مقبول
نہیں پھر اصلہ گوہر فشانی — اگر کچھ پریم کا آنکھوں میں پانی

جے جے جے آپ کی جے

قطعہ تاریخ از مصنف

چو شد آراستہ ایں گلشن راز — بہار برج چپ نیرنگ قدرت
بر آہا سر برون آوردہ از جیب — بجوشِ خورمی داد ایں بشارت
کہ اے شعلہ پئے تاریخ تصنیف — بگو نظارۂ حسن حقیقت

جے ہو جے ہو جے ہو

مسدس شعلہ

(ماخوذ از کتاب جنگ نندنی)

اے طبع کس کے حسن تجلی کی ہیں صفات
پوچھا در ہو رہے ہیں جو موجود و ممکنات
دنیا لٹا رہی ہے کل اپنی کائنات
حسن ازل کو جسم کی جانب ہے التفات
یارا نہیں ہے جلوؤں کو اب انتظار کا
پردہ اٹھا دے قدرت پروردگار کا

بے حکم جس کے شرق سے نکلے نہ آفتاب
بے حکم ایک قطرہ نہ برسا سکے سحاب
لیتا ہے روز خاک سے ذروں کا جو حساب
وہ حسن بر ملا اتر آیا ہے بے نقاب
خود نور محو جلوہ تنویر بن گیا
نقاش آپ اپنی ہی تصویر بن گیا

کیا سبزہ زار خلد اجودھیا کی ہے زمیں
پہنے ہوئے ہے بر میں قبائے زمردیں
پڑتی نہیں ہے موج ہوا میں شکن کہیں
ہوتا نہیں ہے لہروں سے دریا کی چیں جبیں
گرداب یاں نہیں ہے ذرا پیچ و تاب میں
خلوت نشیں ہیں سحر کی موجیں حباب میں

رشیوں کا جا بجا لب دریا قیام ہے
دھونی رمی ہوئی ہے تپسیا سے کام ہے
ورد زباں ہر اک کے سری رام رام ہے
لہریں وہ آ رہی ہیں کہ دریا تمام ہے
ہر اک حباب سر کو اٹھائے ہے موج میں
سرجو کا پانی دہار رہا ہے اپنی موج میں

شاداب یاں بہار کی وہ ہیں علی العموم
بیکنٹھ بن رہی ہے مگر چھا اودھ کی دھوم

ہے یاں کی تازگی کی بہشت بریں میں دھوم — ریشوں کی بھیڑ جو گیہوں میں ہونکا ہے ہجوم

کھیتوں میں آبپاشی ہے کوثر کے پانی کی
ہر سبز پیاری کھیتیاں ہیں اچھے دھانی کی

جب رشتے گل پہ گرد بھی غازہ ہو گیا — بیلیں لپٹ کے خلد کا دروازہ ہو گیا
میوہ چکھا جو ہاتھ سے دل تازہ ہو گیا — جنت تری بہار کا اندازہ ہو گیا

بادِ سحر کھلاتی ہے غنچوں کو چوم کے
شاخیں پھلوں کو پہنچی ہیں جھوم جھوم کے

خوش لہجہ طائروں کا ہے شاخوں پہ اژدہام — زریں کوئی ہے سرخ کوئی کوئی سبز فام
ہر ایک کی زباں پہ ہے شری رام رام رام — ہر رنگ چہچہوں میں ہے ایشور کا پاک نام

آوازیں پیاری وہ ہیں کہ ہر لہجہ چھوٹ ہے
چھل بل پہ گویا سارا چمن آپ لوٹ ہے

گلزار کی زمیں کو چمن پہ تھا شرف — ہر غنچہ سر بہ جیب تھا ہر گل تھا سر بکف
گنبد سے کے ہار پہ رہی تھیں سادہ ہوئی صف — ہوتی تھی دل لبیک کی صدا ہر اک طرف

غنچے چٹک کے پڑھتے ہیں مصرع شادی کو
بلبل کے نغمے وید کی دھن اور لے میں ہے

لنکا کو فتح کر کے بھبھیکشن کو دے کے راج — چودہ برس میں آئے مہاراج ادھیراج
سونپا ہے بھرت جی نے اجودھیا کا تخت و تاج — بھومی کا بھار اتار کے چھوڑا رشی سماج

ہلنے لگی ہے جنبش برگ گیاہ سے
کتنی زمیں سبک ہوئی بار گناہ سے

دربار آج اُنھی شہِ کون و مکاں کا ہے
نظارہ عام جلوۂ حسن نہاں کا ہے
یاں وہم کا نہ دخل نہ رستہ گماں کا ہے
کچھ ناطقہ کا زور نہ قابو زباں کا ہے
شوقِ بیاں ہوا جسے خاموش ہو گیا
یاد آیا جس کو وہ سو فراموش ہو گیا

اسمیدیگ کی ہے او وہ بہر میں دھوم دھام
ہوتے ہیں رامچندر کے دربار خاص عام
کی لکشمن نے عرض کہ شاہِ فلک مقام
دو سادھو بالک آئے ہیں لوکش ہی جنکا نام
گر حکم ہو تو وہ بھی یہاں باریاب ہوں
اپنا ہنر دکھانے کو حاضر شتاب ہوں

خورشید رو ہے ایک تو ہے ایک مہ جبیں
نقشِ قدم سے اُنکے اجودھیا ہے گل زمیں
ملتی کچھ آپ سے ہے شباہت کہیں کہیں
نوعمر ہونہار جواں مرد اور حسیں
سارے چرتر آپ کے او بہت وہ گاتے ہیں
جوگی کے بانکے ہیں بینا بجاتے ہیں

حاوی ہر ایک فن پہ ہیں قادر ہنر پہ ہیں
ہمت سے لات مارے ہوئے مال و زر پہ ہیں
سادھو نہیں ہیں بلکہ جٹا جوٹ سر پہ ہیں
ترکش کے باندھنے کے نشاں کچھ کمر پہ ہیں
بچھڑا انہیں سے رنگ شجاعت ملول ہیں
تو کہہ رہی ہے گلشن رگھو کل کے پھول ہیں

ارشاد خاص ہوتے ہی دونوں ہوئے طلب
آئے جھکے چرن چھوئے بیٹھے بصد ادب
حیراں تھے دیکھ دیکھ کے دربار وار سب
مکھڑے عجیب چال عجیب چتونیں عجیب
دونوں کے بحر حسن میں نظارہ غرق تھا

یکساں تھا بال بال سر مو نہ فرق تھا

چہروں سے خاندان کا ظاہر حسب نسب
چتون سے چھتری جوش نمایاں دم غضب
طاقتوروں کو دیکھ کے خندہ بزیر لب
پرساد ہو بھیکھ کا نہیں کھلتا کوئی سبب
مٹی کے عطر میں ہیں جٹائیں بسی ہوئیں
کوپیں کچی ہوئیں ہیں تو گاتی کسی ہوئیں

نازک بھی بےمثال دلاور بھی بےمثال
روشن بھبوت میں بھی وہ رخسار ونکا جمال
لٹکے ہوئے کمر پہ جٹا ؤنکے بھورے بال
لپٹی ہوئی بغل میں نزاکت سے مرگ چھال
مضرابیں پوروؤں میں ہیں پر تیر کی طرح
بینیں دھری ہیں کاندھوں پہ شمشیر کی طرح

پوچھا کہ کون بولے تپسی کے بالکے
پوچھا کہ عمر بولے کہ دس بارہ سال کے
پوچھا پتا تو چپ سے تبسم میں ٹال کے
چیلے ہو کس کے بولے رشی باکمال کے
جنگل سے والمیک گرو ساتھ لائے ہیں
بن دیوی نام ماتا ہے ہم جس کے جائے ہیں

فرمایا رامچندر نے اب کچھ سناؤ تم
کیا ودیا والمیک سے سیکھی دکھاؤ تم
سب کو کیا ہے شوق نے بے چین گاؤ تم
رکھکر کمنڈل ہاتھوں سے بینیں اٹھاؤ تم
واں آفتاب ذرہ خاک قدم ہوئے
تعمیل حکم پر سر تسلیم خم ہوئے

مضراب کی جو ضرب سے سُر بولنے لگے
انجم پئے نثار گہر رولنے لگے
سنتو ایک ایک نغمہ کی لے تولنے لگے
گندھرپ آسمان پہ پر کھولنے لگے

جب سُر ملائے بین کے تاروں کو چھیڑ کر
زہرہ نے ساز رکھ دیے پردے ادھیڑ کر

گت سن کے اور شوق کی افزائشیں ہوئیں
ہر ایک بند ماچال کی آرائشیں ہوئیں
او ہمت چتر ترنگانے کی فرمائشیں ہوئیں
ہر راگنی کے حسن کو زیبائشیں ہوئیں

ہر راگ ہاتھ باندھ کے تصویر ہو گیا
ہر زمزمہ گلے میں مضامیر ہو گیا

اٹھ کر کہا ہماری نمسکار آپ کو
بھومی کا کچھ اوتارنا تھا بھار آپ کو
ڈنڈوت ساشٹانگ ہے ہر بار آپ کو
لینا پڑا اسی لئے اوتار آپ کو

کچھ کچھ کہیں کہیں سے چرتر ہم سنائے ہیں
سیکھا ہے جو گرو سے مہاراج ہم گائیں ہیں

گنیت کی کر کے آئی آرتھ کی کتھا
شرنگی رشی کی یگیہ وہ استان کا منا
وہ اولوتوں کی پیش کے آگے پڑھنا
دشرتھ کے گھر میں جنم شری رامچندر کا

ساکار اپنے آپ نراکار یاں ہوا
یہ آئینہ کے عکس نمودار یاں ہوا

کوشلیا سے وہ رام ہوئے جنم وہ دن
وہ کیکئی کے بھرت اور اُوبہت وہ پالن
ماتا سمترا کے لکھن اور شتروہن
وہ اودیا وہیں شکشا وہ شستر نکاشن

آنا وہ بسوامتر کا یگ کی سہائی کو
دشرتھ سے لینا رام و لکھن دونوں بھائی کو

یگ رکشا اور پھر وہ سویمبر کی دھوم دھام
جانا گرو کے ساتھ جنک پور کا قیام

اور پشپ باٹکا کا وہ نظارہ تمام — ہونا دھنش یگیہ میں راجوں کا اژدہام

ٹھاکروں کا زر پشپانیوں کے ساتھ
رام اور لچھمن کا تیج وہ اچرانیوں کے ساتھ

لچھمن کا جوش رام کا ہنس ہنس کے ٹالنا — تنکا سا توڑ کر وہ دھنش کا اچھالنا
سیتا کا پھول مالا وہ گردن میں ڈالنا — آکر وہ پرسرام کا پھرسا نکالنا

اپنی کمان پہ زور کماندار دیکھ کر
چرنوں میں گرنا حسن نرنکار دیکھ کر

آنا برات کا وہ سوے منزل کی راہ — دونوں طرف وہ جلوۂ شاہانہ کجکلاہ
وہ شبھ گھڑی مہورت کا وہ اقبال مہر و ماہ — وہ دولہا بننا رام کا وہ جانکی بیاہ

وہ اداسی اودھ کی وہ دسرتھ کا سکھ راج
وہ رامچندر جی کا ملک پر تخت و تاج

مکاری منتھرا کی وہ اور کیکئی کا غم — رو کر دلانا یاد وہ اپنے وچن وہ قسم
راجہ سے کیکئی کا یہ کہنا وہ دمبدم — کیا میرا بھرت راج کے کرنے کو کچھ ہے کم؟

چودہ برس کو رام ہوں بن باس میں رہیں
کنڈل مکٹ اُتار کے سنیاس میں رہیں

دسرتھ کا سن کے ہونا وہ بیہوش و بدحواس — کہنا پچھاڑ کھا کے وہیں کیکئی کے پاس
کیا جانیں رامچندر بھلا بن میں کرنا باس! — بے رام کیسے پرانوں کے رہنے کی کچھ ہو آس

دے کر وچن نہ کس طرح مانوں کہا ترا
ہے کیکئی! بھلا ہو بھلا ہو بھلا ترا

کومل کہاں وہ گات کہاں جھاڑیوں کے بن
ٹکڑے ہوا نہ کیوں ترا پاپی اکٹھور من ؟
جنگل کی دھوپ تاپ کہاں پھول سا بدن
کٹ کر گری نہ جیبھ کہے جس سے یہ بچن
ایسی زباں میں ایسے دہن میں لگی نہ آگ
ہا کیکئی کے کیوں بھون میں لگی نہ آگ

جب حکم رامچندر کو بن باس کا ملا
پھر کیکئی کا نہ دشرتھ کا کچھ گلا
سرکا دھرو زمین ہلی آسماں ہلا
خوش دیوتا ہوئے کہ گلِ آرزو کھلا
لنکا کے جھنڈے جھک گئے اور سرنگوں ہوئے
راون کے سر سے تاج گرا بدشگوں ہوئے

کیا تہلکہ ہے؟ کیوں تہ و بالا ہے اک جہاں
چکرا رہے ہیں ندوزمیں پھر پھر کے آسماں
محور پہ ہے زمیں وہ گردش کہ الاماں
آتی ہیں جھنجھنانے کی آوازیں بیگماں
کیلی گھما رہی ہے کلا انقلاب کی
تھالی اچھل رہی ہے عجب آفتاب کی

اخراج کا جو حکم اودھ میں ہوا شیوع
خورشید حشر حشر سے پہلے ہوا طلوع
اک حادثہ بلائے قیامت کا تھا وقوع
ہر جزو اپنے کل کی طرف کر گیا رجوع
ذرے زمیں سے اڑ کے گرے آفتاب میں
تارے سمٹ کے ڈوب گئے ماہتاب میں

رخصت فلک کے گھڑی کی مہمان شب ہوئے
کیا کیا ہوئے نہ قہر نہ کیا کیا غضب ہوئے
ماتا پتا سے رام اجازت طلب ہوئے
دشرتھ پچھاڑ کھا کے گرے جاں بلب ہوئے
غل ہائے ہائے کا اب عام ہو گیا

رنواس غم کدہ ہوا کہرام ہو گیا

دیوار و در نڈھال محل کے ہیں چار سو | لعل و گہر کی ڈھل گئی اشکوں سے آبرو
یاقوت کا سفید مگر پڑ گیا لہو | خورشید و ماہتاب کی پھیکی ہوئی ہے ضو
پھینکا اودھ کا باغ خزاں نے اکھاڑ کے
میدان کر دیا ہے چمن کو اجاڑ کے

اوتساہ کے شگون میں کیا مجھن پڑ گیا | بھبھتی کا قشقہ راج تلک کی جگہ ملا
تھا کیکئی کے ماتھے پہ ٹیکا کلنک کا | مٹتا نہیں کسی سے بھی بدھنا ترا رچا
پوشاک ہوگی زیب بدن خاک دھول کی
رنگت بدل رہی ہے کوشلیا کے پھول کی

سنکر خبر سیا کا کلیجہ دھڑک اٹھا | اک مرغ روح تھا کہ قفس میں پھڑک اٹھا
نالہ مثال برق ہوا میں کڑک اٹھا | ضبط فغاں سے سینہ میں شعلہ بھڑک اٹھا
دم دم پہ ٹھنڈی سانس ہے اور لب پہ آہ ہے
زنہاری پیاری آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے

چھٹنے کا جی میں خوف ہے اور حسرتیں بھری | رعشہ ہے دست و پا میں بدن میں ہے تھرتھری
ہاتھوں کو جوڑ جھک کے جبیں چرنوں میں دھری | کی عرض دینا ناتھ دیا سندھ ہے دھری
بھولے بچن بیاہ کے منہ موڑے جاتے ہو
داسی ہوں ناتھ کس پہ مجھے چھوڑے جاتے ہو

ہے پران ناتھ پران کہاں آپ کے بغیر | پھوٹیں وہ آنکھ جو کریں باغ اودھ کی سیر
چرنوں سے ہوں لگی ہوئی مالک انہیں سے ہے خیر | اپکار دیوتوں کا ہے میرا ہے کار خیر

ہر دم رہے گا نقشِ کفِ پا نگاہ میں
آنکھیں بچھائی جاؤں گی صحرا کی راہ میں

جنگل ہی ساتھ آپ کے خلدِ بریں مجھے　　جو دشت خار دار ہے وہ گل زمیں مجھے
پرکھو انھیں بتاؤ ڈھکانا کہیں مجھے　　کھائے نہ چرخ اور نہ نگلے زمیں مجھے

رُکتے ہوئے ہیں شرم سے جانِ حزیں کہاں
تکتی ہوں آسماں کو کبھی زمیں کو ہوں

صحرا و کوہ و دشت کا کس کو خیال ہے　　باغ اور وہ چیتے تو چیتے کیا ملال ہے
پیشِ نظر ہے آپ کے جو کچھ مآل ہے　　ہے ناتھ اب یہ وصل جدائی محال ہے

کرپا درشٹی آپ کی ہے اوشیا ناتھ ہو
وہ اوہشٹ کل بد ہوئے جو سوامی کیساتھ ہو

آنند ہی آپ ہی سُکھ سے بھری ہوئی ہیں　　سنسار کے دکھوں سے بھلا کب ڈری ہوئیں
ظاہر میں گو کہ کالبدِ عنصری ہوں میں　　ہیم ور جاسے ای مرے سوامی بری ہوئیں

چھو سکتا کون ہے مجھے؟ چھایا ہوں عمر کی
ہیں آپ برہمہ اور میں مایا ہوں برہمہ کی

چھپا کسے ہی اسکی کہ بن میں ہے کچھ خطر　　چیتے کا خوف ہے نہ کسی سنگھ کا ہے ڈر
رستے کو گھر کنارے ہیں اور سایۂ شجر　　بھوجن کو کند مول بہت میوہ و ثمر

سونے کو فرشِ خواب پہ سبزہ نہال ہے
پوشش کو بھوج پتر ہیں پتے ہیں چھال ہے

جب جانکی کی عرض تمنا ہوئی قبول　　لچھمن تبہ ہے کہ شرف سعادت کریں حصول

چہرہ اداس شکستہ بدن اور دل ملول
سر پر چڑھائی رام کے چرنوں کی لیکے دھول

بولے کہ ناتھ ! چرنوں سے وابستہ میں بھی ہوں
مجھکو بھی حکم ہو کہ کمربستہ میں بھی ہوں

وہ جوش خوں نہیں ہے کہ ہو جائے جو خموش
دنیا کے عیش و لطف کا باقی ہے کس کو ہوش
بھائی ہوں ! آرہا ہے رگوں میں لہو کو جوش
ہونت تھا یہی ! نہیں ماتا پتا کا دوش

یہاں ! بھرت و شترگھن ہیں اطاعت کیواسطے
بن واں میں ہوں چرنوں کی خدمت کیواسطے

ہے ناتھ ! تاب غم کی نہ طاقت بکا کی ہے
ساتھ آپ لیچلیں تو خوشی انتہا کی ہے
حسرت یہی ہے جو مگر نقش و پا کی ہے
چھوڑا اگر تو پرانوں کی مرضی فنا کی ہے

بھر آیا دل برادر دلجو کو دیکھ کر
پھڑکیں بھجائیں قوت بازو کو دیکھ کر

بولے یہ رامچندر کہ سچ بات ہے لچھمن
پر مانے پڑے تیرے بھگتی بھرے بچن
سب بھائی ایسے پیارے ہیں جسطرح جان و تن
ایسا نہو کہ جی میں کڑھے بھائی شترگھن

یکساں ہے تجھے تو منزل نزدیک و دور ہے
پر پریہ جانکی کی حفاظت ضرور ہے

لچھمن ! یہ سب ہیں دیہہ کی دھرتی کا کاروبار
ورنہ مری تلاش کا ہے سخت رہگذار
اوتار کی غرض ہے کہ بھومی کا اترے بھار
پیدل کی گرد کو بھی پہونچتا نہیں سوار

جو بھگت پل رہے ہیں محبت کی خاک میں
وہ داخل ہوگئے ہیں مری ذات پاک میں

بھائی بہت سے آئیں گے میدان فتنہ خیز
کچھ لیلو ساتھ اپنے گدا گرز برق ریز
تیار ہو کے چاہیئے چلنا پئے ستیز
جوشن زرہ کمان تبر تیر تیغ تیز

ہر چند ہم کو لشکر کی پرواہ کچھ نہیں
فکر شکوہ و منزلت و جاہ کچھ نہیں

بولے لچھمن کہ کوئی نہیں آپکے سماں
کافی ہیں راکششوں کو دھنش اور میری بان
شانِ خدا کے سامنے کیا آدمی کی شان
5 تنہا میں اک طرف ہوں رہے اک طرف جہاں

ہر گوشہ کمان میں چھپی شش جہات ہے
اک تیر میں بندھی ہوئی کل کائنات ہے

بلوان کوئی کتنا ہو دم میں کروں اسیر
ٹنکور سے کماں کی دہلتے ہیں شور بیر
تحت الثریٰ میں جائے تو لاؤں زمیں کو چیر
حکم خدا کی طرح سے گرتا ہے میرا تیر

امداد چاہیئے نہ کوئی ساتھ چاہیئے
ہاں! سر پہ صرف آپکا ایک ہاتھ چاہیئے

کہہ سن کے آخر ہو گئے آمادۂ سفر
سیتا جی پاؤں پڑنے کو نیچا کئے ہیں سر
10 رگھبیر تو اداس ہیں ہیں ماتا کے جزو نیر
لچھمن جھکے ہیں سامنے باندھے ہوئے کمر

نکلی نہ منہ سے بات کہ سامان پاس ہیں
کوشلیا اور سمترا ماتا اداس ہیں

رگھو رائی بولے ماں سے یہ ادہر کی ہے ٹیک
گو اب ہمارے چھٹنے کا بھاری ہے شوک ایک
بن باس کی ہمارے لئے ہے صلاح نیک
تمکو تو رام بھرت لچھمن شتروہن ہیں ایک

15 ہم چھپے ہیں نگاہ میں وہ بھی نظر میں ہیں

ہم سے زیادہ سیوا کو دو بھائی گھر میں ہیں

ہے بھائی بھرت کو بھی اُدھکار راج کا — اَیتھت میں سکھی ہوں جو اُن کو تلک ملا
میں ہوں جدا نہ اُن سے نہ وہ مجھ سے ہیں جدا — ایک جسم ایک جان ہے اور ایک آتما

اب آگیا کے دینے میں کیا ڈھیل چاہیے
ماتا پتا کے حکم کی تعمیل چاہیے

۵ کوشلیا اور سمترا کا غم سے سر جھکا — رنواس میں ہے گریہ و زاری کا تہلکا
ہے شور جاں خراش دمِ نالہ و بکا — چھاتی بھر آئی دل امنڈ آیا گلا رُکا

کیسا اداس رنگ در و بام ہو گیا
جس گھر میں تھی خوشی وہاں کہرام ہو گیا

سینہ سے غم کی ہوک اُٹھی اُٹھ کے رہ گئی — آنسو کی ندی آنکھوں کے رستے سے بہہ گئی
تھی رمز خاص اجیر طبیعت جو سہہ گئی — پر دل لگی ہونی کان میں کچھ آکے کہہ گئی

ساکت مثال بت دمِ تقریر ہو گئیں
حیرت سے دونوں ایک سی تصویر ہو گئیں

پھر پھر کے کوکھ پھڑکی کلیجہ دھڑک اُٹھا — لپٹا رہی ہیں چھاتی سے اکر بھی نہیں جدا
ماتا کو اور پیارا ہے کیا پتر کے سوا — ہوتی ہے ہائے ہائے بڑی ماں کی مامتا

سنبھلے بدن نہ ضعف سے اگر گر کے رہ گئیں
نکلی نہ جان پتلیاں پھر پھر کے رہ گئیں

ماماؤں کے ملاپ سے کیا کیا ملال ہیں — پژمردہ گھر کے چھوٹنے سے کچھ خیال ہیں
۱۵ مرجھائے سے کنول ہیں مکھڑے نڈھال ہیں — چرنوں میں سر دھرے ہوئے گودی کے لال ہیں

شفقت کا سایہ کرتے ہیں سیپن دنیہ ہاتھ
پیشانی چوم چوم کے پھیرے سر دنیہ ہاتھ

بیدیہی چرنوں میں جو گریں اور بھڑکی آگ
بس میں نہ رامچند۔ نہ بس میں ہو دیہہ تیاگ
بولیں! کہ ہم سی ہوگی نہ ماتا کوئی ابھاگ
سیتا کو دیں آسیس سدا ہو اچل سہاگ

لے لے بلائیں دیدے دعائیں تتا رہیں
دونوں لگا لگا کے گلے ! بیقرار تھیں

۵
ہا! رامچندر! ہائے لکھمن کی بڑی پکار
چلاتی تھیں سمتترا! رو رو کے زار زار
ہا! کل بدھو ہماری سیا! ہائے ہاہا کار
کہتی پھریں تھیں مات کوشلیا! یہ بار بار

ہے پران! تو ہی چل کے ذرا کچھ تو کام لے
کوئی ہتو نہیں ہے! جو جیا تو کو تھام لے

چلکر وہاں سے کوپ بھون کے جو آئے پاس
یوں کھلی لالی کیکئی! اس پاس کا لباس
دیکھا کہ راو ہیں پڑے بیہوش و بدحواس
چودہ برس نہ رکھو اودھ دیکھنے کی آس

اب شوک راج چھٹنے کا کرتے ہوئے پہرو
مینو کی طرح بن میں بچھڑتے ہوئے پیرو
۱۰

بیہوش راو تھے اگر آہٹ پہ کان تھے
دھرتی پہ تھے پڑے ہوئے گرگھو نشان تھے
بدخواہ کیکئی کے بچن۔ دل میں بان تھے
ہا رام تھا زباں پہ ہونٹوں پہ پران تھے

آنکھوں نے جل اچھلا تھا لیکر لہو کو ساتھ
دیکھا جو دونوں پتروں کو اور کل بدھو کو ساتھ

وشسرتھ یہ بولے شوک سے رفتے ہوئے لہو
ہا دشٹ! آپ سے گھات میں آئی کیکئی تھی تو

بدھ منا پتا کی ایک بھی نکلی نہ آرزو — ہارے رامچندر ہارے لچھمن ہارے کل بدھو

پیتروں کو دیکھ آتما آنند ہوگئی
آشیرباد دے کے زباں بند ہوگئی

بن باس کو سدھارے سیارام اور لچھمن — جس طرح ساتھ ساتھ چلیں جان روح تن
گل رنگ پوشے چھوڑ دیا ہے مگر چمن — سی کر بہار لائی ہے پتوں کا پیراہن

قصدِ سفر کیا شہِ گردوں رکاب نے — ۹
بھیجے ہیں گھوڑے اندر نے رتھ آفتاب نے

مُن بستر پہنے راجسی جامے اُتر گئے — گھونگر والے بال سمٹے جٹائیں بکھر گئے
کاٹی کسیں جو کھینچ کے سینے اُبھر گئے — چودہ برس کے معرکے نظروں میں پھر گئے

سنیاسیوں کی بھیک میں بھی شور بیر ہیں
کاندھوں پہ ہیں کمانیں کمٹھوں میں تیر ہیں

بھومی کو آج کس کے ہے چرنوں کی آرزو — جنگل میں نغمہ سنج ہیں مرغانِ خوش گلو
کانٹوں نے چاک دامنِ صحرا کئے رفو — ۱۰ — صندل کی سارے دشت میں مہکی ہوئی ہے بو

صحرا خوشی کے مارے عجب باغ باغ ہے
بن کی زمیں کا عرش کے اوپر دماغ ہے

رستوں کو آج کس کی ہے آمد کا انتظار — سرمہ ہے بہرِ دیدۂ حق بیں بنا غبار
خطِ شعاعِ مہر ہے جنگل کا سبزہ زار — ہیں سب درخت پہنے ہوئے رختِ میناکار

کندن کا رنگ ذروں کی تنویر ہوگئی
صحرا کی خاک اُڑتے ہی اکسیر ہوگئی

چوٹی گندھی پہاڑوں کی ہونے لگے سنگھار ۔۔۔ مالا سفید پھولوں کی بگلوں کی ہے قطار
بادل کی دھوپ چڑھتی اترتی ہے بار بار ۔۔۔ کوثر کی موجیں مارکے گرتے ہیں آبشار

ہر سنگ رنگ و بو میں گل نو دمیدہ ہے
ٹیلوں پہ زلف کی طرح سبزہ خمیدہ ہے

دریا کو جوش ہے کہ پکھیا چرن کنول ۔۔۔ بھر رکھا ہے حبابوں کے کلسوں میں گنگا جل
موجوں کو اشتیاق میں پڑتی نہیں ہے کل ۔۔۔ ساحل کو دیکھتا ہے تلاطم اچھل اچھل

ہر نثار موتیوں کی اٹھتی اچھال ہے
سورج کا عکس پانی میں سونے کا تھال ہے

رتھ پر ہوئے سوار سیا، رام اور لکھن ۔۔۔ نکہت چمن کی لیکے چلی گود میں چمن
صحرا نہال ہو گیا پھولا ہوا ہے بن ۔۔۔ ہیں ہمرکاب رام، اجودھیا کے مرد و زن

انسان و وحش و طیر کا اک اژدہام ہے
ہمراہی میں درختوں کو قصد خرام ہے

تھے درشنوں کو جمع زن و مرد ہر طرف ۔۔۔ گریاں تھے اہل شہر و دو دیدہ ہی تھی صف
افسوس سے ملے تھا ہر اک اپنے دست و کف ۔۔۔ دسرتھ کا راج پاٹ ہوا ہائے کیا تلف

کل گھر سجے تھے آج وہ برباد ہو گئے
کوچے اودھ کے گوشۂ فریاد ہو گئے

کچھ چل کے آج ساحل دریا پہ ہے قیام ۔۔۔ تمسا ندی پہ پہونچ گیا قافلہ تمام
شب بھر یہیں ہے پھیلا مہاراج کا مقام ۔۔۔ جامہ میں اپنے پھول رہی ہے اودھ کی شام

آرام گاہ بن کے زمیں فیضیاب ہے

بیدار بخت سبزہ ہی جو فرش خواب ہے

ہوتے ہی صبح دور غم ہمرہاں کیا
وعدہ پہ لوٹ آنے سے دل شادماں کیا
شفقت کو مہربانی کو سب پہ عیاں کیا
سمجھا بجھا کے لوگوں کو واپس رواں کیا

آخر سومنت جانبِ بیت الحزن پھرا
رتھ خالی لیکے قافلہ سوئے وطن پھرا

پیچھے کو دور قافلہ جب دم نکل گیا
تیر و دہنش کا کاندھو پہ کماں سنبھل گیا
موتی ملی بھبوت بھی چہرو پہ مل گیا
باقی جو تھا لباس فقیری دل گیا

ترلوکی ناتھ آگے تو پیچھے لچھمن چلے
سیتا کو اپنے بیچ میں لے سوئے بن چلے

اُوجاں بیاں کی ڈھونڈھے سے ملتا نہیں نشاں
ہاں بھگت تلسی داس ہی کچھ کر گئے بیاں
رام اور لچھمن کے ساتھ ہیں سیتا جی یوں رواں
جس طرح برہم و جیو کے مایا ہو درمیاں

شو بھایمان بیچ میں یوں جانکی بنی
جیسے ہو رامانندی تلک میں شری بنی

یا تھی بہم ملی مہ و خورشید کی ضیا
یا بیچ عکس و حسن کے آئینہ صفا
یا رنگ و گل میں جیسے بسے بوئے جانفزا
یا دو لبوں میں جیسے تبسم ہو خوشنما

یوں بیچ جانکی تھیں مہ و خور کے بیچ میں
جیسے ہو پریم بھگت اور ایشور کے بیچ میں

جب رام مثل سرو خراماں ہوئے وہاں
کسب ضیا سے رشک تھا ہر سنگ کہکشاں
تھی ہر قدم پہ ریگ بیاباں کی زرفشاں
ذرّے بنے تھے شیش کی آنکھوں میں پتلیاں

چرنوں سے وہ اُجلی اُڑی گرد راہ میں
بھرتے نہیں ہیں طور کے جلوے نگاہ میں

گنگا کے تٹ پہ آئے دیا سندہ چلکے جب   پھیلائے پائبوسی کو ساحل نے اپنے لب
اور بہر شوق عکس رُخ حسن بوالعجب   دریا کا سطح بن گیا آئینۂ حلب

جل کو چرن کمل سے عجب آبرو ملی
پانی کے بلبلوں کو گُل تر کی بو ملی

سایہ پڑا تو اور بڑھی جل کی آب تاب   تیراک آسماں کا بھنور میں تھا آفتاب
بقعہ بنا تھا نور کا دریا میں ہر حباب   تارِ شعاع مہر تھا موجوں کا اضطراب

سب آبی جانور تھے خوشی کی اُمنگ میں
پانی سے اُچھلی مچھلیاں اپنی ترنگ میں

اشنان کرنے اُترے سیا رام اور لچھمن   بن باس کے اُتارے کنارہ پہ پیرہن
سر پر سے دیوتا یہ پکارے کہ دھنیہ دھن   استت سنا رہے ہیں کھڑے ہو کے برہمن

تھے سبدِ گل لئے ہوئے کشتوال گھاٹ پر
پھولوں کا فرش بچھ گیا گنگا کے پاٹ پر

اشنان کر چکے تو ہوئی ناؤ کی پکار   مثلِ ہلال دور سے کشتی تھی آشکار
بے ناؤ کر رہے ہیں جو پرماتما کو پار   اپنے لئے ہیں آج وہ کشتی کے انتظار

پل مارتے ہی ناؤ کنارے پہ آ لگی
ابرو کی طرح کشتی اشارے پہ آ لگی

کیوٹ نے یہ عرض کی کہ مہاراج ہوں سوار   اُترائی کچھ جو چکا لیجیے بہار

سن رکھا ہو کہ آپ کی ایلا ہیں ہے اپار
چڑھنے سے پہلے ناؤ پہ لوں گا چرن پکھار

بلکیس اور کوئی نہیں ہمرے کام کی
ہے ناتھ بس یہی ہے مجبوری گلّام کی

میں خوب جانتا ہوں جو چرنوں کا ہے سبھاؤ
پتھر کی یہ سلا نہیں ہے کاٹھ کی یہ ناؤ
اس نے بہت اُتار دیے رانی راجہ راؤ
پڑ جو رہے آپ سے نہ کہیں ناؤ کو اُڑاؤ

گوتم کی استری نہیں جو آسمان کو جائے
میری اُڑی جو ناؤ تو جانے کہاں کو جائے

میں نیچ جات کا ہوں اور ہم ادھما گنوار
تم راجا پھر میری سنو گے کہاں پکار
گھر آیا تم کو چھوڑ کے اب جاؤں کس کے دوار
اُدھار رہے ابھی ہیں مجبوری نہ ہو اُدھار

چرن امرت کے پینے میں کا ہے بچار ہے
ہے ناتھ ایک بوند میں سب بیڑا پار ہے

رگھبر نے مسکرا کے بڑھائے چرن کمل
لایا کٹھا وہ بھر کے کٹھوتے میں گنگا جل
جتمان جنم دھو کے چرن کر لئے سپھل
جو گنگا سوور ہے یہ پریم کے انگ کا اک ہے پھل

ہاں دیوتا نے لکھا وہ لے ایک ان ہی
تینوں نے جو چرن کبھی پائے نہ تھیاں ہی

پھیلوں نے جنگلی پھولوں سے منڈھ کے چھائی ناؤ
چھاؤں کی پتیوں سے کٹی او بہت چھائی ناؤ
رنگوں سے مثل قوس قزح بہت بنائی ناؤ
رگھبر چڑھے تو گنگا نے سر پر چڑھائی ناؤ

چلی لگی کناروں سے کشتی جدا ہوئی
چھکے ہلے تو پانی کے اوپر ہوا ہوئی

گنگا کی تہ میں چھلکے تھی کشتی کی آب و تاب — نو چھاور ہو رہے تھے اچھل کر وُر خوش آب
اس وار سے وہ پار سبک وگئی شتاب — ٹوٹی نہ ایک موج نہ پھوٹا کوئی حباب

پرواہ تھی بھنور کی نہ پرواہ جھال کی
رفتار ناؤ کی تھی روانی خیال کی

اے بھگتو! آؤ ناؤ کی جھانکی کا ہو بیان — لہرا رہے ہیں سر پہ چھور بن کے باد باون
بیچ میں ہیں راجچندر سیا ہیں براجمان — پیچھے لکھن کھڑے ہیں لئے تیر اور کمان

کشتی کا ڈگمگانا ہے معمول سے بھی کم
پر بھاؤ کا ہے بوجھ مگر پھول سے بھی کم

اترے جو رام ناؤ سے جیکارہ گونج اٹھا — جے رام چندر آپ کی جے جے لکھن سیا
گنگا میں تیری پھرتی تھی جیکارہ کی صدا — آواز بازگشت کا دریا میں شور تھا

جھال بجا رہے تھے بھنور موج آب سے
آتی تھی سنکھ دھن کی صدا ہر حباب سے

لے جانکی لکھن کو کنارہ پہ ٹھیرے رام — بولیں سیا کہ ہے سری گنگے پوتر دھام
سنسار پار کرنا ہے بھاگیرتھی کا کام — سب پاپ کشٹ دور ہوں کو میٹے تمہارا نام

تر دھن ہے کون؟ جسنے لیا دوار آپ کا
بھرپور موتیوں سے ہے بھنڈار آپ کا

کرتار تم سے ہوتے ہیں ساد ہو منی جتی — اک بوند منہ میں پڑتے ہی انت میں گتی
اب ہاتھ جوڑ جوڑ کے بنتی سے بھگوتی — آئیں خوشی کشل سے اودھ میں اودھ پتی

پھر دیکھوں مائی لوٹ کے پرواہ آپ کا

پرساد بانٹوں مان کے اُونساہ آپ کا

اترائی دی نکھاد کو انگشتری اُتار
سرکار میں بھی تو بھی ہوتا ہے کاروبار

بولا وہ گر کے رام کے چرنوں پہ بار بار
کرتے ہیں بھگتوں کو بھوساگر سے آپ پار

مندری جو ناتھ آپ مجوری میں دیت ہیں
ملاحوں سے بھلا کہیں ملاحی لیت ہیں

منجدھار میں پڑی ہے دیا سندھو میری ناؤ
راجا کا اور گریب کا تم ہی کرو نیاؤ

ہیں کیا مجوری آپ کو دیکھتا ہوں بتاؤ
میں نے اُتارا پار مجھے پار تم لگاؤ

ہیں دھنیہ بھاگ چرنوں کی جو دھور مل گئی
میری مجوری تو مجھے بھرپور مل گئی

ہوں آپ کا غلام مہا دین اور داس
پروار سارا آپ کے جانے سے ہی اُداس

بکسیس ہے کوئی نہ مجوری ہی میرے پاس
ہے ناتھ! لوٹنے کی لگائے ہوا ہوں آس

سارا کٹمب چرنوں سے اودھار ہو گیا
میرا تو بیڑا آج ہی سے پار ہو گیا

بھگونت کے چت میں ہے سدا وہ ابراجمان
ملتے ہیں پریم ہی سے تو بیراگ جوگ گیان

بیندھ ہتا نہیں کروڑ سما وہی میں چیکا وبیان
رخصت کیا نکھاد کو بھگتی کا دے کے دان

شرپر سے دیوتاؤں نے وہی دھنیا دوہن
ہو دھنیہ دھنیہ دھنیہ تجھے ہے نکھاد دہن

رگھبیر لکھن سیا نے جو گنگا کا چھوڑا تٹ
پہونچے جو چلتے چلتے کسی گرام کے نکٹ

بستی رہائی سیس پہ باندھے جٹا مکٹ
بیدیہی کی طرف کو چلیں ناریاں جھپٹ

بیاکل گرام باسنی سب پریم ہت ہوئیں
درشن مکھار بند کے کر کر جگت ہوئیں

پوچھا جنک دلاری سے یاں کیسے آئی ہو؟ — جنگل میں کیسے پھرتی ہو؟ کس کی ستائی ہو
کس باپ کی ہو بیٹی؟ کس ماں کی جائی ہو — کس کی بہو ہو؟ چھانوں سے اپنے لجائی ہو

راجا کا جسم پائے کے جوگی بنے ہیں کون؟
ہیں پھر اتیرے ساتھ یہ دونوں جنے ہیں کون؟

بولیں سری سیا نہ کسی کی ستائی ہوں — بن میں بچھڑنے سوامی کی سیوا میں آئی ہوں
بیٹی جنک کی پرتھوی ماتا کی جائی ہوں — جنگی بہو ہوں چرنوں میں انکے سمائی ہوں

دیور لکھن کو رشتے میں بتلا کے رہ گئیں
رگھبر کا نام پوچھا تو مسکا کے رہ گئیں

آگے بڑھے یہاں سے بھی رگھوکل کے چندرماں — ہر گرمان کرتا چلتا تھا قدموں کی آسماں
یہ سا کشات حسن تجلی سے ملے کہاں — ایک بھیڑ درشنوں کی تھی رستوں کے درمیاں

تل بھر جگہ نہ پائی کہیں گرد راہ نے
چرنوں کو ڈھک لیا تھا ہجوم نگاہ نے

پھر ایک چتر کوٹ میں کرتے ہوئے قیام — دیکھ کر کھڑاؤں بھرت کو دلسے سدھارے رام
جنگل میں ایک بھیلنی سیوری کا تھا مقام — جو رٹ رہی تھی جنموں سے رگھبر کا پریہ نام

بھگتی سے یاں ملائے بیراگ جوگ کو
سیوری کے جھوٹے بیر پسند آئے بھوگ کو

جب سے سنی تھی سیوری نے نارد سے یہ خبر — آئیں گے رامچندر بن و باس میں ادھر

جنگل کی گھاس پھوس سے سجتا تھا روز گھر
ہر وقت صاف کرتی تھی رستہ ادھر ادھر
پھینکتی تھی دور راہ سے کانٹے اکھاڑ کے
آنکھوں کا فرش کرتی تھی پلکوں سے جھاڑ کے

آہٹ پہ چونک چونک کے رستہ پہ آتی تھی
ہر روز جھاڑیوں سے نئے بیر لاتی تھی
پھولی نہیں بدن میں خوشی سے سماتی تھی
چکھ چکھ کے میٹھے میٹھے الگ دھرتی جاتی تھی
اس جھونپڑی میں آنکھوں کے پردے پڑے ہوئے تھے
ظرف اور دن تھے کہ پتوں کے دونے تھے

بن میں بچھڑتے پھرتے یہاں رامچندر آئے
بیگانگی ہے دور جو نقش قدم مٹائے
سیوری کے پھر آپہنچے سنس رچی سے کھائے
بھگت انہیں گر سمائے تو وہ بھگت ہیں بھائے
یہاں بید جات پات کا ناری نر کا ہے
ہر کو جو پریم کرے تیجے سو ہی ہر کا ہے

سیوری سے ہو کے رام لکھن اور سیا بدا
جنگل تھا سبزہ زار تھا میدان پر فضا
نوبتک بن ایک نام کا دلکش مقام تھا
پانی کے چشمے دیکھ ا پسند آ گئی ہوا
مطلب کا پا کے ہر طرح سے اس مقام کو
پتوں سے چھائی چھپ بنی اچھی قیام کو

پنج اشرم میں چار برس یہاں رہا قیام
اک دن بچار کرنے لگے اپنے دل میں رام
چھ ماہ تیرہ سال او وہ سکے ہوئے تمام
جس کام کو ہم آئے تھے باقی ابھی ہے کام
وعدے سے ہو گئے دیوتا سب انتظار میں
کتنے برس گذر گئے سیر و شکار میں

اتنے میں ایک آہوئے زریں پڑا نظر — خوش رنگ و بے جسم طلا کار سر بسر
مرجاں کی شاخیں سینگ تھے گو صورتِ گہر — آنکھیں طلسم زاتھیں چھلاوہ تھا فتنہ گر

چھلکے تھے سبز دوب کے منہ میں غزال کے
دنبالے جیسے چشم بت خوش جمال کے

دلکش مثال حلقۂ گیسو خمیدہ دُم — دل ہائے پر زگاف کی مانند چاروں سُم
گردن میں گھونگرو تھے کمر تھی شکم میں گم — رفتار کی صدا تھی چھما چھوم چھوم چھُم

جسم جواہریں پہ کھلے سبز داغ تھے
نیلم کی تختی پشت تھی الماس داغ تھے

جنگل میں سامنے سے گذر کر نکل چلا — کرتا ہوا کلول ابھر کر نکل چلا
موج ہوا سے بگڑا سنور کر نکل چلا — چونکا ذرا تو چوکڑی بھر کر نکل چلا

دیکھا شری سیا نے تو کچھ جی لبھا گیا
آہو کا مرگ نینی کو انداز بھا گیا

رگھبر سے بولیں دیکھیے آیا ہے کیا ہرن — کیا رنگ مینا کار ہے؟ کیا خوشنما بدن
سوسن کے پھول کا کوئی غنچہ ہے یا دہن — سایہ سے بھاگتا ہے یہ شوخی کا ہے چلن

ہے ناتھ! لاؤ گر یہ غزال ختن ملے
کیا اچھی مرگ چھالا ہو جو یہ ہرن ملے

رگھورائے سن کے اتنی اٹھے مسکرا کے چلے — تیر و کمان کو دوش کے اوپر سجا چلے
سب اچھو نکے بید کیٹ چھل بتا چلے — بھائی لکھن کو بہر حفاظت بٹھا چلے

مایا رچی ہوئی تھی کہاں کا شکار تھا

سب جانتے تھے آپ جو کچھ ہونہار تھا

قصد شکار آہوئے شوخ و شریر ہے
دلدوز ہے خدنگ مگر دلپذیر ہے
انداز شست آپ ہی اپنی نظیر ہے
ایک ہاتھ میں کمان ہے چٹکی میں تیر ہے

ہلکا سا ہے پسینہ رخ تابدار پر
آنکھیں لڑی ہوئی ہیں ہرن کے شکار پر

ایک ہاتھ پاس کان کے اور اک کمان پر
ترچھا تنا و جسم کا کیا آن بان پر
اک سیدھا اور ایک چرن کچھ اٹھان پر
برہمانڈ لوٹ ہو گئے اس چھب کی شان پر

آنکھوں میں ہے زبان نہ آنکھیں زبان میں
بے بھگت ایسی چھب کہیں آتی ہے دھیان میں

ناوک کی اک صدا اٹھی جوبن سے نکل پڑی
اک جلتی شمع تھی جو لگن سے نکل پڑی
آنکھوں سے پتلی اور روح بدن سے نکل پڑی
گھبرا گیا زبان دہن سے نکل پڑی

اک دینے موکش اور دوسرا لینے کو جاں گرا
تیر نظر کے ساتھ ہی ادھر کماں گرا

چوکنا ایستادہ تھا آہو رواں کبھی
پھرتی سے مثل برق جہندہ تپاں کبھی
پنہاں کبھی نظر سے نظر میں عیاں کبھی
تڑپا زمیں پہ اچھلا سوئے آسماں کبھی

کھاتے ہی تیر اور شتو تکو مہرہ پھر گیا
بھائی لکھن چلو یہ صدا دے کے گر گیا

آواز سن کے جانکی بیاکل ہوئیں ادھر
تم کو پکارتے ہیں کوئی بات ہے مگر
بولیں لکھن سے دیکھیو ہے بات لو خبر
آواز ادھر سے آئی ہے سوامی گئے جدھر

سنکٹ کوئی ضرور ہی ا جو پیچ و تاب ہے
آواز میں یہ درد سا ا کچھ اضطراب ہے

بولے لکھن ا سیا سے یہ چرنوں میں دھر کے سر ۔ اک سہل سا شکار تھا ا ماتا نہیں خطر
ہیں رامچندر مالک . کو تین بحر و بر ۔ سب کی خبر جو لیتے ہیں ا کون ان کی لے خبر

دکھ ان کو نام ماتر بھی ا ل سکتا ہی نہیں
بے حکم حق کے پتا تو ہل سکتا ہی نہیں

مانا شری سیا نے لکھن کا نہ اک بچن ۔ طعنہ بھرے جواب دئے کیا ہی دل شکن
اک دم کلیجہ بجھ گیا کانپا اُٹھا بدن ۔ پڑتا تھا ا ور رو کے جو سمجھاتے تھے لکھن

رقت کے جوش رنج و الم سے اُبل پڑے
جل ما تر نیر ہو گئے آنسو نکل پڑے

آخر لکھن اُٹھے ہی دھنش بان کو سنوار ۔ حلقہ شری سیا کا کیا کھینچ کر حصار
پا ہر چرن نذر کہا ا یہ سمجھا کے بار بار ۔ انگڑائی لیکے شیر بڑھا جانب شکار

پڑتا کہیں بھی فرق ہی ا یہ ہونا کی بات ہیں
راون لگا ہوا تھا یہاں اپنی گھات میں

جانا پڑا لکھن کو کٹی چھوڑ کر ضرور ۔ سیتا کی تاک میں تھا وہ ا دشکندھر غرور
پھر برہمن کا روپ گیا سیتا کے حضور ۔ ہو مائی بھکشا دیجیو ا آیا ہوں چل کے دور

داتا سمجھ کے گھر سے چلا ا نام سن تیرا
بھوکا برہمن ہوں ا بڑا ہوگا پن تیرا

وہ کند مول پھل جو لگیں دینے دل پذیر ۔ بولا شری سیا سے بھکاری سیہ ضمیر

دینی اگر ہے بھیک تو دو چھوڑ کر لکیر
بھکشا نہ دی ہوئی! انہیں لیتے کبھی فقیر

باہر جو کنڈلی سے چلیں وہ ہو کا کھا گئیں
راون کے چھل میں ہائے مہارانی آگئیں

پھرتی سے رکھ کے دشٹ پہ بیٹھیں کیا سوار
بیدیہی بیاکل ہو کے لگیں کرنے ہاہاکار
آکاش کی طرف کو اڑا صورت غبار
ہا! رام چندر! ہائے لکھن کی پڑی پکار

تھر تھر تھا ڈر سے سارا بدن! ہائے ہائے ہا
جگدیش! ہائے ہائے! لکھن! ہائے ہائے ہا

اے پراوہ ہائے ناتھ الکھو! مجھ سے کیا بنا ؟
کیا ناتھ! پران پیاری کوئی اور تھی سیا ؟
کیسے کٹھور ہو گئے؟ کیوں چھوڑ دی چھما ؟
کیوں میرے گھور کشٹ پہ آتی نہیں دیا ؟

کرپالو ہو۔ دیالو ہو رکشک ہو! ناتھ تم
ایسی بپت میں چھوڑ دو ہو کیوں میرا ہاتھ تم

للچایا مرگ چھالے پہ کاہیکو دشٹ من ؟
ہا! ہا! دوہ تھی! مجھے کرنا تھا کیا ہرن ؟
ہا! ودت بندہ! ہائے دیا سندہ ہا لکھن
کیوں لکشمن نہ مانے تمہارے کہے بچن ؟

پھل پایا! ویسا ہی نہ کہا مانا جس طرح
ہا لکشمن! تمہارا کہوں دوش کس طرح

گر گر کے رتھ میں کرتی ہیں کیا جانکی بلاپ
اک چھن میں تم تو بیٹھے ہو جنم بھر کے پاپ
سو گئے سوامی! میرے لئے اب کہاں ہیں آپ
بھاری ہے دکھ تمہر کو میرا انکو کشٹ تاپ

پیت دھرم ہی لگا ہوا یہاں! ساتھ جان کی
جیتی ہوئی نہ پاؤ گے اب ناتھ جانکی

ہو ساس جس کی ماتا کوشلیا شریمتی
دیور لچھمن سا جسکا وبھیشن وہاری اور جتی
جسکے پتا ہا جنک سے ہوں اور آپ سے پتی
ہو دین بندھو اد یکھ تو لو اس کی در گتی

ایرادہ کیا جو چھوڑ دیا میرا ناتھ ناتھ
ہا ناتھ ہائے ناتھ امیرے پران ناتھ ناتھ

آنکھوں میں اب تو ہو گیا برہما نڈ بھر سیاہ
راون کے ڈر سے اونچو کو اٹھتی نہیں نگاہ
اس شوک کے سمندر کی جانے کہاں ہی تھاہ
رگھپت تراہ تراہ ہے سوامی تراہ تراہ

بھگتوں نے جسکے دھیان ہی سے موکش پائی ہے
ان ہی چرن کمل کی دوہائی دوہائی ہے

یہاں تک کہا یہ سن کے کسی کو رہی نہ کل
لوکش سے بولے ایس کہ دمبدم ہو گئے بیہل
اب اس بلاپ سننے کو سامرتھ ہے نہ بل
بیاکل تھے رامچندر گرا نیر دل سے جل

پھر راگنی کے روپ سے شرنگار اٹھ گیا
رگھبر اُٹھے جو شوک میں دربار اٹھ گیا

شرم گناہ کب تلک اے شعلہ منہ او گھاڑ
نرشٹ میرے کرموں نے مجھکو لیا پچھاڑ
چرنوں نے چھو کے سنگ اہلیا دیا اوکھاڑ
وہ شراپ کی سلاکھ اہی پاؤں کا ہوں پہاڑ

سر پر سفر ہے بچنے کو کوس رحیل ہے
ہے ناتھ امیرے واسطے کیوں اتنی ڈھیل ہے

بیراگ ہی نہ جوگ نہ بھگتی ہے اور نہ گیان
پوجا نہ کوئی پاٹ نہ کوئی نہ کوئی دھیان
سب عمر پیٹ بھرتے میں کھوئی پشو سمان
پر ایہ بھروسہ ہے کہ تمہیں ہو دیا کی بان
لو پیٹ باندھ کا کی ہو دھاے سر دیں
نکلیں پہ پران آئے ہوے چرنوں کی گرد میں

کلیات شعلہ

حصہ دوم

مصنفہ منشی بنواری لال شعلہ

جسمیں

دیوان موسوم بہ ارمغان شعلہ (صفحہ ۱-۱۲۱) مرقع ناز یعنی سراپا (صفحہ ۱۲۱-۱۲۷)

دو نوحہ جات (صفحہ ۱۲۸-۱۳۸) نوحہ قیصرہ ہند (صفحہ ۱۳۹-۱۴۱) قصیدہ

کلاک ٹاور (صفحہ ۱۴۲-۱۴۷) نظم دربار کپورتھلہ (صفحہ ۱۴۸-۱۵۱) و دیگر

تواریخ (صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲)

شامل ہیں

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیں جبہ سا ہوں اُس درِ عالی مقام کا — کعبہ جہاں جواب نہ پائے سلام کا
سکہ رواں ہے کس بتِ محشر خرام کا — نقشِ قدم نگیں ہے قیامت کے نام کا
کیا پاس غیر قصد ہے گر قتلِ عام کا — ایک مُردہ دور رکھ دو مسیحا کے نام کا
اے رہروانِ منزلِ مقصود مرحبا — چمکا کلس وہ روضۂ دار السلام کا
خنجر سنبھالئے پئے تسلیم خم ہیں ہم — گردن جواب بنکے اُٹھے گی سلام کا
یہاں اور آرزو ہے وہاں اور آرزو — واں میرے کام کا ہی نہیں دل کے کام کا
کیا انتخاب کیجے مضمون نقص ماہ — گردوں ہے حاشیہ ورقِ ناتمام کا
خاکِ لحد سے گور میں میلا کفن نہیں — صبحِ وطن میں رنگ ہی غربت کی شام کا
وہ اور کسی سے وصل کے وعدہ کی پختگی — اے دل بُرا ہو تیرے خیالاتِ خام کا
پہونچے لحد سے سوئے فلک نالہائے دل — زینہ زمیں کی تہہ میں ہے گردوں کے بام کا

وہاں شکوہ عدو سے کدورت میرے سبب
اور میں نہیں ہوں خاک میں ملنے کے کام کا

مجھ سے ہوا ہے وعدۂ روز جزا ابھی
دیتے ہو کیا جواب عدو کے پیام کا

غش کیسا میں تو طرز تکلم پہ مر گیا
موسیٰ نے کچھ بھی لطف نہ پایا کلام کا

او اہل سوگ کشتۂ زلف دراز ہوں
روؤ گے کب تلک مجھے مُردہ ہوں شام کا

اے شعلہ کہدو بلبل خلد بریں سے اب
گلدستہ باندھ لے میرے رنگیں کلام کا

یہ کب ہے دفتر عشاق میں ہے نام میرا
لکھا تھا کلک ازل نے تجھے سلام میرا

زباں پہ رشک سے کب آسکے گا نام میرا
کہیں گے حضرت موسیٰ بھلا سلام میرا

امید وصل خطا پختگی وعدہ غلط
طلب محال میری اور خیال خام میرا

یہاں ہے نیم نگہ کا بھی شکر یہ لب پر
نمک حرام نہیں زخم ناتمام میرا

خیال روئے منور ہے مطلع خورشید
فلک سے کرتا ہے باتیں چراغ شام میرا

عتاب باعث ناکامی تمنا تھا
نگاہ لطف مگر کر رہی ہے کام میرا

الٰہی ہو مری ہستی کا عشق سے آغاز
قدوم ختم رسل پر ہوا اختتام میرا

خدا کے واسطے اٹھو کہاں تلک غفلت
مسیح کرتے ہیں کچھ اور اہتمام میرا

مئے الست سے لبریز ساغر دل ہے
گھٹے بڑھے نہ سرور علی الدوام میرا

الٰہی خیر کہ ہے قتل بے گناہ کا ڈر
چلی ہے لیکے تمنا میری پیام میرا

فلک سمجھتا ہے کچھ کھیل نالۂ دل کا
لگے نہ آگ تو شعلہ نہیں ہے نام میرا

شیوہ ہے لطف عام تیری پاک ذات کا
میں کیوں رہین ہوں نگہ التفات کا

پھیکا نہ کیوں ہو ذائقہ آبِ حیات کا
ساقی کے پاس عطر ہے قند و نبات کا

بے بات وہ اُلجھتے ہیں وحشت کے ذکر سے
یاں تار بندھ گیا ہے گریباں کی بات کا

فرصت شگفتگی کی نہ پائی کہ مٹ گیا
غنچہ تھا میں بھی کس چمنِ بے ثبات کا

بختِ سیہ نے کام دیا کیا شبِ وصال
ان کو میری سحر پہ بھی دھوکہ ہے رات کا

ہونے دو کشتگانِ لبِ شکریں کو دفن
مٹی مزا چکھائے گی قند و نبات کا

بھر بھر کے رنگ پیکرِ تصویر میں تیرے
منہ چومتا تھا خامۂ قدرت دوات کا

نکلے گی روح توڑ کے ایک ایک بند کو
ثابت کہیں اُترتا ہے جامہ حیات کا

میں اور مان لوں تیرے جلوہ کی تاب کو
شعلہ اور اعتبار ہو موسیٰ کی بات کا

اے جنوں ہے گلشنِ ایجاد ویرانہ میرا
کس کا دیوانہ ہوں اک عالم ہے دیوانہ میرا

باعثِ آرائشِ گیتی ہے ویرانہ میرا
تل مگر روئے زمیں کا ہے سیہ خانہ میرا

ہوں میں غشِ روزِ ازل سے جلوۂ دیدار پر
طور کی تقریر بھی گویا اک افسانہ میرا

بات چھیڑی ہے تو کہنے دیجیے افسونِ زلف
نیند اڑتی ہے تو سن لیجے کچھ افسانہ میرا

اے نشاءِ حرصِ رفعت خوب ہی چکر دیے
آسماں کے ساتھ گردش میں ہے پیمانہ میرا

میں وہ کشتِ نامرادی ہوں زمانہ میں کہ ہے
برق خرمن سوز کا مشتاق ہر دانہ میرا

ہے سرورِ بادۂ الفت بہارِ بہشتی
بیخودی دو جہاں ہے دورِ پیمانہ میرا

سب ہیں جیسے جی کے دنیا میں تعلق بے خبر
کون ہے تیرا یگانہ کون بیگانہ میرا

ہے سرورِ بادۂ رنگیں سخن سازی میری
موجِ بحرِ مے ہے **شعلہ** شعرِ مستانہ میرا

اُڑ چلو گے جو ہوئے چہرہ پہ گیسو پیدا
طائرِ حسن کرے گا پر و بازو پیدا

لاکھ دل چیر کے یک لخت جگر آتا ہے
آنکھیں سو پھوڑ کے ایک ہوتا ہے آنسو پیدا

اشک آلودہ ہیں کیا کیا میری مژگان دراز
دیدہ تر نے کئے سروِ لب جو پیدا

پہر قرآں تو بنایا تھا خلافِ قرآں
مصحفِ رُخ پہ خدا نے کئے گیسو پیدا

نہ یہ شوخی نہ یہ وحشت نہ یہ غمزہ نہ یہ ناز
کیا غزالانِ حرم کرتے تیری خو پیدا

لاکھ فتنوں سے بنایا ہے سراپا تیرا
سو قیامت سے کیا ہے قدِ دلجو پیدا

دھکدھکی دیکھیے کس کس کا گلا گھونٹیگی
داغ کیا کیا نہ کرے گا تیرا جگنو پیدا

میرے وہ ہاتھ چھوا کدن نہ گئے پانوں تلک
میرا وہ سر ہے کہ جس کو نہیں زانو پیدا

اب لیا چاہتا ہے اشک تیری چہرہ سے رنگ
اب کیا چاہتا ہے داغ تیری بو پیدا

درد سا ملتا ہے کب مونسِ جانِ غمناک
ضعف سا ہوتا ہے کب قوتِ بازو پیدا

بے مروت ہیں زمانہ کے حسیں اے شعلہ
دل لگی کا نہیں ہوتا کوئی پہلو پیدا

دل گلو بستہ بلا نکلا
کھول زلفیں کہ دم مرا نکلا

تم بھلے غیر بھی بھلا نکلا
بندگی بندہ گر بُرا نکلا

کہیں بے وجہ بھی پریشانی
زلف سے دل کا سلسلہ نکلا

دل و جاں و جگر قرار و شکیب
ایک بھی تو نہ کام کا نکلا

رشک دشمن تو کوئی بات نہیں
خیر بندہ ہی بے وفا نکلا

ناتوانی میں سخت جانی ہائے
ضعف بھی طاقت آزما نکلا

تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح
مٹ گیا میں جو کوئی آ نکلا

یہاں کیسے ہو دماغ نکہت گل
دم ہمسر جنبش صبا نکلا

آخر آئے مری عیادت کو
درد دل خوب جانفزا نکلا

زخم دل پر ذرا نمک چھڑکو
پھر بھر آیا تو کیا مزا نکلا

بت پرستی کوئی گناہ نہیں
میں اگر بندۂ خدا نکلا

مر گئے ابتدائے عشق میں ہم
آسماں کا نہ حوصلا نکلا

کیا کروں اس کا کچھ علاج نہیں
غیر بھی درد آشنا نکلا

شعلہ پہلو میں کچھ تو بھڑکا ہے
دل بیتاب کیوں خفا نکلا

دل کی بساط کیا تھی جو صرف فغاں رہا
گھر میں ذرا سی آگ کا کتنا دھواں رہا

قالب غبار سرعت عمر رواں رہا
صحرا کی گرد میں رم آہو نہاں رہا

شب بھر خیال گیسوئے عنبر فشاں رہا
مہکا ہوا شمیم سے سارا مکاں رہا

کیا کیا نہ کاوشوں پہ مرے آسماں رہا
بجلی گرائی مجھ پہ نہ جب آشیاں رہا

ہیں وہ ہی شوخیاں کف نقاش میں ابھی
تصویر کے بھی پردہ میں دامن کشاں رہا

گویا پئے جواب وہاں مہر لگ گئی
میں مانگتا ہی بوسۂ خال دہاں رہا

محشر بھی کوئی درد ہے جو اٹھ کے رہ گیا
شکوہ بھی کوئی غم ہے جو دل میں نہاں رہا

لپٹے سہی مگر مجھے چھونے نہ دی کمر
اک بال بھر کا فرق عجب درمیاں رہا

مجنوں سے کہہ کے بڑھ گیا لیلیٰ کا ساربان
اے نامراد تو ہی پس کارواں رہا

ان کے جوان ہونے میں تھی سال بھر کی دیر
یوسف کا بھاؤ ایک برس بھی گراں رہا

وہ حرف ہوں کبھی جو مکرر نہ ہو سکا
وہ لفظ ہوں جو معنی میں اپنے نہاں رہا

ہجراں سے زرد خون جگر سے ہوں سرخرو
ہر رنگ میں ہیں رنگ بہار و خزاں رہا

خورشید آسماں پہ گیا تو زمیں پہ سب
میزان حسن میں تیرا پلہ گراں رہا

کیا گرمیٔ محبت اعدا کے ہوں گلے
وہ سرو مہر کون سے دن مہرباں رہا

مقتل میں آج ڈوب گئے سیکڑوں کے سر
اونچا ایک ہاتھ تیغ کا پانی رواں رہا

تھا شمع رو عدو کا مگر انجمن فروز
شب بھر ہمارے سینہ میں گھٹتا دھواں رہا

وہ چلتے پھرتے آئے میری خاک گور پر
تربت پہ اپنے سایۂ سرو رواں رہا

دم لب پہ جان آنکھوں میں مژگاں پہ دل گیا
یہاں لٹنے بسنے والوں میں خالی مکاں رہا

جینے میں کیا مزہ جو نہیں موت کا یقیں
مرنے میں لطف کیا ہے جو وہ بدگماں رہا

حسرت سے پاس پاس سی حسرت لپٹ گئی
ماتم نئی طرح کا سر کشتگاں رہا

لینے دیا نہ ایک بھی دم چین گور میں
میرے لئے زمیں کے تلے آسماں رہا

خورشید کی مثال ہیں آئینہ دار حسن
ایک ایک ذرہ میں جلوہ ترا عیاں رہا

ہوگی ہماری کیا در جنت پہ روک ٹوک
گر تیرے آستاں کا جبیں پر نشاں رہا

فرصت ملی نہ رونے سے مرنے کے بعد بھی
آنکھوں کے بند ہونے پہ دریا رواں رہا

عنقا کی طرح گم ہو جو شہرت پسند ہے
پایا اسی نے نام کہ جو بے نشاں رہا

خنداں تھا لب پہ گریۂ تولید کی عوض
مرنے کی کیا خوشی تھی جو میں شادماں رہا

کثرت حجاب دیدۂ عارف کبھی نہیں
ذروں میں ایک مہر کا جلوہ عیاں رہا

بیمار ہجر موت سے اٹھ کر لپٹ گیا
وعدہ پہ آیا جب کوئی تیرا گماں رہا

میں آپ ہو رہا تھا تمہارا حجاب وصل
تھا پردہ وہ حیات کہ جو درمیاں رہا

دل بھی گیا جگر بھی گیا جان بھی گئی
میں پھر بھی دیکھتا ہی تری شوخیاں رہا

قاصد نہ آیا لوٹ کے یہاں وقت نزع ہے
یارب کہاں پیمبرِ آخر زماں رہا

میں وہ گناہگار ہوں پہونچا جو حشر میں
رحمت لپٹ کے کہنے لگی تو کہاں رہا

نالہ نکل نہ جائے کہیں چاک سینہ سے
ضبطِ فغاں اگر یوہیں مُہرِ دہاں رہا

اے شعلہ کیا طبیعتِ نازک پہ دردِ دل
قدرِ سخن رہی نہ کوئی قدرداں رہا

دل تو کہتا ہے نہ گھبرائے گا
زلف کہتی ہے ہوا کھائے گا

غیر اور دید طلب مثلِ کلیم
کہیں باتوں میں نہ آجائے گا

چھو کے وہ مصحفِ رخ حضرتِ دل
کوئی صلواۃ نہ سنوائے گا

بے وفا غیر تمہیں کہتا ہے
مجھے ناصح سے نہ لڑوائے گا

کیوں پریشاں ہو خمِ گیسو پہ
دل جو اُلجھے تو نہ سلجھائے گا

بختِ خفتہ کی تو آنکھیں کھلجائیں
خواب ہی میں نظر آجائے گا

وارِ خنجر کا نہ اوچھا رہ جائے
اے دمِ قتل نہ گھبرائے گا

ہو چکا غیر سے تو وعدۂ وصل
کچھ میرے حق میں تو فرمائے گا

میں اُٹھا کر تمہیں دل میں رکھ لوں
گھر سے باہر کہیں ملجائے گا

حیرتِ حسن سے بگڑی صورت
مجھے آئینہ نہ دکھلائے گا

جھوٹی بندش مجھے سب ہے معلوم
بات ناحق کو نہ کھلوائے گا

شعلہ کچھ بات بھی ہے طعنۂ غیر
یوہیں مرنا ہے تو مر جائے گا

ایلے کیا جوشِ جنوں بے سر و ساماں آیا
چاک سینہ میری نظروں میں گریباں آیا

ایک جلوہ ہی پہ ہے گبر و مسلماں آیا
آئینہ خانہ میں جو آیا سو حیراں آیا

پا نو رستہ پہ لگے جبکہ بیاباں آیا
ہاتھ کام آئے جو ہاتھوں میں گریباں آیا

جامۂ وحشت کا جو مجنوں نے کیا زیبِ گلو
میرا اُترا ہوا کیا ٹھیک گریباں آیا

چونک اُٹھے تیرے خوابیدہ جو سوتے سوتے
حشر آیا کہ کوئی خواب پریشاں آیا

آبلہ پائی ہوئی جوشِ جنوں کی رہبر
خلشِ خار سے جانا کہ بیاباں آیا

آنکھ کھلنے نہیں پائی تھی کہ آئے آنسو
اشک قطرہ نہ بنا تھا کہ جو طوفاں آیا

دل کا جانا کوئی آنا تھا کہ جا کر آئے
جس کا دشوار تھا جانا وہی آساں آیا

وسعتِ جوشِ جنوں بعد فنا بھی ہے وہی
پھر سمٹ کر مرے ذرہ میں بیاباں آیا

پردۂ حسن بھی ہے جلوۂ عالم افروز
تجھے جانا جو نظر سے کوئی پنہاں آیا

جوشِ وحشت نے ازل ہی سے اُڑائے ٹکڑے
صورتِ غنچہ میں سو جامہ میں عریاں آیا

ہائے کیوں دیدۂ رحمت کی گنہگاروں پر
کس کے ہاتھوں میں تیرا گوشۂ داماں آیا

شعلہ گذری جو شبِ ہجر کسی نے نہ کہا
کوئی بھی تو نہ میرے حال کا پرساں آیا

شہر میں حضرتِ دل چاک گریباں کیسا
ہوش میں آؤ بھلا گھر میں بیاباں کیسا

کھل گئے زخم خیالِ لبِ خنداں کیسا
اور بڑھ جائے اگر درد تو درماں کیسا

قطع جامہ ہوا دامن کے قریں چاک سلے
دیکھئے رہتا ہے انداز گریباں کیسا

دل جگر سے ہی الگ اور جگر جاں سے الگ
آج ایک مجمع کا مجمع ہی پریشاں کیسا

خاکِ عاشق ہے کہ اُٹھ اُٹھ کے قدم لیتی ہے
اور وہ جاتا ہے اُٹھائے ہوئے داماں کیسا

میکشوں کا ہے خدا حافظ و ناصر ہر دم
کشتیٔ مے کے لئے نوح کا طوفاں کیسا

دل میں کچھ عشق صنم تل کے برابر ہی بھی
کفر اتنا بھی نہ ہو جس میں مسلماں کیسا

مژدہ اے دستِ جنوں جامہ ابھی باقی ہی
چاک دامن سے نکل آیا گریباں کیسا

ہوچکا حشر قیامت کا زمانہ گذرا
تھا الٰہی بتِ بدعہد کا پیماں کیسا

شعلہ پیری میں کسی زلف کا سودا کیا خوب
صبح کے وقت ہے یہ خواب پریشاں کیسا

کون ہے وہ جو اٹھا دیتا ہی پردا تیرا
تیری آنکھیں ہی کیا کرتی ہیں شکوا تیرا

میں وہ حیران ہوں نظر میں ہی تماشا تیرا
صورتِ آئینہ ہوں دیکھنے والا تیرا

بیوفا نقش ہیں جی پر ترے سارے انداز
بیمروت میری نظروں میں ہی شیوا تیرا

یہاں تو اک دل ہی وہاں قیمت بوسہ دل
عاقبت میں بھی رہا جاتا ہے دینا تیرا

لب تو آمادۂ تقریر نہیں تھے لیکن
کر دیا حال میرے صبر نے افشا تیرا

رشک ہی مانع نظارہ وگرنہ اک دن
آئینہ میں تجھے دکھلا دوں تماشا تیرا

شور آشفتگی و زور پریشانی ہے
چھو لیا کس نے سرِ زلف چلیپا تیرا

نہیں موسیٰ ہی پہ موقوف تجلی تیری
اور بھی تو ہی کوئی دیکھنے والا تیرا

دیکھ ہم صحبتی غیر سے اک دم میں ہوا
روز پہروں کی ملاقات کا چرچا تیرا

شعلہ کچھ آج نئی بات نہیں شکوۂ دل
ہم تو ہر روز یہی سنتے ہیں جھگڑا تیرا

تم بچ کے چلو یاں سے کہ مدفن ہی ہمارا
ہم پھر نہ سنیں گے کہ یہ دامن ہی ہمارا

ہر برگ خزاندیدہ بنا ہی کفِ حسرت
گلشن میں نئے رنگ سے شیون ہی ہمارا

وحشت نے کیا دفن عجب دشتِ جنوں میں
ہر ذرہ چراغِ سرِ مدفن ہے ہمارا

للہ تامّل ہو ذرا ذوقِ تپیدن
بیتابیٔ دل بس دمِ کشتن ہے ہمارا

ہے طائرِ جاں ابروئے خمدار پہ مائل
شاخِ سرا ہو پہ نشیمن ہے ہمارا

شعلہ بجا ارکھئے نہ امید بتوں سے
سب جھوٹ ہے کب وہ بتِ پرفن ہے ہمارا

ہر ایک سانس میں لختِ دلِ فگار آیا
ہوا کے گھوڑے پہ آیا جو شہسوار آیا

خمارِ شیشہ کا رندانِ بادہ خوار آیا
جگاؤ ساقی کو پھر نشہ کا اُتار آیا

بتوں کے عشق سے محشر میں شرمسار آیا
ہٹا دو نیکیوں کو گنہگار آیا

کبھی تو قیس کبھی کوہکن کبھی وامق
ہزار رنگ میں تیرا امیدوار آیا

شکن جبیں پہ پڑے مجھ سے اور بھی اُلجھے
یہ کیوں خیال خمِ زلفِ تابدار آیا

وہ چھپتے پھرتے ہیں گھبرائے کیا قیامت ہے
یہ کون عرصۂ محشر میں بیقرار آیا

تمہارے رنگ نے کیا کیا چمن نے کھائے داغ
تمہارے سبزۂ خط سے گلوں کو خار آیا

جنوں نہیں مجھے شعلہ کہ سر کو ٹکراؤں
فراقِ یار میں کیسے کیسے قرار آیا

جگر آنکھوں سے ٹپکا اور دلِ شیدا نکل آیا
ہمیں اک آنسو ہی سمجھا تھا یہاں کیا کیا نکل آیا

خیالِ ابروئے قاتل سے پھر دل پر کمر باندھی
یہ دشمن اور میرے خون کا پیاسا نکل آیا

کرے ضبطِ فغاں کوئی کہاں تک تابِ کس کس کو
جو روکا آہ کو سینہ میں تو نالا نکل آیا

کہاں لہرائیں روئے پر عرق پر آپکی زلفیں
یہ شبنم چاٹنے کو سانپ کا جوڑا نکل آیا

کیا ہے نوح کے طوفاں کو پانی پھر رونے نے
اٹھی جب آستیں آنکھوں سے ایک دریا نکل آیا

اٹھاتا ہے وہ گل مجھ ناتواں کو بزم سے شعلہ
رقیبوں کے جگر سے اینٹھ کا کانٹا سا نکل آیا

بنا ہے کعبہ نہ تیغ عشق بازی کا — جھکا ہے دیر سے سجدہ میں سر نمازی کا
ہیں بانیاز ترا شیوہ بے نیازی کا — ہیں دردمند تجھے ذوق چارہ سازی کا
کس آستانہ پہ سجدہ ہی عشق بازی کا — کہ چومتی ہے زمیں سر ترے نمازی کا
بتوں کے عشق میں آخر خدا نظر آیا — یہاں حقیقی سے رتبہ بڑا مجازی کا
منگایا جاتا ہے گلگیر نالۂ دل چپ — لگا ہے شمع پہ تہمت زباں درازی کا
تم آؤ بہر خدا اب تو دوست بننے کو — قریب وقت ہے دشمن کی چارہ سازی کا

وہ جھوٹ بوسہ کو کہدیں تو دیکھ لوں شعلہ
ڈرو خدا سے نہ لو نام پاک بازی کا

جو ہی مشتاق وہ پابند قلت کا نہ کثرت کا — یہاں ہر ایک ذرہ میں ہی پرتو ہر وحدت کا
ہوا ہے غلغلہ مقتل میں قاتل کی ملاحت کا — مزا ہر زخم نے بخشا مجھے شور قیامت کا
دعا کے مانگنے کو ہاتھ کب اٹھتا ہی ہمت کا — بلا سے گر کھلے سو بار دروازہ اجابت کا
عجب کچھ ناتوانی نے کیا یاروں سی مستغنی — نہ پروائے کفن مجکو نہیں محتاج تربت کا
ہوئی ہی شمع پانی جب سے آ بیٹھے وہ محفل میں — سحر تک دیکھئے کیا حال ہو اس کی صورت کا

تم پھر اور آرزوئے وصل شعلہ اے تیری قدرت
تمنا ان کے بوسوں کی بھلا منہ کیا ہی حضرت کا

ہجوم یاس میں لینے وہ کب خبر آیا — اجل نہ آئی تو عشق کس امید پر آیا
بچھے ہیں کوئے ستمگر میں جا بجا خنجر — رگ گلو کا لہو پانوں میں اتر آیا
دکھائی مرگ نے کیا کیا بلندی و پستی — چلے زمیں کے تلے آسماں نظر آیا
ہمیشہ عفو ترا ہے گناہ کا حامی — ہمیشہ رحم تجھے میرے حال پر آیا

بتوں میں کوئی بھلائی بھی ہے سوائے ستم　　بُرا ہو تیرا دلِ ناسزا کدھر آیا
بنائی بات بگڑتے نے روزِ محشر بھی　　اُٹھے ہیں خاک سے ہم جب وہ گور پر آیا

کہاں کی آہ و بکا بات بن گئی شعلہ
زباں کے ہلتے ہی فریاد میں اثر آیا

سرخیٔ اشک سے جیب رشکِ گلستاں ہوگا　　سارے جامہ میں گریباں ہی گریباں ہوگا
دلِ پُر داغ بھی وقتِ سرِ مژگاں ہوگا　　یہ ہی کانٹا ہے جو آزارِ گلستاں ہوگا
آکے سینہ میں غمِ یار جو مہماں ہوگا　　داغِ دل خوانِ محبت کا نمکداں ہوگا
بھر کا وشِ نگہٗ ناز کے پہلو نہ بدل　　یوں بھی دلچسپ ترے تیر کا پیکاں ہوگا
ساتھ جائینگے لحد میں بھی غم و رنج و الم　　ایک ہی گور میں کل گنجِ شہیداں ہوگا
عرصۂ حشر میں وہ کیوں نہ مجھے دیکھیں گے　　ایک ہی تیر کے پلہ کا تو میداں ہوگا
نہ کفن ہے نہ لحد ہے نہ جنازہ نہ مزار　　شمع کیا ماتمِ پروانہ کا ساماں ہوگا
تلخیٔ مرگ ملی شہدِ شہادت کی عوض　　زہر آلودہ ترا خنجرِ براں ہوگا
بیکسی درد و الم چھوڑ گئے لاش میری　　سب مکدر ہیں تو کیا خاک میں پنہاں ہوگا
یاد میں اُس بتِ گلپوش کے رونا آیا　　قطرۂ اشک میرا عطرِ گریباں ہوگا
ہجر میں اور بھی مشکل ہے نکلنا دم کا　　میں اسی بات پہ مرتا تھا کہ آساں ہوگا
خاک میں ملنے سے یہاں نشو ونمائے گل ہے　　تازہ ہو جائیگا وہ داغ جو پنہاں ہوگا
مرگیا غربت میں نہیں میرے ہی رونیوالے　　بیکسی کون ترے حال کا پرساں ہوگا
چھا لو آنکھوں سے کرینگے میرے سر پر رحمت　　ہاتھ میں آپ کا جیب گوشۂ داماں ہوگا
شعلہ کچھ اور سنا تو بھی بقولِ مومن　　آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

تو اگر روزِ جزا مجھ سے پشیماں ہوگا | قیس کے ہاتھ میں لیلیٰ کا گریباں ہوگا
ستمِ غیر پہ مرنا مجھے آساں ہوگا | صبر آجائے گا دشمن جو پشیماں ہوگا
کیا شبِ ہجر میں پھر درد کا درماں ہوگا | دل کا آرام سے رہنا قلقِ جاں ہوگا
حشر میں دیکھئے نظارہ کی مشکل کیا ہو | منہ چھپانا ہی تمہارا اگر آساں ہوگا
بند ہوگا نہ کبھی نغمۂ طوطی ہرگز | آئینہ میری طرح سے جو سخنداں ہوگا
رخ کھو دیں گے مگر بوسۂ اغیار کے داغ | گل کو دو کوڑی کا یہ سیبِ زنخداں ہوگا
آئینہ دیکھتے رہئے مجھے کیا دیکھتے ہو | تم تو تکتے رہو ہوگا کوئی حیراں ہوگا
پھاڑ کر جیب پسِ مرگ پکاری وحشت | پہلے تیار کفن سے یہ گریباں ہوگا
ایک قدم چل کے دو عالم کو کروگے پامال | پانو رکھو گے جہاں گنجِ شہیداں ہوگا

شعلہ چھپتا ہے کہیں شوقِ سخن تا دمِ زیست
رشتۂ عمر سے شیرازۂ دیواں ہوگا

کہتے ہیں تو کیوں لطف کا قائل نہیں ہوتا | آنکھوں میں مروت کی جگہ تل نہیں ہوتا
کیا آئے جو جانا انھیں مشکل نہیں ہوتا | میں جوشِ قلق یوں ترا قائل نہیں ہوتا
نظروں کا بچانا تیری مشکل نہیں ہوتا | پہلو تو نکل آتے اگر دل نہیں ہوگا
آئینۂ دہر و عکس کے نظاروں کو روکو | کیوں بیچ میں پردہ کوئی حائل نہیں ہوتا
گر دام چمن میں ہے تو مقراض قفس میں | صیاد کبھی فکر سے غافل نہیں ہوتا
غمزہ تو بلا خیز ہے عشوہ ہے قیامت | مرنا تو ذرا بات پہ مشکل نہیں ہوتا
جب حال مرا غیر ہے پھر فرق رہا کیا | کیوں غیر مرے حال کے شامل نہیں ہوتا
مرنا ہی پڑا عذرِ جفا کار پہ ورنہ | تھی موت جو میں موت کے قابل نہیں ہوتا

کم سن ہو خدا کے لئے ہٹ جاؤ یہاں سے
لڑکوں کا تماشا سر بسمل نہیں ہوتا

تکلیف ذرا جنبش ابرو کی اٹھاؤ
باتوں سے علاج دل بسمل نہیں ہوتا

ہر روز نئے طور نظر آتے ہیں شعلہ
کمبخت کے قابو میں کبھی دل نہیں ہوتا

اے دل چلی وہ چرخ کی بنیاد یا نصیب
کرنے دے ایک اور بھی فریاد یا نصیب

ہیں داد خواہ تم سر بیداد یا نصیب
جو کچھ ہو میرے واسطے ارشاد یا نصیب

رشک عدو نگاہ غضب گردش فلک
ایک بیکس کے سیکڑوں جلاد یا نصیب

پہلا قدم اٹھاتے ہی میدان عشق میں
کہتا تھا مجھ سے قیس کہ استاد یا نصیب

ہوگی کبھی تو آپ کے کوچہ کے رخ ہوا
ہونے دو میری خاک کو برباد یا نصیب

بہتر ہے ایسی کوہکنی سے تو جاں کنی
ایک تیشہ اور لے سر فرہاد یا نصیب

پامال کرکے تم تو مٹا دو نشاں میرا
جو کچھ پڑے گی چرخ کی افتاد یا نصیب

آئے پھنسے چلے گئے مرغ چمن ہزار
ہے آپکے میری تاک میں صیاد یا نصیب

شعلہ انھیں پسند نہیں ہے میری خوشی
ہوتا ہے شاد پھر دل ناشاد یا نصیب

اے حضرت عیسی نہیں کچھ جائے سخن اب
وہ آ گئے رکھوا لئے تہ کرکے کفن اب

سینچا گیا پھولا ہے نئے سر سے چمن اب
اشکوں نے کئے سر میرے داغ کہن اب

او شوق اسیری کھلے گیسو کے شکن اب
تڑپیں گے قفس کے لئے مرغان چمن اب

خاموشی نے معدوم کیا اور دہن اب
تم ہی کہو باقی رہی کیا جائے سخن اب

یاران وطن کو ہے غریبوں سے کنارہ
غربت کا تقاضا ہے کہ ترک وطن اب

دیرینہ کشمکش ہوں زمانہ میں ازل سے
کیا جور نکالیگا نئے چرخ کہن اب

سُن لیجئے کچھ قصہ بیتابیٔ دل کو
جو جی میں ہو کہہ لیجئے پھر مشفق من اب

سیماب بنا یا تپ ہجران نے جگر کو
دل ٹھہرنے دیتی نہیں سینہ کی جلن اب

بن بن کے سنورتے ہیں بگڑ جاتے ہیں بنکر
نکلا ہے نئی ساخت کا بیساختہ پن اب

چلئے سر بازار ہو غیروں کو پرکھتے
بٹہ نہ لگائے کہیں یہ چال چلن اب

زنجیر میری توڑ دی اے جوشش وحشت
پھر سر پہ چڑھا چاہتا ہے نجد کا بن اب

آخر کوئی حد بھی تیری اے دوریٔ غربت
مایوس ہوئے جاتے ہیں یاران وطن اب

پھر سینہ میں پیکاں نہ سمایا ہو کسی کا
کیا بات ہی کھلنے نہیں زخموں کے دہن اب

کیا مصر کے یوسف کے کوئیں چھانک لئے ہیں
دکھلا دو زلیخا کو ذرا چاہ ذقن اب

ہنگامۂ محشر میں خموشی ہے کہاں کی
سُننے کا نہیں کوئی یہاں عذر دہن اب

کیا رخ پہ بہار آئی نئے سبزۂ خط سے
نے غیرت گل تھے تو ہے رشک چمن اب

مدت سے گیا قیس ستم کش کا زمانہ
پیدا تو کرے مجھ سا کوئی چرخ کہن اب

پہونچا نہ کبھی کان تلک نالۂ مجنوں
چلاؤں اگر گونج اُٹھے نجد کا بن اب

کیا فکر ہے ای شعلہ پیو بادہ رنگیں
ڈالو بھی کہیں بھاڑ میں رنج و محن اب

کیا سر راہ شنے شکوۂ دیدار کی بات
سمجھے ہنگامۂ محشر کو جو بازار کی بات

طشت از بام ہوئی محرم اسرار کی بات
ہم سے موسیٰ نے کہی تھی تیری گفتار کی بات

نہ بیہوشوں کے انداز نہ ہشیار کی بات
کچھ سمجھ میں نہیں آتی تیرے بیمار کی بات

جی کی جی میں ہی رہی ابروے خمدار کی بات
رک گئی آ کے لب زخم پہ تلوار کی بات

کاش ہو مانع تقریر تجلی تیری
ورنہ گفتار میں سو کلمیں کی تکرار کی بات

بوسے مجکو دیے یا غیر کو انصاف کرو
تم تو اک بار کی کہتے ہو میں سو بار کی بات

اس کے یہ معنی کہ پھر نامہ و پیغام نہ ہو
پوچھتے ہیں میرے قاصد سے وہ اغیار کی بات

گل بنا چھڑ ہے او تفرقہ انداز چمن
چھڑ گئی بلبل و گل میں تیری رخسار کی بات

طلب بوسۂ لب پر مجھے کہہ ہی بیٹھے
دیکھ پھر تو نے اٹھائی وہ ہی تکرار کی بات

وعدۂ غیر لب بام زمانہ نے سنا
منہ سے نکلی چڑھی کوٹھوں تیری اقرار کی بات

شعلہ بھی دیدہ و دل بند کئے لیتا ہے
اب تو محشر پہ گئی آپ کے دیدار کی بات

ہوں ناتواں دھال کا مجھ سے یقیں عبث
کروٹ بدل رہی ہی لحد کی زمیں عبث

آنکھیں تو لڑ رہی ہیں سر بزم غیر سے
اور بد لحاظ بھی نگہ شرمگیں عبث

یہاں کس ہیں دم ہی شکوہ و شکایت کیو اسطے
تم حال پوچھتے ہو دم واپسیں عبث

افشاں سے انکے عقدۂ پرویں کو کیا مثال
کیوں چرخ کر رہا ہی چناں چنیں عبث

یہاں بھول کر بھی لب پہ نہیں شکوہ ہائے جور
بیوجہ مجھ پہ ہوتے ہو چیں بر جبیں عبث

آزاد عشق کو نہیں پروائے دو جہاں
کیوں کھائے جاتا ہی غم دنیا و دیں عبث

یہاں خاک ہیں مٹوں کا بھی رتبہ بلند ہے
کھینچے ہوئے ہی آپ کو عرش بریں عبث

آرامگاہ عشق ہے گھر غیر کا نہیں
اے شعلہ قبر میں ہے دم آتشیں عبث

بیمار عشق چشم فسوں زا کا کیا علاج
اچھا نہ ہو اگر تو مسیحا کا کیا علاج

شکوہ نہیں گلا نہیں ذکر عدو نہیں
اے دوست روز رنجش بیجا کا کیا علاج

معشوق پر جفا ہو تو عاشق کی موت ہے
یوسف کنوئیں میں جائیں زلیخا کا کیا علاج

میرے تو منہ نہیں جو شکایت گذار ہوں
پھر گفتگوئے زخم تمنا کا کیا علاج

وہ آرزوئے وصل ہیں یہاں فکر مرگ میں
اپنی دوا نہیں دلِ شیدا کا کیا علاج

نسخہ تمھیں تو مل گیا رخ کے نقاب کا
پر میری چشم محو تماشا کا کیا علاج

انکار جو تجھ کو بھی ہو تو مرتا ہے بیچ مرا
ہر بات میں مگر تیری اچھا کا کیا علاج

ظاہر ہیں آرزو ہو تو کچھ آرزو کھلے
پردہ نشین حسرتِ رسوا کا کیا علاج

شعلہ جو ایک درد ہوا اس کی دوا کروں
ہر دم نئی شکایت بیجا کا کیا علاج

کیا بلا آئی ہے کس کے واسطے ساماں ہے آج
ایڑی تک چوٹی کمر تک کاکل پیچاں ہے آج

کل تو بوسہ دوگے کھاؤ مصحفِ رخ کی قسم
درمیاں گویا ہمارے آپ کے قراں ہے آج

پہلوانوں کی ہے کل سے عالمِ بالا پہ دھوم
چرخ سے نالہ کی کشتی ہے بڑا امیداں ہے آج

تازہ بیتابی یہ ہے اپنے دلِ بیتاب کو
کسکی شوخی کا نمونہ اضطرابِ جاں ہے آج

شعلہ پھونکی آگ یادِ گرمی رخسار نے
آفتابِ حشر میرے گھر مگر مہماں ہے آج

گذرے شبِ فراق تو ہوں جاں نثار صبح
شبنم کی طرح میں بھی ہوں امیدوار صبح

بیفائدہ مریض کو ہے انتظار صبح
جب اعتبار شب نہیں کیا اعتبار صبح

نکلی ہے کس چمک سے عروسِ بہار صبح
ایک ایک ذرہ بن گیا امیدوار صبح

لے وعدۂ وصال یہ کیا اضطراب ہیں
میں بیقرار شام ہوں وہ بیقرار صبح

ایک رشکِ آفتاب کی الفت میں مٹ گئے
ملجائیگا غبار میں اپنے غبار صبح

موت آگئی سحر کو شبِ ہجر یار میں
کیا آفتاب بن گیا سنگِ مزار صبح

ہے عالمِ شباب کو پیری کا انتظار
جیسے مسافر ہوتا ہے امیدوار صبح

تیری شبِ فراق کو بھی ہو سحر نصیب
برقع اٹھا بھی رُخ سے کہیں او پردہ دار صبح

پہلو نشیں تھا صبح تلک اضطرابِ شام
دن بھر گنا کیا ہیں غمِ بے شمار صبح

لا ساقیا شرابِ صبوحی کہ بے پئے
دن بھر بگاڑتا ہے طبیعت خمار صبح

مشتاقِ رُخ کا کوچۂ گیسو میں کام کیا
کیا جانیں لطف رات کا اہلِ دیارِ صبح

وہ ہم کنارِ غیر سے ہیں ہم کنارِ غم
یا رب شبِ فراق بھی ہو ہم کنارِ صبح

ہے عکسِ روئے یار مرے داغ داغ میں
خورشید کی طرح سے ہوں آئینہ دارِ صبح

پیری میں شعلہ عشقِ صنم کیسے چھوڑ دوں
کچھ اور لطف دیتا ہے بوس و کنارِ صبح

پانی ہو کر بھی ہے خوں عاشقِ دلگیر سرخ
میرے پہلو سے نکلتے ہیں تمہارے تیر سرخ

آگ صحرا میں لگی ہے گرمیِ رفتار سے
کھینچتے کھینچتے ہو گئی ہے پاؤں کی زنجیر سرخ

کب گوارا ہو سکیں بہزاد کی گستاخیاں
ہو گئی غصہ کے مارے خود بخود تصویر سرخ

عقدۂ دل کیا کھلے گا انگلیاں ہی رہ گئیں
کر دیے ہیں اس گرہ نے ناخنِ تدبیر سرخ

ایک چرکا بھی نہ بیٹھا ہاتھ اٹھ کر رہ گیا
سخت جانی پر ہوئی کیا کیا تری شمشیر سرخ

بیگناہوں کا چھپائے سے لہو چھپتا نہیں
ہو گئی خون سے میری چشمِ بتِ بے پیر سرخ

شعلہ ایک ایک حرف ہے تشنہ ہمارے خون کا
قتل کے محضر کی بے شنگرف ہے تحریر سرخ

رکی نہ دل میں نہ ٹھہری سرِ زباں فریاد
ضرور سیکھ گئی تیری شوخیاں فریاد

میں نیمجاں وہ بلند اور ناتواں فریاد
کہاں ہے چرخ کہاں میں ہوں اور کہاں فریاد

نکلتی ہی لبِ عاشق سے خونچکاں فریاد
لگا نہ دے کہیں یاقوت کی دُکاں فریاد

کرے گا محوِ رُخِ یار کیا فغاں فریاد
زبانِ بلبلِ تصویر میں کہاں فریاد

اسی کو کہتے ہیں محشر تمہارے داد طلب
کوئی کسی کی بھی سنتا نہو جہاں فریاد

تعلق چمن بے ثبات بات ہے کیا
جو مرغِ روح کرے بہرِ آشیاں فریاد

وہ سرد مہر ہوئے غیر کی دعا سنکر
اثر سے کرنے لگی اپنو گرمیاں فریاد

جو کھینچے دامنِ لیلیٰ کو جذبۂ مجنوں
کریگا قیس کی صورت سے ساریاں فریاد

ہر ایک برگِ چمن بنگیا کفِ حسرت
چلی بہار تو کرنے لگی خزاں فریاد

اگر سنو تو سناؤں دل و جگر کا حال
اگر کہو تو کروں بہرِ امتحاں فریاد

کھلیں جو داغ تو کیوں چُپ رہے گُلِ نالاں
بہار آتے ہی کرتے ہیں باغباں فریاد

میں بہر بوسۂ لب چُپ ہوں صورتِ ناقوس
ملا دو منہ سے مرے منہ سنو فغاں فریاد

شبِ وصال صنم نالہ نے سحر کر دی
وہ اُٹھ کھڑے ہوئے کیا بنگئی اذاں فریاد

کوئی کسی کی بھی سنتا نہیں قیامت ہے
تمہیں کہو کہوں کس سے کروں کہاں فریاد

نہ دل میں میرے ہی لوٹی نہ تیرے دل میں گئی
سما گئی اُنھیں دو دل کے درمیاں فریاد

اُنھیں دعا کے عوض ہائے گالیاں لب پر
جگر سنبھل ہوئی جاتی ہے بدزباں فریاد

میں وہ ستم کش دیرینہ ہوں کہ طفلی میں
سبق کی طرح سے رہتی تھی برزباں فریاد

یہ ان کے حکم شبِ وصل غیر ہوتے ہیں
نہ کرنے پائے کوئی آج پاسباں فریاد

جنوں نہیں مجھے کچھ تو ہے درد دکھ شغلہ
کوئی بھی کرتا ہے بیوجہ مہرباں فریاد

پردہ ہائے چشم میں دیکھا جمالِ یار بند
موندھ لیں آنکھیں تو پائی دولتِ بیدار بند

فصلِ گل آئی ہوا ہے ہر طرف گلزار بند
چشمِ بلبل نے کئے ہیں رخنۂ دیوار بند

ہو دلِ صافی میں اپنے عکس روئے یار بند
آئینہ نے کر لیا ہے پرتوِ رخسار بند

کیوں نہیں ہو یادِ خط میں دیدۂ خونبار بند
زخم کر دیتا ہے اکثر مرہمِ زنگار بند

دیکھ رہ جائے نہ دل میں حسرتِ دیدار بند
پھر نہیں کھلنے کی آنکھیں گر ہوئیں اک بار بند

محتسب ہوتے ہیں رندوں کے بھلا کب کار بند
پھاندلیں دیوار پائیں گر در خمار بند

غیر سے ہو بعد میرے دل لگی سرکار بند
ساتھ ہوں آنکھوں کی میرے روزنِ دیوار بند

کر گیا دل میں جگہ ہو کر خیالِ یار بند
روزنِ گوہر میں ہے گنجینۂ اسرار بند

رنگ بگڑا ہے چمن کا چھا گئی افسردگی
تم ہنسو ہوتی ہے چشمِ نرگسِ بیمار بند

ہائے حسرت واں تمنا ہو کہ کچھ منہ سے کہوں
یہاں کئے ہیں شوقِ بوسہ نے لبِ اظہار بند

ہو خیالِ سوزنِ مژگاں جراحت کا علاج
کر دئے سی سی کے میرے زخمِ دامندار بند

ہم تو جیتے ہیں نہ مرتے ہیں عذابِ ہجر میں
چلتے چلتے ہو گئی ہے عمر کی رفتار بند

کسکی آنکھیں گر گئیں بدمستِ اہلِ بزم کو
ہو گیا محفل میں وہ ساغرِ سرشار بند

ہم نہیں موسیٰ کی صورت باعثِ افشائے حال
جب زباں تک بات آئی ہو گئی گفتار بند

جنبشِ ابرو نے مارا ازندہ ٹھوکر سے کیا
کھل گئیں سو بار آنکھیں ہو گئیں سو بار بند

آرزو نے سرد مہری ہاں ایک آہِ سرد اور
اے دلِ افسردہ کر دے گرمیٔ اغیار بند

کیا کسیکی بات لب تک آتے آتے رہ گئی
کیوں زباں کھلتے ہی کھلتے ہو گئی گفتار بند

ہم اسیرانِ قفس سے طائرِ جاں کیا کہے
جب کھلا بازو کا ڈورا ہو گئی منقار بند

کون آیا وجہ کیا دربان پہ اتنی برہمی
کس نے جھانکا ہوتے ہیں کیوں رخنۂ دیوار بند

گالیاں ملنے لگیں حرفِ مکرر پر مجھے
گویا مثلِ قفلِ ابجد تھا وہاں تکرار بند

کیا مزا ہے زخم میں جو تیر چسپاں ہو گئے
کیا لہو میٹھا ہی جس سی ہیں لبِ سوفار بند

حضرتِ موسیٰ یہاں وہ جلوہ پر تاب ہی
غش سے پہلے کرتے ہیں دیدۂ بیدار بند

ذکر اک عالم میں ہی تیرا تو وہ ہے بحرِ حسن
موج کی صورت نہیں ہوتی تیری تکرار بند

کیوں حجابِ حسن ہی اب کھول دو بندِ نقاب
بندہ پرور ہو رہا ہے جلوۂ رخسار بند

تیرے دہن کی طرف اپنے گریباں کیطرف
ہاتھ چلنے سے نہیں ہوتے یہاں زنہار بند

صدقہ ایسی بدگمانی کے کہ آنکھوں کو میری
اس نے سو سو بار کھولا گر ہوئیں ایکبار بند

شکوۂ بیداد محشر میں لبوں پر رہ گیا
کہتے کہتے ہو گئے منہ دیکھکر لاچار بند

سخت جانی کا بُرا ہو تیغ قاتل مڑ گئی
ہو گئی گردن تک آتے آتے چلتی دھار بند

کُھل گیا کچھ انکو حالِ عشقِ چشم سرمہ سا
رہتا ہی دن بھر اندھیرے میں تیرا بیمار بند

ایسے کیوں گھبرائے جانیکو رگِ جاں کاٹکر
ٹھہرو دیکھو ہوتی جاتی ہی لہو کی دھار بند

عندلیبِ صحنِ گلشن جب نکلجائے نہ دم
ہو نجائے چیختے ہی چیختے منقار بند

سونے والو سو رہو وہ آتے آتے رہ گئے
اٹھتے اٹھتے ہو گئے پھر حشر کے آثار بند

عاشقِ بیتاب کا کیا دفن ہونا سہل ہی
پانو پھیلائے تو ہو نگے گور میں دشوار بند

آمد و شد ہر نفس ملکِ عدم کی ہی یہاں
رات دن میں ایک دم ہوتا نہیں بازار بند

ٹھہرو ٹھہرو کشتگانِ ناز محشر میں ہی دیر
بھیڑ چھٹنے دو ابھی ہوتا نہیں بازار بند

چار عنصر سے مرکب ہے جہاں کا غمکدہ
کتنے موزوں پائے ہیں اس بیتہ نے چار بند

ایک بت پر اے خدا ساری خدائی پھر گئی
کعبہ میں لاکھوں مسلماں ہو گئے زنار بند

تابِ جلوہ چاہیے پھر طور کتنی دور ہے
حضرتِ موسیٰ کریں گے کیا رہِ کہسار بند

بھر گئے دامانِ مضموں خوب موتی لٹ چکے
گرد افشانی سے شعلہ کلک گوہر بار بند

دل برشتہ سے کیا ہو سکے کباب لذیذ — شراب تلخ ہے اور میرا خون ناب لذیذ
ہے بوسہ سبب ذقن کا دم عتاب لذیذ — ثمر کو کرتی ہے گرمی آفتاب لذیذ
رقیب ذائقہ اشک گرم کیا جانے — بجھا ہوا تیرے بیمار کا ہے آب لذیذ
غم فراق نے چکھا نہیں دل بریاں — حرام خور کو لگتا نہیں کباب لذیذ
ذرا کچھ اور ہے خون جگر میں اے شعلہ — کبھی ہے زخم کے انگور کی شراب لذیذ

پھینک دوں نوچ کے گل پھول ہی رخساروں پر — توڑ دوں عقد ثریا کو تیرے ہاروں پر
ٹکٹکی باندھی اچھی نہیں رخساروں پر — آنکھیں کھو دینگے کسی دن تیری نظاروں پر
خط کو پیدا کیا اللہ نے رخساروں پر — کانٹے رکھدیتے ہیں سب باغ کی دیواروں پر
پھر نظر ڈالتی ہے آپکے رخساروں پر — کیجئے بلبل کے کباب آج تو انگاروں پر
کون بازار میں رشک مہ کنعاں آیا — مفلسی چھائی ہے یوسف کے خریداروں پر
تشنۂ شربت دیدار پہ کیوں تیز ہوئے — آگ برساتے ہو پانی کے طلبگاروں پر
دھجیاں جیب کی دامن کے ہیں ٹکڑے ٹکڑے — آج کل بار ہے جوبن تیرے آواروں پر
مہوشوں کو میرے گھر سے ہی کچھ ایسی نفرت — چاندنی تک نہیں پڑتی میری دیواروں پر
دل جلانے کو وہ پہلو میرا دیکھا ہی کئے — بجلی گرتی رہی کیا کعبہ کی دیواروں پر
اچھی صورت کی طرف شعلہ نہ دیکھا کیجئے — آنکھیں کھو بیٹھو گے اک دن انہیں نظاروں پر

ہم بھی بگڑینگے زمانہ سے تیری خو ہو کر — تیرہ پر مرتے ہیں پھر مائل ابرو ہو کر
باغ میں بند قبا آپ سمجھ کر کھولیں — دم بلبل نہ نکل جائے کہیں بو ہو کر

تیغ ایک وار میں کر دیتی ہے دو دو ٹکڑے / تولتی ہے تیرے بسمل کو ترازو ہو کر
کونسا رشک چمن آج ہے آمادۂ رقص / تال ہر غنچۂ گل دیتا ہے گھونگرو ہو کر
گریۂ عشق نے کیا آبرو پانی کر دی / گر گیا خلق کی نظروں سے میں آنسو ہو کر

عشق ابروئے بتاں کچھ تو اثر کر ہی گیا
شعلہ کعبہ کو چلا دیکھئے ہندو ہو کر

گرمی نلک ہوئی نہ دل پُر محن سے دور / نالہ نکل گیا کہیں چرخ کہن سے دور
صیاد ظلم پیشہ نے فصل بہار میں / پر نوچ نوچ کر مرے پھینکے چمن سے دور
بینا بیاں مری نہ گئیں بعد مرگ بھی / لاشہ پڑا ہے گور سے باہر کفن سے دور
کیوں کشمکش ہے جذبۂ وحشت کے پاس پاس / مجنوں سے کہدو جا کے رہے میرے بن سے دور
بیکس ہے ایسی جسم سے آکر عدم سے روح / بیچارہ جیسے کوئی مسافر وطن سے دور
حسرت ہے ایسے آنے پہ کب آئے پاس وہ / جب جاں پہنچ چکی تھی نکلکر بدن سے دور
اے دل کہاں چلا ہے دکھانیکو آج داغ / کل شمع واں نکالی گئی انجمن سے دور
تاتاریوں کی کھل گئیں نازک دماغیاں / پہنچی شمیم زلف سواد ختن سے دور

غربت حصار کھینچے ہوئے ابتدا سے ہے
شعلہ تمام عمر رہے ہم وطن سے دور

نہ جھگڑا مجکو خنجر سے نہ دعویٰ تیرے دامن پر / وہ بیکس ہوں کہ میرا خون بہا میری ہی گردن پر
کیا ساقی بلوریں نے اندھیرا شمع روشن پر / ہوا ہے ڈھیر پروانوں کا آکر تیرے دامن پر
جھکا پڑتا ہے بسمل خود بخود شمشیر آہن پر / سمٹ کر آ گیا سارے بدن کا بوجھ گردن پر
نہ تھا کچھ فاتحہ موقوف اپنا دست دشمن پر / مگر کچھ بیکسی نے پانوں پھیلائے ہیں مدفن پر

میں وہ ہوں بلبلِ باغِ مقدس آشیانہ ہے
میرا اور طائرِ سدرہ کا ایک شاخِ نشیمن پر

کلیسا میں ترے آنے سے کیسا زلزلہ آیا
برہمن دوڑ کر بت پر گرا اور بت برہمن پر

الٰہی کیا کسیکا کشتۂ طرزِ خموشی ہوں
مسیحا چپکے چپکے رو رہے ہیں میرے مدفن پر

جنوں میں دیدۂ تر فرش رہ ہو ہو کے کہتے ہیں
جو تم آؤ تو موتی ٹانک دیں صحرا کے دامن پر

وہی نظارہ بازی کرتی ہے سوراخ سینہ میں
عدو نے تمکو جھانکا میری آنکھیں رکھدو روزن پر

بتِ بیباک محشر میں بھی تو نادم نہیں ہوتا
وہی خم ہیں ابرو میں وہی شوخی ہے چتون پر

پسِ مردن بڑہیگا اور بھی کچھ جوشِ وحشت
ہنسی چاکِ کفن کو آ رہی ہے چاکِ دامن پر

کہاں کا طور اور کس کی تجلی تھی خدا شاہد
عجب دھوکا ہوا موسیٰ کو تیرے روئے روشن پر

خیالِ خنجرِ قاتل میں اپنی عمر کٹتی ہے
یہ وہ کشتی ہے جو چلتی ہے ہر دم آبِ آہن پر

دمِ ذبح نہ پوچھو گرمیٔ بے تابیٔ بسمل
کبھی گردن تھی خنجر پر کبھی خنجر تھا گردن پر

سرِ بازار ہوگا جلوہ گاہِ حشر کا عالم
خدا کیواسطے کچھ اور ڈالو لاکے چلمن پر

جلایا گرمیٔ محفل نے کیا کیا شمع رویوں کی
بنی ہے شمع پروانہ میرے طرزِ تپیدن پر

یہاں کشتِ تمنا سبز کیا ہوا ابرِ باراں سے
گرے ہے قطرہ قطرہ برق بنکر میرے خرمن پر

جلوں کیونکر نہ رشکِ قتلِ اعدا سے کہ آخر کو
چڑہینگے پھول میری خاک کے دشمن کی مدفن پر

تماشا ہو اگر زندہ ہوا اعجازِ مسیحائی
کوئی ٹھوکر لگا تے جائے عیسیٰ کی مدفن پر

وہیں موجِ ہوائے صحنِ گلشن پر کتر ڈالے
اگر بلبل گذر جائے میرے خاکِ نشیمن پر

دمِ تحسین شعلہ یاد آیا مصرعہ آتش
ہمارے شعر کا انصاف ہے انصافِ دشمن پر

ہوں ہو منتِ کشِ دستِ اجل بسمل نچھوڑ
دیکھ مر جاؤنگا میں مر نیکے پھر قاتل نچھوڑ

دیکھ خود بینی سے یکتائی کی تو منزل نچھوڑ
عکس و رخ کے درمیاں آئینہ حائل نچھوڑ

روک دم تا توسن عمر رواں ٹھوکر نہ لے
باگ ڈھیلی اے سوار رہرو راجل نچھوڑ

کیوں ہوا میں بھر گیا آتش مزاجوں کی طرح
اے پری رو تو بشر ہے اپنا آب و گل نچھوڑ

لاکھ نکلے جان پہلو سے نکر پہلو تہی
لاکھ جائے دل اگر پہلو سے تو بھی دل نچھوڑ

کچھ نہ قسمت میں سہی عشاق میں داخل تو ہوں
مجھکو میزاں سے الگ مثل مد فاضل نچھوڑ

چاہیے چرخ بریں پر برق باراں ساتھ ساتھ
قافلہ اشکوں کا آہ آسماں منزل نچھوڑ

طوف کعبہ ہو چکا اب بتکدہ کی راہ لے
پانو میں جنبش ہے گر باقی کوئی منزل نچھوڑ

دیکھ وو ٹکڑے ہوا جاتا ہے ہالہ ماہ کا
ہاتھ یوں انگڑائی لیکر اے مہ کامل نچھوڑ

غیر کی خاطر نہ بے گردن میری تصویر کھینچ
صفحہ کاغذ پہ مجکو صورت بسمل نچھوڑ

خونبہا لینا اگر چاہے کشاکش سے نہ ڈر
لاکھ جھٹکے دے اجل پر دامن قاتل نچھوڑ

یاں تو میں ہوں مرگ مشکل اور وہ آساں پسند
سخت مشکل ہے کہوں کس سے کوئی مشکل نچھوڑ

بوسہ ایک جان و جگر دو دل ابھی کر لے حساب
نادہندی انکی عادت ہے رقم فاضل نچھوڑ

کجروی ہے دوستی غیر کا طعنہ مجھے
راستی پر ہے اگر فرق حق و باطل نچھوڑ

جرم شعلہ حد سے افزوں پر تری بخشش سہی کم
اپنی عادت رحم کی اے داور عادل نچھوڑ

جلوہ بیساختہ سے کر کے یوں غافل نچھوڑ
میں کوئی موسیٰ نہیں ہوں پردہ حائل نچھوڑ

مرگ کو بھی وصل کہتے ہیں تو اسکا کیا علاج
اے غم فرقت مجھے مرنیکے بھی قابل نچھوڑ

ہاتھ کٹ جائیں تو چھوٹے دامن پیر مغاں
پانو ٹوٹے پر بھی راہ مرشد کامل نچھوڑ

ہاں ہی بھر دے عشق خط و خال سیاہ
نامہ اعمال میں خالی جگہ اک تل نچھوڑ

آگیا عشق دیکھتے ہی دیکھتے زہرہ جبیں
مجھ سے یوں آنکھیں ملا کر جادوئے بابل نہ چھوڑ

مال دنیا چیز کیا ہے دل ذرا سا چاہیئے
جان بھی گر مانگے تو خالی کاسۂ سائل نہ چھوڑ

ماہ کو اُس نوجواں سے کیا ہو نسبت اے فلک
اس بڑھاپے میں تمیز ناقص و کامل نہ چھوڑ

زہر سے بھر دے مرا ساغر نہیں ہو گو شراب
دور سے خالی مجھے اے ساقیٔ محفل نہ چھوڑ

اس نگاہِ گرم سے صیاد کچھ تو ہو حصول
آشیاں کو خاک کر دے برق کا حاصل نہ چھوڑ

گھس نہ جائے ساربان پر لیلیٔ پردہ نشیں
شوقِ مجنوں پردہ در سے پردۂ محمل نہ چھوڑ

گر جفا اے برق وش سیکھا ہے طرزِ ستم
بے حصولِ مدعا تحقیق لاحاصل نہ چھوڑ

خود بخود گردن جدا ہوتی ہے تیغ رشک سے
عرصۂ مقتل میں مجھکو غیر کے شامل نہ چھوڑ

عمر نے کس سے وفا کی ہے جو تجھ سے ہو امید
میرے جیتے جی جفا کو اے جفا مائل نہ چھوڑ

سامنے ہیں جمع ٹھوکر کے لئے اجزائے قیس
اے ہوائے نجد ایک ذرہ پسِ محمل نہ چھوڑ

شعلۂ بیتابیٔ پروانہ ابھی دیکھی نہیں
دل کو جھٹکے سے اٹھا لے یوں سرِ محفل نہ چھوڑ

آیا نہیں ہے وہ بتِ رشکِ قمر ہنوز
کیوں زندگی نہیں ہے مری پردہ در ہنوز

ہم مٹ گئے وہ باقی نہیں سوزِ جگر ہنوز
ذرہ کی جا ہیں خاک میں اُڑتے شرر ہنوز

وہ دل میں بیٹھ کر مجھے پامال کرتے ہیں
پھرتے نہیں خرام سے پر رہگذر ہنوز

نقشہ جما تھا رات کو کس کے خیال کا
کیوں صورتِ مرقع ہیں دیوار و در ہنوز

دامن اگر نہیں ہے تو سینہ ہی چاک ہو
ہاں میرا صبر ہے وہی وحشت اثر ہنوز

وحشت پکار اُٹھی کہ چلو شہر کی طرف
جیتے نہ پایا تھا ابھی صحرا میں گھر ہنوز

چھوٹا نہ بعد مرگ بھی میں وہ اسیر ہوں
ٹوٹے ہوئے قفس میں ہیں دو چار پر ہنوز

ہم کر چکے ہیں اُس پہ چمن کے چمن نثار
بلبل پر کھتی پھرتی ہے غنچہ کا زر ہنوز

آتے دے بیخودی سے مجھے ہوش میں اجل
یہاں سے طے نہیں ہوا مرا پہلا سفر ہنوز

ہم وہ اسیر ہیں کہ رہائی ہوئے پہ بھی
سمجھے ہوئے ہیں کنج قفس کو ہی گھر ہنوز

وہاں بات تھی کہ آئے بگڑ کر چلے گئے
اور یاں پڑی ہوئی ہے دل و جان پہ ہنوز

سو حشر اٹھ کھڑے ہوئے طرزِ سلام پر
سیدھا نہیں ہوا اٹھا بتِ فتنہ گر ہنوز

بے بات ہمنے ہائے خموشی پہ جان دی
اور اُن کو اختیار نہیں بات پر ہنوز

وہاں حسرتوں نے چاک زمیں میں دبا دیا
پہنا رہے ہیں مجھکو کفن بخیہ گر ہنوز

او بیکسی لحد کے سرہانے پہ چل کے بیٹھ
اُٹھا نہیں ہے یار کے زانو سے سر ہنوز

اے شعلہ جان کھونا بھی بے سود ہو گیا
سمجھے ہوئے تھے فائدہ جی کا ضرر ہنوز

آیا نہیں جو اپنی جگہ پر جگر ہنوز
سیدھی نہیں ہوئی تیری ترچھی نظر ہنوز

دیکھا وہی ہے جانبِ دشمن نظر ہنوز
اے دل نہیں ہوئی ہے فغاں کارگر ہنوز

کس سے لپٹ کے سوئے تھے زلفیں الجھ گئیں
ملتی نہیں تمہیں کو تمہاری کمر ہنوز

میں وہ خبر ہوں جسکی کوئی انتہا نہیں
وہ ابتدا ہوں جسکی نہیں ہے خبر ہنوز

کیوں بے مزہ ہے دعوتِ دشمن کا انتظام
گدرا سے بھی نہیں ترے کچے ثمر ہنوز

خود رفتگی نہ پوچھئے گم کردہ عشق کی
میری تلاش میں ہے میرا امیر ہنوز

وحشت فزا تھی چارہ سے بیچارگی مری
آوارگی سے ہے وہی ویرانہ گھر ہنوز

یہاں ایک جو رہی میں جہاں سے گذر گئے
اور وہاں کسی ستم سے نہیں درگذر ہنوز

بحرِ جہاں میں آتے ہی رنگ فنا جما
قطرہ بنا نہیں تھا صدف میں گہر ہنوز

پیکاں سی بات چیت تھی وہ بھی نکل گیا
خاموش کیوں نہیں لبِ زخمِ جگر ہنوز

سچ کیسے سمجھیں قصۂ طور و کلیم کو
آئے نہیں وہ جھوٹھ کو بھی بام پر ہنوز

شاید شبِ وصال عدو کل کی رات تھی
بولا نہیں ہے آج جو مرغِ سحر ہنوز

تھا جن کا انتظار وہ آکر چلے گئے
شعلہ نگاہِ شوق ہے کیوں سوئے در ہنوز

وہ اور زیادہ ہوئے نالوں سے خفا بس
اے دل نہ اُکھڑ جائے کہیں تیری ہوا بس

مقتل میں عجب دھوم تھی کچھ تیغِ نظر کی
کہتی تھی ادا اور تو کہتی تھی قضا بس

کیوں توڑتے ہو ہنس کے نمکداں پہ نمکداں
ہم دیکھ چکے زخم کی شورش کا مزا بس

پھر قند سرِ راہ نہیں گرمیِ بازار
ہو جان کے گاہک مری بن جان گیا بس

ہم غش کے تو قائل نہیں موسیٰ کی طرح سے
کیا اتنا ہی جلوہ تھا ترا ہوش رہا بس

کیا روک دے شکوہ قاتل تہِ خنجر
لب ہلنے نہ پائے تھے کہ چلائی قضا بس

وہ آگئے تابوت اُٹھانے کے بہانے
اے بیکسی خاموش ہوئے اہلِ عزا بس

پیری میں کہاں ولولۂ جوشِ جوانی
جاتا رہا ہے موت کے مرنے کا مزا بس

کچھ نام سے شعلہ کے بھڑک جاتے ہیں اُٹھ کے
بس دیکھ لی تاثیر تری آہِ رسا بس

اُنھیں کو پہلو میں ہے ناوکِ نظر کی تلاش
یہاں پڑی ہے مجھے اپنے ہی جگر کی تلاش

مجھے تو کوچہ میں انکے ہے نامہ بر کی تلاش
پیامبر کو وہاں ہے عدو کے گھر کی تلاش

جب وہ اسیر تھا صیاد کو گلستاں میں
پسِ فنا بھی رہی میرے بال و پر کی تلاش

کسی کے رنگِ طلائی نے کر دیا ہے زرد
رہی ہے کیمیا سازی میں کس کو زر کی تلاش

نہ دیکھنے دوں کبھی جانب عدو ہرگز
ترے اشاروں کو کافر ہے پھر نظر کی تلاش

اٹھا وصل میں تو زلف روئے تاباں سے
شب فراق کو مدت سے تھی سحر کی تلاش

چرا کے لیگئی چپکے سے زلف دست دراز
پڑی ہے قامت دلدار میں کمر کی تلاش

حصول کار نہیں جب تلک کہ صبر نہ ہو
خراب کرتی ہے سائل کو دربدر کی تلاش

نہیں ہے قدر سخن شعلہ کیا سخن سنجی
کمال کسب کہاں عیب ہے ہنر کی تلاش

وہ زلف سونگھاتے ہیں گر مجکو نہیں غش
کیا بھولے ہیں سمجھے ہیں دم باز پسیں غش

رخ پھیر لے اے باد چمن موج ہوا کا
آجائے مجھے نکہت گل سے نہ کہیں غش

کیا طرز تپیدن ہے تہ خنجر قاتل
انداز یہ بسمل کے ہے مقتل کی زمیں غش

کیا مجکو گوارا ہے ملال دل نازک
مر جاؤں میں اسطرح کہ ہو اُن کو یقیں غش

کیا دور ہوئے بیخودی مرگ طلبگار
موت آئی کہیں ٹلتی ہے رکتے ہیں کہیں غش

کیا ایسے سے غصہ کا تحمل ہو کہ جس کو
آجائے نزاکت سے دم چین جبیں غش

تھا ہوش ربا کس کا یہ عکس رخ زیبا
مشاطہ کہیں غش ہے تو آئینہ کہیں غش

شعلہ کو خدا کے لئے وہ جلوہ دکھا دے
موسیٰ ہوئے جس جلوہ پہ اے پردہ نشیں غش

دکھلائیگی بیتابی دل روز جزا رقص
کرتے ہوئے محشر میں اٹھینگے شہدا رقص

تھی خاک اڑانیکی خوشی بن کے بگولا
کرتی ہے میری گور پہ جنگل کی ہوا رقص

پہلو میں تڑپتا ہے ہمارے دل پُر داغ
طاؤس چمن کرتا ہے یہاں صبح و مسا رقص

تھمتی نہیں وحشت میں ذرا پاؤں کی گردش
ہر خار پہ کرتا ہے ترا آبلہ پا رقص

دل توڑ دیتے ہیں ترے گھونگرو کی صدا نے
کر دیتا ہے پہلو سے کلیجہ کو جدا رقص

تم بھی تو ذرا دیکھ لو مقتل کا تماشا
خنجر کی نئی چال ہے بسمل کا بنا رقص

کھائے ہوئے ہم ٹھوکریں اس در کی ہیں شعلہ
اک پانو سے کرتا ہے جہاں قبلہ نما رقص

زخم پژمردہ کو بدلوں نہ گلِ تر کی عوض
داغ کھوٹا بھی اگر ہو تو نہ دوں زر کی عوض

کچھ وہ راضی تو ہیں لے لینے پہ خنجر کی عوض
اچھا سودا ہے جو چھٹ جائے کہیں سر کی عوض

زور بازو کو کہیں بیچتے ہیں زر کی عوض
ہم غلامی کریں یوسف سے برادر کی عوض

حشر تک حسرتِ دیدار نکلنے مت دو
منہ چھپائے رہو یہاں جلوۂ محشر کی عوض

گالیاں کوسنے عاشق کو نہ دیجے سرِ راہ
گھر میں جو چاہے سو کہہ لیجئے باہر کی عوض

لیچلا خط کو میرے اب دلِ حیراں میرا
اڑتی ہے بلبلِ تصویر کبوتر کی عوض

رنگ نکھرا ہے نزاکت نے کھلایا ہے چمن
اینو زیور کے نشاں کافی ہیں ٹو کی عوض

چٹکیاں لیتا ہے قصّا و دمِ جوشِ جنوں
انگلیاں خون میں ڈوبی رہیں نشتر کی عوض

کوئی تو چیز ہو پہلو میں برائے تسکیں
آپ کیا دینگے بتا دیں دلِ مضطر کی عوض

بال سونگھے ہیں ہمیں ہاتھ لگایا ہی نہیں
بل کمر کھاتی ہے کیوں زلفِ معنبر کی عوض

چرخ نے مجھ سے نکالے ہیں کہاں کے بدلے
سو و کھائے ہیں ستم ایک ستمگر کی عوض

اک دم ہی سہی پر کچھ تو ہو فنا کی لذت
عمر جاوید کو ہم دیتے ہیں دم بھر کی عوض

طعنۂ صبر و وفا ہی میں ہوئی صبحِ وصال
اس نے باتوں میں لپیٹا مجھے بستر کی عوض

کاش رونیکا نہ اُن پر کوئی عقدہ کھلجائے
قطرہ ہو جائے نہ دریا کہیں گوہر کی عوض

نغمہ سنجی نے پھنسایا ہے قفس میں شعلہ
توڑی صیاد نے منقار مری پر کی عوض

آؤ ملجاؤ گلے تیغ دو پیکر کی عوض
تم ہی اک ہاتھ بڑھا ہوا آگے کو خنجر کی عوض

ہم کو منظور ہے ٹھہرائے اطہر کی عوض
ہو مگر پیر مغاں ساقیٔ کوثر کی عوض

حسن کی خاک اڑی عشق عدو میں کیا کیا
اب تو مٹی بھی نہیں زلف میں عنبر کی عوض

آپ تھے درد و غم ہجر تھا یا رشکِ عدو
اور کیا چیز تھی ملتی جو مقدر کی عوض

غیر کیا پلۂ میزانِ محبت جانے
سر کو ہم بیچتے ہیں تول کے خنجر کی عوض

شوق دیدار خدارا دمِ تحریر نہ پوچھ
چھپ گیا تارِ نظر حرفوں میں مسطر کی عوض

کوئی در پردہ مگر محو نظارہ ہے ضرور
آنکھیں آئینہ میں پیدا ہوئیں جوہر کی عوض

غیر کا چھوٹا ہی پھینکو بھی کہیں ہاتھ سے تم
یوں نہ پیمانِ وفا توڑیے ساغر کی عوض

عشق گر باعثِ خود بینیٔ معشوق ہوا
آئینہ مار دو میرے سر سے سکندر کی عوض

قتل مقتل میں کئی دیکھ کے اپنے شیدا
آنکھیں پائیں تری تلوار نے جوہر کی عوض

تم ہی آجاؤ نہ آنکھوں میں تصور کی جگہ
کیا برا ہے جو بدل لیجے گھر گھر کی عوض

کچھ نہ خاک بھی عاشق کو نہ آرام ملا
آسماں ٹوٹ پڑا قبر پہ چادر کی عوض

سب قیامت کہے ہیں مگر کہیں اٹھ بھی بیٹھو
تم ہی ہو جاؤ کھڑے فتنۂ محشر کی عوض

مجھ سے آوارۂ دنیا کا ٹھکانا کیا ہو
یہ خرابی ہے کہ صحرا بھی نہیں گھر کی عوض

شعلہ ہو جاتے ہیں بے لطف مضامینِ سخن
داد نافہمِ سخن دے جو سخنور کی عوض

پڑتی رہی عدو پہ نگاہ غضب غلط
ناوک فگن کے تیر گئے سب کے سب غلط

انجام کی خبر نہ خبر ابتدا کی ہے
نکلا تمام صفحۂ ہستی عجب غلط

چیں بر جبیں ہیں شکوۂ آخر سے بار بار
کیسے سمجھ رہے ہیں مجھے جاں بلب غلط

رُخ سے اُلٹ پلٹ کے سرِ بام زلف کو
تم نے تو کر دیئے ہیں عجب روز و شب غلط

اے دل کچھ اُن کا پاس نزاکت بھی چاہئے
ہیں بیقراریاں نری اور بے ادب غلط

جکڑا دولت کے کھائے تو نالہ کا نام ہے
کرتا ہوں آسمان کی گردش کو اب غلط

نقشِ قدم کی طرح نہ اُٹھوں گا خاک سے
ہاتھوں سے تم مٹاؤ ہیں ہوتا ہوں کب غلط

دل سے نکل گئی تو رہی کس کی روک ٹوک
لب پر رُکی ہے آہ اجازت طلب غلط

جوشِ قلق میں شکوۂ دشمن بجا رہے
نکلے میرے قصور کے سارے سبب غلط

مانا کہ سُن لیا ہے مگر اس کا کیا علاج
کہتا ہوں حال دل تو وہ کہتے ہیں سب غلط

شعلہ نہیں شراب تو خونِ جگر سہی
آخر کسی طرح تو ہو رنج و تعب غلط

گُل ہیں داغِ جگر خدا حافظ
کھا نہ جائے نظر خدا حافظ

دامِ گیسو بچھا رہا ہے کوئی
دل بے بال و پر خدا حافظ

ہائے کہنا شبِ وصال اُس کا
ہو گئی لو سحر خدا حافظ

داغ تازہ پسند کرتا ہے
گل زمینِ جگر خدا حافظ

حشر میں اور کوئی حشر نہ ہو
آیا وہ فتنہ گر خدا حافظ

آفریں ہمتِ نظر بازی
دل و جاں و جگر خدا حافظ

برق یا نالۂ دل بیتاب
کچھ تو ہے چرخ پر خدا حافظ

اے گریباں شبِ وصال گئی
صبح ہے پردہ در خدا حافظ

آپ چلنے تلک نہیں پائے
وہ چلی اب کمر خدا حافظ

اے پسِ مرگ آرزوئے وصال
او اُمیدِ سفر خدا حافظ

آچکی لب پہ جان اے شعلہ
کس چلے ہو کمر خدا حافظ

سوزِ تپِ پنہاں کے بھی دیکھے گی اثر شمع
کچھ ہم سے لگی رکھے گی پھر پردہ اگر شمع

ہو جاتی ہے گل گو رپہ کیوں پیشِ سحر شمع
کچھ دیتی ہے تربت کے اندھیرے کی خبر شمع

ہے کثرتِ عشاق کہاں بزم کدھر شمع
پروانوں کے جھرمٹ میں آئیگی نظر شمع

یوں آہ دل و جاں سے شبِ ہجر بھی آگے
جوں پیشرو قافلہ ہنگام سفر شمع

وہ آئے اِدھر اُٹھ کے ہوا بزم کی بگڑی
کچھ خیر ہے بہکی ہوئی جاتی ہے کدھر شمع

جو آیا تری بزم میں جلتا نظر آیا
یہاں دل ہاں پروانہ اِدھر داغ اُدھر شمع

کچھ پردہ فانوس میں ہے منہ کو چھپائے
جلتی ہے شبِ وصل یہ اندازو گر شمع

دل ایسا جلا ہے کہ بجھائے نہیں بجھتا
کرتی ہے مرے سامنے کیا عرضِ ہنر شمع

انگشت حنائی جو اندھیرے میں اُٹھا دے
آجاتی ہے کافر کے اشارہ میں نظر شمع

بھڑکاتے ہیں وہ جنبشِ دامن سے ہوا کو
یارب نہ جلا دے کہیں تربت کا شجر شمع

وہ بزمِ مقدس ہے تری جسمیں شب و روز
خورشید جلاتا ہے بجھاتا ہے قمر شمع

او سوزِ محبت نہ اُٹھا منتِ شیریں
فرہاد کی تربت پہ ہو فرہاد کا سر شمع

اُٹھے جو وہ رقص ترے دستِ حنائی
تھا بیچ میں خورشید اِدھر شمع اُدھر شمع

سایہ کی عوض آگ برستی ہے لحد میں
جھک جھک کے نہ گورپہ ہر شاخِ شجر شمع

آہوں سے نہیں داغِ جگر کو کوئی خطرہ
آندھی میں جلی رکھتے ہیں اربابِ ہنر شمع

گر سوزِ محبت میں اثر کچھ نہیں شعلہ
ہے ماتمِ پروانہ میں کیوں خاک بسر شمع

کیا سوزشِ دل ہے جو دکھائیگی اثر شمع / پیدا تو کرے پہلے ہمارا سا جگر شمع

کس غیرتِ لیلیٰ کی اُٹھی شب کو سواری / ہے نجد کا ہر خارِ سرِ راہگذر شمع

عشاق تری بزم سے جاتے ہیں نکالے / پروانوں کو پروانگی دیتی ہے مگر شمع

آنکھوں میں جو چھایا ہے اندھیر اشبِ فرقت / گر پڑتا ہوں ٹھوکر لگے جو آتی ہے نظر شمع

کیا کثرتِ پروانہ کوئی میری خطا تھی / محفل میں اُٹھا کر جو پٹکدی میرے سر شمع

دو ابروؤں کے بیچ میں قشقہ نہیں کھینچا / کافر نے جلالی در کعبہ پہ مگر شمع

محفل میں تری شرم سے تھا جوشِ ندامت / ڈوبی ہوئی پانی میں رہی تا بسحر شمع

مجھکو تو اندھیرے میں بھی آنے نہیں دیتے / جاتی ہے بلانے کے لئے غیر کے گھر شمع

رہتا ہے شب و روز خیالِ رُخِ روشن / پروانو چلو جلتی ہے یہاں آٹھ پہر شمع

پیری میں بدن توڑ کے نکلے گی مگر جاں / فانوس کو چٹکا لے گی ہنگامِ سحر شمع

اس محفلِ یکرنگ کا پروانہ ہوں شعلہ
جلتی نہیں گُل ہو کے جہاں بار دگر شمع

ہے میری قدر تیغ کو میں قدر دانِ تیغ / بسمل وہ ہوں کہ جسپہ نکلتی ہے جانِ تیغ

ظالم ملا دے میری زباں سے زبانِ تیغ / کرنے دے آج تیغ سے کچھ امتحانِ تیغ

میرا لہو پئے گی کہاں تک زبانِ تیغ / فوارے بن رہے ہیں لبِ خونچکانِ تیغ

میں سرخرو ہوا تو عدو زرد ہو گیا / مقتل میں دیکھ فصلِ بہار و خزانِ تیغ

تیغِ نگاہِ شرم نے کھلنے دیا نہ حال / زخمِ نہاں سے پوچھئے رازِ نہانِ تیغ

ایک ایک تیز نیمچہ سے یہاں لاکھ لاکھ داغ / سو سو نشانیاں تری اک اک نشانِ تیغ

ترچھی نظر پہ جنبشِ ابرو بھی ہے ضرور / تیرِ نگہ کو تانئے لیکر کمانِ تیغ

زانو پہ رکھ کے گوشۂ دامن سے ڈھانپ لو
رکھو نہ بے نقاب رخِ ارغوانِ تیغ

سینہ میں کھپ گئی تو نکالوں کہاں سے تیر
دل میں اتر گئی تو کہاں ڈھونڈوں نشانِ تیغ

میرے لہو سے دامنِ قاتل ہے پُر بہار
پھولا پھلا ہی کیا چمنِ بے خزانِ تیغ

مژگاں اگر کہیں سرِ نشتر کی نوک لوں
ابرو اگر کہے تو کروں امتحانِ تیغ

دریا کی طرح جوش ہے رکتا نہیں کہیں
پست و بلند پر ترا آبِ روانِ تیغ

ہر زخم یہاں ہو باعثِ آرائشِ بدن
اتو ہوئے ہیں جامۂ تن پر نشانِ تیغ

یہاں موت زندگی مری قاتل کے ہاتھ ہے
کیا توسنِ حیات ہو ہمعنانِ تیغ

ٹانکے لگائینگے رگِ جاں سے جگر ہیں ہم
بخیہ کریں گے بیٹھ کے زخمِ نہانِ تیغ

بے میرے قتل گاہ میں بسمل رہے پڑے
یوسف بغیر چل نہ سکا کاروانِ تیغ

پھولے پھلے سے بھی نہیں ظالم کے فائدہ
بے شیر شاخ تیغ کا پھل ہے زبانِ تیغ

تشبیہ تیغ لیلیٰ پردہ نشیں سے ہے
مقتل اگر ہے نجد تو محمل میانِ تیغ

اے شعلہ اور بھی سہی ایک مطلع بلند
جس سے زمینِ تیغ بنی آسمانِ تیغ

گردن میں بن گئی رگِ گردن نشانِ تیغ
آیا گلے گلے تلک آبِ روانِ تیغ

قصہ مسیح و مرگ کا ہو داستانِ تیغ
جھگڑا ڈھونڈ ڈالنا لبِ معجز بیانِ تیغ

پروانہ کے لئے بھی اگر حکم قتل ہو
پیدا مثال شمع ہو سر پر زبانِ تیغ

شب قصہ گو کی بات پہ کٹ کٹ گیا ہی جی
یا میری سرگذشت تھی یا داستانِ تیغ

ابرو کے کب اشاروں کا وعدہ وفا ہوا
لوٹے تھے بات بات ہیں گویا زبانِ تیغ

دل میں نگاہ چھپکے جگر چاک کر گئی
آئی بسانِ تیر تو نکلی بسانِ تیغ

خم ہو گئی تو گردنِ بسمل میں ہار تھی
کتنا سبک ہی پھول سے بارِ گرانِ تیغ

کیا سر کے بل چلیگا کوئی راہِ عشق میں
جائے نشانِ نقشِ قدم ہے نشانِ تیغ

ابرو پہ تِل بنا نگہہ بد کے واسطے
زنگی پسر ہوا ہے مگر پاسبانِ تیغ

گردوں نے کب جڑے ہیں ستارے ہلال پر
جوہر چمک رہے ہیں مگر درمیانِ تیغ

گردن جھکا کے جیسے کوئی نازنیں چلے
اتنو تمہاری شان سے ملتی ہی شانِ تیغ

گا ہے ہلالِ عید گہے کہکشاں بنا
گردوں پہ لاکھ رنگ سے پہنچا نشانِ تیغ

ہم جب تلک جئیں وہی دم خم بنا رہے
یارب وفا شعار ہو عمرِ جوانِ تیغ

یہاں سیدھی ترچھی نظروں کا ہی زخم ایک سا
کچھ آپ ہی سمجھتے ہیں سود و زیانِ تیغ

بسمل تمہارا سایۂ شمشیر میں دبا
ٹوٹا پڑا ہے سر پہ مگر آسمانِ تیغ

جو آئے سامنے سرِ بازار قتل کر
اے ابروئے خمیدہ لگا دے دکانِ تیغ

شعلہ نگر ہے کوچۂ قاتل ادب کی جا
یہاں سر کے بل چلے تو نہیں کسرِ شانِ تیغ

نالۂ دل اک طرف ہی شورِ محشر اک طرف
ساری دنیا اک طرف ہیں نیند پڑ اک طرف

ہوں گدائے عشق کوچہ میں پڑا رہنے بھی دو
در پہ مجکو بھی لگا لینے دو بستر اک طرف

تھا ہجومِ حسرت و یدار کیا بعدِ فنا
بیکسی بیٹھی رہی تربت کے باہر اک طرف

ہیں تو ہیں تیغِ ستم سے غیر بھی چور نگ ہیں
اب تمہارے ہاتھ تو چلنے لگے ہر اک طرف

آج تو کچھ جذبۂ دل کشمکش ہے چار سو
دیکھتا ہوں بزم میں دیکھیں وہ کیونکر اک طرف

اُف رے جوشِ بحرِ غم اللہ رے سیلابِ اشک
سات دریا اک طرف اور دیدۂ تر اک طرف

شوق سے آجاؤ سینہ میں نہیں ہی کوئی غیر
آرزو بیٹھی رہیگی دل کے اندر اک طرف

دفتر بخشش میں گو ہی تیری رحمت بےحساب
مجکو بھی لکھ لے کہیں اے نکتہ پرور اک طرف

چرخ کا شکوہ کبھی شکوہ جفائے یار کا
سارے صدمے اک طرف اور جان مضطر اک طرف

شعلہ قسمت سے عجب کچھ انقلاب بزم ہی
چلتے چلتے رہ گیا ہی دور ساغر اک طرف

آپ میں اور نوبہار میں فرق
میں بتادوں کہو ہزار میں فرق

اب اجل بھی نظر نہیں آتی
آگیا چشم انتظار میں فرق

کینہ جو ہے ستم پرور ہے
کچھ تو ہے چرخ نابکار میں فرق

جان کو سمجھے ہیں بے وفا جب سے
آگیا تیرے اعتبار میں فرق

بات سمجھی نہ سخت جانی نے
پڑ گیا شان جاں نثار میں فرق

داغ گنتے رہے قیامت تک
رہ گیا پھر بھی کچھ شمار میں فرق

شعلہ کتنے ہوس زمانہ کی
روز ہے طرز روزگار میں فرق

ضبط فغاں سے آگئی ہونٹوں پہ جان تلک
دیکھو گے میرے صبر کی طاقت کہاں تلک

غفلت شعار ہائے تغافل کہاں تلک
جیتا رہیگا کون ترے امتحان تلک

واعظ کا ربط ضبط چھپاؤں کہاں تلک
توبہ کی بات پہونچی ہی پیر مغاں تلک

وہ میری آرزو تھی جو گھٹ گھٹ کے رہ گئی
وہ دل کی بات تھی جو نہ آئی زباں تلک

جوش جنوں سے دامن گردوں بھی چاک ہی
پہونچے زمین کے ہاتھ مگر آسماں تلک

ڈھونڈھوگے پھر بھی مشق ستم کیلئے مجھے
دشمن جفا سہے گا تمہاری کہاں تلک

گلشن میں آکے تم تو عجب حال کر گئے
بھولے ہوئے ہیں مرغ چمن آشیاں تلک

پامال کر کے خاک اڑانے سے فائدہ
ایسے چلو کہ میرا مٹا وو نشان تلک

یاد آئے چھٹکے دام سے صیاد کے کرم
پہونچا وو کوئی مجکو میرے مہربان تلک

کہتا ہی کون مرگ اجازت طلب نہیں
یہاں دم رکا ہوا ہی فقط تیری ہاں تلک

دل گرمی رقیب سے جل بھن کے رہ گیا
اور میرا ضبط دیکھ نہ اٹھا دھوان تلک

شعلہ کے بعد ختم ہے ایجاد طرز نو
کچھ لطف تھا سخن کا اسی خوش بیان تلک

ہے گلشن حیات کا بے اعتبار رنگ
ٹھہریگا کتنی دیر یہ ناپایدار رنگ

بدلے ہی روز روز نئے روزگار رنگ
گردوں کے ایک رنگ میں نکلے ہزار رنگ

مخلوط ہو کے بھی ہیں عناصر جدا جدا
کیا خوب ایک پانی میں گھولے ہیں چار رنگ

اب زرد ہو کے چہرۂ عاشق ہو سرخ کیا
چڑھتا نہیں اتر کے یہاں بار بار رنگ

ہجراں میں زرد چہرہ ہی آنکھیں سفید ہیں
الٹا چڑھا رہی ہے شب انتظار رنگ

چھینٹے لہو کے گنتے ہو دامن پہ کیوں ابھی
عاشق کا خون لائیگا روز شمار رنگ

ایک ایک بوند کر کے نکلجائے دلکا خون
سارا نچوڑ لے مژۂ اشکبار رنگ

کیوں میری خاک دامن قاتل کی ہی بہار
شعلہ جما رہا ہے کچھ اپنا غبار رنگ

وہ میں نہیں کہ چھپائے پھروں کنار میں دل
جو لینے والا ملے پھینکدوں ہزار میں دل

گیے سرشک میں ہی لگا ہے انتظار میں ہے
بہت دنوں سے ہی آنکھوں کے اختیار میں دل

نہ خوف غم ہی کہ آتا نہیں کنار میں دل
مچل گیا مرا آغوش غمگسار میں دل

ہزار عرصۂ محشر ہو سیر کے قابل
اٹھے گا کون اگر لگ گیا مزار میں دل

بُرا ہو سوزِ دروں کا بدل گئی صورت
اُڑی وہ خاکِ جگر اَٹ گیا غبار میں دل

تمہیں بتاؤ کہ قابو ہے کیا طبیعت پر
تمہیں کہو کہیں ہوتے ہیں اختیار میں دل

اُٹھا قدم کو ذرا طفلِ اشک آہستہ
کہ مثلِ شیشہ شکستہ ہے کنار میں دل

اُٹھے گا حشر لگائیگا کوئی تو ٹھوکر
کہ راہ دیکھتے ہیں رکھ کے رہگذار میں دل

وہی ہے نالۂ پُر درد ناتوانی میں
یہ نغمہ تار میں ہے یا ہے جسمِ زار میں دل

تمہارے تیر کی حسرت کو بھی جگہ ملجائے
جو ایک اور بھی نکلے دلِ فگار میں دل

یہ کس کا آبلہ پا سوئے دشت آتا ہے
پرو دیا قیس کا لیلیٰ نے خار خار میں دل

تمہیں نے خاکِ کدورت بھری ہے پہلو میں
تمہیں نے دیکھا تھا آئینہ سا کنار میں دل

مرے ہی نالوں نے رخنہ کئے ہیں پتھر میں
مرا ہی گرمِ فغاں ہے ہر اک شرار میں دل

بجائے اشکِ ندامت امیدِ رحمت پر
نکلکے آیا ہے چشمِ گناہگار میں دل

کہاں دکھائے شعلہ ہجومِ حسرت میں
کہاں بتائے غمہائے بے شمار میں دل

ہوئے ہیں خون تماشائے نوبہار میں دل
پسے حنا کی طرح سے خرامِ یار میں دل

نہ دوں تو کیا کہیں لیجاؤ لگا مزار میں دل
ابھی نکال دوں ہو بھی مگر کنار میں دل

وہ شوقِ گریہ ہو اک دم نہ سلسلہ ٹوٹے
گرہ لگاتا ہے اشکوں کے تار تار میں دل

عدو کو قول تو دیتے ہو ہاتھ سے لیکن
نہ ٹوٹ جائے کوئی عہدِ استوار میں دل

ابھی ہوں پھر وہی مخمورِ چشمِ مست سیہ
ابھی ہے جامِ تغافل ترے خمار میں دل

اُٹھا ہو سینہ و پہلو سے جوششِ گریہ
کنار میں ہے کہ ہے بحرِ بیکنار میں دل

وہ درد دے مجھے ساقی کہ درد نیچا ئے
بدن کی طرح سے ٹوٹا کرے خمار میں دل

دکھا دکھا کے لحد کو سکندر و جم کی
سنا رہا ہے فسانہ مجھے مزار میں دل

ذرا سرک کے سرہانے سے بیٹھنے دیجے
نہ بیکسی کو کہیں کھینچ لے مزار میں دل

وفورِ غم سے ہے پہلو میں کچھ تہ و بالا
یہ اضطرار ہے دل میں کہ اضطرار میں دل

ضرور نکلے گی اب کے تو کچھ کدورت بھی
غبار آنکھوں میں آیا ہے اور غبار میں دل

کوئی کسی کو بھی دیتا ہے مال بے مطلب
سوال بوسہ ہے دستِ امیدوار میں دل

خدا کے واسطے نالوں کو روک اے شعلہ
پھر آ یا تا بگلو آہ شعلہ بار میں دل

ہوئے اب تو خنجر اُٹھانے کے قابل
بنے ہو گلے سے لگانے کے قابل

نہیں دیدۂ تر بہانے کے قابل
ہر آنسو ہے موتی لٹانے کے قابل

وہ آئے تو کب آئے پردے سے باہر
ہوا جب میں اُن سے چھپانیکے قابل

ہم اپنی ہی دیوار سے پھوڑ مرتے
اگر سر ہی ہوتا اُٹھانے کے قابل

زمیں پر سے اہلِ جہاں کو ہٹا دو
جگہ چھوڑ دو تلملانے کے قابل

ابھی سے مری جان غیروں سے وعدے
ابھی ہو تو لو آنے جانے کے قابل

تبسم سے کیا خندۂ گل کو نسبت
کہیں منہ بھی ہے مسکرانے کے قابل

خدا کے لئے گیسوؤں کو نہ بل دو
یہ موذی نہیں سر چڑھانے کے قابل

مری قیس کی کوہکن کی کہانی
یہ قصے ہیں سننے سنانے کے قابل

نہ آئے کہیں موت عشقِ بتاں میں
الٰہی رہیں منہ دکھانے کے قابل

دلِ سوختہ خال ہندو پہ مائل
مسلماں کا مُردہ جلانے کے قابل

بتوں سے امیدِ وفا کب ہے شعلہ
زمانہ نہیں دل لگانیکے قابل

زوروں پہ آگیا دلِ دیوانہ آجکل
او لاغری یہ ہمتِ مردانہ آجکل

دل کے قریں ہے جلوۂ جانانہ آجکل
کعبہ میں ہو گئی ہے رہ بتخانہ آجکل

ساقی کہاں کا شیشہ و پیمانہ آجکل
ایک گھونٹ بھی نہیں خمِ میخانہ آجکل

رہتا ہے گرمجوشیِ اغیار کا خیال
گھر میں دبی ہے آتشِ بیگانہ آجکل

پہلو میں اس کو گھر ہی نہ سینہ میں ہی جگہ
کیا ہے خرابیِ دلِ دیوانہ آجکل

کیوں بے پئے شراب کے خود رفتگی سی ہے
دل میں ہے کس کا جلوۂ مستانہ آجکل

گھیرا ہے اس قدر کہ سمائے نگاہِ ناز
زخمِ جگر ہے تیغ کا پیمانہ آجکل

یہاں قصے ہو رہے ہیں تمہارے خیال کے
اک خواب سا ہے طور کا افسانہ آجکل

قرباں ہوئے ہیں اک گلِ آتش مزاج پر
دل بن رہا ہے بلبل و پروانہ آجکل

انکی بھی آنکھ کھل گئی پہونچا ہی دور تک
اے خوابِ بیخودی ترا افسانہ آجکل

اے شعلہ شمع پھرتی ہے سر پر اٹھائے گل
بحرِ طوافِ مشہدِ پروانہ آجکل

بیزار آہ سے ہیں اثر اور اثر سے ہم
آیا ہے تنگ ہم سے جگر اور جگر سے ہم

کھلتا نہیں ہے بھید نگاہوں کی بات کا
آنکھوں سے کہہ رہی ہے نظر اور نظر سے ہم

اے طرز اختلاطِ شبِ وصلِ ناتواں
لپٹی ہے گیسوؤں سے کمر اور کمر سے ہم

کہئے کہاں سے آئیں گریباں نئے نئے
مانگے ہے روز ہم سے سحر اور سحر سے ہم

وہ اور کون ہے جو کہے گا پیامِ دل
تم سے حیا حیا سے نظر اور نظر سے ہم

کہتے ہیں وہ یہ کیسی نزاکت ہے اے خدا
اٹھتی نہیں ہے ہم سے کمر اور کمر سے ہم

شعلہ بفیضِ طبع وہ اہلِ کمال ہیں
ظاہر ہوا ہے ہم سے ہنر اور ہنر سے ہم

لیں لوٹے پیرہن تری گلہائے تر سے ہم
چھینیں شمیم زلف نسیم سحر سے ہم

کون آگیا نظر میں جو حیرت پسند ہیں
مثل نظر چھپے ہیں کچھ اپنی نظر سے ہم

آئی بہار چھوڑ کہیں گر پھڑک اٹھے
صیاد توڑ دینگے قفس بال و پر سے ہم

اچھا کہا جو غیر کو اچھا وہی سہی
پر ہم سے یہ تو کہئے بُرے ہیں کدھر سے ہم

محشر تلک نہ ہاتھ سے دامن کو چھوڑتے
پھر جی میں ڈر گئے تری نازک کمر سے ہم

نالہ پکارتا ہے اکھاڑوں فلک کے پاؤں
اور اشک کہہ رہے ہیں گذر جائیں سر سے ہم

ہاں اے خراش ناخن غم کیا مزے دئے
منہ چوم لیں ترا لبِ زخمِ جگر سے ہم

اے دل ہے خوں بہا کے لئے اضطراب کیوں
کیا حشر مانگ لائیں کسی فتنہ گر سے ہم

شعلہ ہمارا داورِ روزِ جزا نہ تھا
شکوہ زباں پہ لائے نہ ظالم کے ڈر سے ہم

کون ہے تجھ سے جو دوچار نہیں
ایک میں ہی گناہگار نہیں

ہائے فصل و بہار جوشِ جنوں
یہاں گریباں میں ایک تار نہیں

سیکڑوں درد اک نہیں دل و جاں
لاکھ غم کوئی غمگسار نہیں

ہم نہیں وہ جو ایک بھی مانیں
آپ کرتے رہیں ہزار نہیں

سب سہی گل بھی ہے مے بھی مطرب بھی
تو نہیں ہے تو کچھ بہار نہیں

وصل کیا جیتے ہجر کے ہوں مزے
وعدہ کیا جس کا انتظار نہیں

غیر سے مل کے کیوں نکالتے ہو
ہیں کدورت کا کچھ غبار نہیں

ہاتھ آجائے آپ کا دامن
حشر کا بھی کچھ انتظار نہیں

کیا ثباتِ دو روزہ پر مرے
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

سیکڑوں بار غیر سے بگڑی
ہیں تو ہیں تم کسی کے یار نہیں

اس کے کشتوں کا کیا پتہ شعلہ
کہیں تربت نہیں مزار نہیں

کیا لئے جاتے ہو چپکے سے چھپا کر ہاتھ میں
دل نہیں ہے گر تو کیا ہے بندہ پرور ہاتھ میں

تیز ہو جاتا ہے آکر کند خنجر ہاتھ میں
تیغ میں ہوتے ہیں جوہر یاں ہیں جوہر ہاتھ میں

جو نہیں پابندِ دنیا کب ہے پابندِ قفس
طائرِ جاں کے کبھی آتے نہیں پر ہاتھ میں

بیقراری سے شبِ فرقت قیامت ہو گئی
میں جو تڑپا آگیا دامانِ محشر ہاتھ میں

تل ہتھیلی کا ہے دانہ اور لکیریں دام ہیں
طائرِ رنگِ حنا آتا ہے اُڑ کر ہاتھ میں

بیخودانِ باغ کو صیاد سے ہے کیا گزند
بلبلِ تصویر کے آتے نہیں پر ہاتھ میں

غیر ساقی اور وہ بدمست یارب خیر ہو
کیوں نزاکت سے نہیں اٹھتا ہے ساغر ہاتھ میں

حشر کے دن گور میں تصدیعِ بیداری نہو
اے اجل لیجا ابھی سے جسم لاغر ہاتھ میں

میری تربت پر ہجومِ عندلیباں ہو گیا
کون آتا ہے لئے پھولوں کی چادر ہاتھ میں

حضرتِ دل وہ نہیں سنتے کسیکا ایک حرف
تم لئے بیٹھے ہو یاں دفتر کا دفتر ہاتھ میں

جذبۂ دل نے جو گھیرا پا بہ منکر چل دئے
ہاتھ کا پانوں میں اور پانوں کا زیور ہاتھ میں

لے اڑا کیا اضطرابِ جستجوئے نامہ بر
میں جو اچھلا آ گئے جبریل کے پر ہاتھ میں

مفلسوں کا بھی خدا ہے تم بھلا آؤ گے کیوں
آجکل کی عاشقی کو چاہئے زر ہاتھ میں

جوشِ وحشت اور ہے اور ناتوانی اور ہے
پانوں آخر رہ ہی جاتے ہیں الجھ کر ہاتھ میں

تم کو خود بیں کر دیا محشر میں لیکر جاؤ نگا
آئینہ زیرِ بغل دستِ سکندر ہاتھ میں

ہوں وہ دیوانہ ترا صحرا میں جسکی دھوم تھی
دیکھکر مجنوں اٹھا لیتا تھا پتھر ہاتھ میں

کون کہتا ہے کہ تم نے غیر کو بوسہ دیا
دیکھئے تو اپنا منہ آئینہ لیکر ہاتھ میں

کل کسی کا خون ہو گا شہر میں مشہور ہے
شعلۂ مہندی لگ رہی ہے آج گھر گھر ہاتھ میں

کی میں نے آہ گرم جو فرقت کی رات میں
غل پڑگیا کہ آگ لگی کائنات میں

لاکھوں سے میں دوچار ہوا شش جہات میں
تجھسا نہ پایا ڈھونڈھ لیا کائنات میں

چلتی ہے تیرے ہاتھ قیامت قدم قدم
اعجاز عیسوی ہے تری بات بات میں

نیچی نگاہِ ناز نے کچھ تو چرا لیا
آنکھیں لگی ہوئی تھیں مگر دلکی گھات میں

مُردوں میں جان آگئی جب تیرے لب ہلے
عیسیٰ کو کیا کلام رہا تیری بات میں

سُن لے تمہارے گر لبِ جاں بخش کا مزا
مر جائے خضر ڈوب کے آبِ حیات میں

ایسے سخن ہیں کیا ہے مزا جسکے سامعین
معنی ہی ڈھونڈھتے پھریں کشف اللغات میں

کیا تاب شمع ہے سرِ محفل جو سر اُٹھائے
شعلہ زبان کٹتی ہے واں بات بات میں

ہزاروں کروٹیں بدلیں نہ آیا دل ہی قابو میں
خدا نے کوٹ کر بھری ہے بجلی کوئی پہلو میں

تنِ لاغر نے کیا کیا داغ کھائے عشق گلرو میں
یہ وہ کانٹا ہے جو تلتا ہے پھولوں کی ترازو میں

نہ سینہ میں نہ پہلو میں نہ آنکھوں میں نہ آنسو میں
الٰہی کون دل کو کھا گیا پہلو ہی پہلو میں

نہیں ہے نیلگوں ڈورے کی بندش پر نزاکت سے
نشاں زلفوں کی لٹکے پڑ گئے ہیں گورے بازو میں

پسندِ طبع آرائش نہیں وحشت پسندوں کو
کبھی دیکھا بھی ہے سرمہ کسی نے چشم آہو میں

خیالِ خال و یادِ کعبۂ ابرو میں جاں نکلی
مرے لاشہ پہ جھگڑا ہے مسلماں اور ہندو میں

دکھائے گی اثر گر بعد مُردن وحشتِ مجنوں
رہے گی روحِ لیلیٰ بنکے پتلی چشم آہو میں

کہا عنبر کسی نے اور کسی نے نافۂ مشکیں
ختن والوں نے کیا طرہ لگائے تیرے گیسو میں
اندھیری رات میں پہنا جو زیور لے اُڑا تجکو
کسی اُستاد نے جگنو جڑے ہیں تیری جگنو میں
لگائی رقص میں ٹھوکر تو محشر کا سماں باندھا
قیامت کا کوئی فتنہ چھپا ہے اُنکے گھنگرو میں
خیالِ آئینہ رو میں اگر اک دم نہ اُٹھے گا
سما جائیگا کیا کمبخت سر ہے میرا زانو میں

بغل میں آج شعلہ کون سوتا ہے کھلے بالوں
بسا ہے تیرا سارا گھر کا گھر گیسو کی خوشبو میں

یہ نالہ کب تلک اے شعلہ چپ رہو بھی کہیں
جو یوں ہیں مرنا ہے تم کو مر چکو بھی کہیں
نہیں جو حضرتِ دل ان کا اعتبارِ قسم
چھٹو عذاب سے کچھ کھا کے سو رہو بھی کہیں
ابھی سے بیٹھ گئے تھک کے قافلہ والو
ابھی تو دور ہے منزل چلو بڑھو بھی کہیں
خبر تو لو کوئی مرتا ہے دیکھو تو آؤ
بہانے کیسے ہیں اُٹھو چلے چلو بھی کہیں
اِدھر کے ہوں کہ اُدھر کے چھٹیں تو جھگڑو نسے
جو ہونا لکھا ہے قسمت میں اپنی ہو بھی کہیں
ضرور حضرتِ دل بے طلب ملے بوسے
نکالو بات کوئی منہ سے کچھ کہو بھی کہیں

نقاب اُٹھا کے وہ کہتے ہیں دیکھ لے نہ کوئی
جو شعلہ لینا ہے بوسہ تو جلد لو بھی کہیں

منہ سے تیری سو بار کے ترسائے ہوئے ہیں
کیا ظرف ہے غنچوں کا جو اترائے ہوئے ہیں
کہتے ہیں گو مجھ پہ جو دل آئے ہوئے ہیں
کچھ چھینے ہوئے ہیں مرے کچھ پائے ہوئے ہیں
خنجر پہ نظر ہے کبھی دامن پہ نظر ہے
کون آتا ہے محشر میں وہ گھبرائے ہوئے ہیں
لب پر ہے آہ تو آنکھوں میں ہیں آنسو
بادل یہ بہت دیر سے گھر آئے ہوئے ہیں
مے پیتے ہیں کیا ضد تھی کوئی زہر نہیں تھا
ہم تیری قسم شعلہ قسم کھائے ہوئے ہیں

شانہ تو کرتے چلو پہونچگی ایذا پاؤں میں
دیکھئے الجھیگی پھر زلفِ چلیپا پانوں میں

پھر بہار آئی چمن میں زور آیا پانوں میں
باندھ دے اے جوشِ وحشت لاکے صحرا پانوں میں

مانعِ راہِ فلک ہے آبلہ پائی مری
سوزنِ عیسی چبھو دیتی ہے کانٹا پانوں میں

آمد و شد ہے تری کس کے تصور میں مدام
وجہ کیا ہے روز پڑجاتا ہے چھالا پانوں میں

رفعتِ اعلیٰ سے ہوجاتا ہے ادنیٰ کو زوال
آفتاب آتا ہے جب سر پر تو سایہ پانوں میں

ہاتھ تم ملتے پھروگے مجکو کرکے پائمال
رنگ لائیگا مرا خونِ تمنا پانوں میں

ہاتھ اٹھا کر رقص میں دامن کو جب چکر دیا
ایک ہالہ گرد سر تھا ایک ہالہ پانوں میں

گردشِ چشمِ فسوں پرواز کس کی دیکھکر
سر پھرا گردن کے اوپر چکر آیا پانوں میں

کون آیا ہاتھ کیوں نکلے ہزاروں گور سے
مُردے کیوں چونکے یہ کسکا دامن الجھا پانوں میں

آبلہ کے ٹوٹتے ہی دشت میں طوفاں اٹھا
بنگئیں ساری لکیریں موجِ دریا پانوں میں

روز مہندی کا لگانا گھات سے خالی نہ تھا
دل لیا ہے دو جگہ یا ہاتھ میں یا پانوں میں

شعلہ یا ورلف میں یا تتک و دوتا قد ہوگیا
پا تو کا چکر ہے سر میں سر کا سودا ہوگیا

نہ خونِ دل ہے نہ مے کا خمار آنکھوں میں
بسی ہوئی ہے تمہاری بہار آنکھوں میں

پھرے ہیں پتلیاں بیگانہ وار آنکھوں میں
چھپا ہوا ہے کوئی پردہ دار آنکھوں میں

تو وہ شرر ہے کہ ٹھہرے نہ چار آنکھوں میں
میں وہ نحیف کہ کھٹکوں ہزار آنکھوں میں

بلائے جان ہو طلسمِ بہار آنکھوں میں
جو سرمہ ڈالئے وقتِ خمار آنکھوں میں

بھڑک رہا ہے دمِ شعلہ بار آنکھوں میں
ہر ایک اشک ہے سیماب وار آنکھوں میں

کہاں گئی تو دمِ نزع حسرتِ دیدار
وہ عکس دیکھتے ہیں بار بار آنکھوں میں

ہر ایک لختِ جگر سے گلِ تر و تازہ
ہر ایک اشک ہے ابرِ بہار آنکھوں میں

امیدِ جلوۂ دیدار بعدِ مرگ کہاں
بھری ہے یاس نے خاکِ مزار آنکھوں میں

میں دیکھ لوں کہ نکلتے ہیں کس طرح باہر
وہ آ بھی جائیں کہیں ایک بار آنکھوں میں

دئیے بغیر ترے باغ میں گلوں نے داغ
چبھوئے نرگسِ شہلا نے خار آنکھوں میں

کسی کی چشم زدن میں تھی اپنی عمرِ دراز
گذر گئے مرے لیل و نہار آنکھوں میں

الٰہی دیدۂ حیراں کھلا نہ رہ جائے
ٹھہر نہ جائے کہیں انتظار آنکھوں میں

یہ کیا غضب ہے پس پشت لڑ رہی ہے آنکھ
بہار لوٹے ہے آئینہ دار آنکھوں میں

وہ رونے والا ہوں شعلہ کہ بعدِ مرگ مرا
بنا ہیں مردمِ دیدہ مزار آنکھوں میں

وابستگیٔ کاکلِ خمدار ہے ہمیں
پھانسی بھی دیجئے تو سزاوار ہے ہمیں

اے ضعف اب تو جاں بھی گرانبار ہے ہمیں
اک لاکھ من کا بوجھ دلِ زار ہے ہمیں

گریہ میں موت آئی ہے ویرانہ گھر ہوا
رونے پہ مستعد در و دیوار ہے ہمیں

رشکِ عدو میں چین کہاں حشر سے فزوں
ہنگامۂ محبتِ اغیار ہے ہمیں

دنیا کے خوبرویوں کی زلفوں سے کام کیا
سرکار ہی سے ایک سروکار ہے ہمیں

پھر کیسا وعدہ وعدۂ فردا ہی ٹل گیا
اب تو قیامت آنے سے انکار ہے ہمیں

سنتے ہیں اپنے کان سے دل میں کسی کی بات
نالہ صدائے محرمِ اسرار ہے ہمیں

کیوں خونبہا کے نام پہ لڑتے ہو خیر ہے
صاحب گناہگار ہیں اقرار ہے ہمیں

نظارہ کر رہے ہیں ترا اپنے دل میں ہم
ناسورِ سینہ رخنۂ دیوار ہے ہمیں

دل یوں گرا ہے پہلو میں اور ہم پہ پھینک دیں
کیا کیجئے شعلہ خاطرِ بیمار ہے ہمیں

قرآں کی جا ترا خطِ رخسار ہے ہمیں
کافر نہیں کلام سے اقرار ہے ہمیں

کیا وقتِ مرگ ذوقِ لبِ یار ہے ہمیں
عیسیٰ کی بات بات پہ تکرار ہے ہمیں

یہ چُپ لگی کہ پیکرِ تصویر بن گئے
کس کی پسند شوخیٔ گفتار ہے ہمیں

سوتے میں اُن کے دامنِ نظارہ بھر لیا
کیا خوابِ ناز دولتِ بیدار ہے ہمیں

تم ہی کہو کہ کس سے کہیں شکوہ ہائے جور
آگے تمہارے بات بھی دشوار ہے ہمیں

احباب ہاتھ رکھتے ہیں آنکھوں پہ وقتِ مرگ
اے جاں ٹھہر کہ حسرتِ دیدار ہے ہمیں

عذرِ نزاکت آ ہی گیا شعلہ درمیاں
اب آرزوئے قتل بھی دشوار ہے ہمیں

مزا لیں ساقِ سیمیں کا عدو ہر بار چٹکی میں
نیا جوبن لٹا کرتا ہے کیوں سرکار چٹکی میں

کہاں وحشت جنوں سے جیب و داماں کی رہائی ہو
اُڑا دے جوشِ وحشت دامنِ کہسار چٹکی میں

کیا مشقِ خرامِ ناز نے پامال گلشن کو
کتر جاتی ہے کیا گل شوخیٔ رفتار چٹکی میں

نکالی جسم سے سو جان اک اک دست بڑی نے
ہزاروں مل دیئے دل اے بتِ خونخوار چٹکی میں

غضب وہ اُنگلیوں کی مشق سے طرزِ ستم سیکھے
اُٹھا لیتے ہیں اب تو آپ بھی تلوار چٹکی میں

دمِ ذبح ہے کیا صیاد کا انداز بیرحمی
دبائے بال و پر مٹھی میں اور منقار چٹکی میں

یہ کیسا فندقِ دستِ حنائی کا تصور ہے
بدل جاتا ہے رنگت آپ کا بیمار چٹکی میں

دہانِ زخم میں تیرِ نظر ہے اس طرح پنہاں
دبا لے ہے کوئی جیسے لبِ سوفار چٹکی میں

عبث فکرِ لحد ہے ناتوانوں کی جہاں چاہو
اُٹھا کر پھینک دیجے خاکِ جسمِ زار چٹکی میں

سرِ گیسو کا چھونا اک بلا کا سر پہ لینا ہے
کہیں دیتی بھی ہے شعلہ زبانِ مار چٹکی میں

صورتِ غنچہ نہیں رکھتے ہیں زر مٹھی میں
کوئی لیلو نئے پھرتے ہیں جگر مٹھی میں

ہاتھ گر پیرہن چست کا مضموں آئے
ایسا باندھوں تری آ جائے کمر مٹھی میں

لیکے چھو کر دیا دل میرا یہ منتر کیا تھا
ہے مگر کوئی تو جادو کا اثر مٹھی میں

اقربا کو نہ شکایت نہ عزیزوں کو گلہ
کر لیا غیر نے اس شوخ کا گھر مٹھی میں

ہاتھ ملتے ہی رہے اہلِ قفس دنیا کے
اُڑ گیا طائرِ جاں رہ گئے پر مٹھی میں

دستِ صیاد سے پھر کیا ہو رہائی کی امید
ذبح کرتا ہے مجھے داب کے پر مٹھی میں

ہاتھ میں ہے وہ صفائی وہ کشش نظروں میں
آنکھ اِدھر دل پہ پڑی آیا اُدھر مٹھی میں

ہاتھ کیا ہم کو دکھاتے ہو نظر بھی آ ہی
شرط ہم باندھتے ہیں قل ہو اگر مٹھی میں

کیا دُرِ اشک نے اے شعلہ لٹائے موتی
دیدۂ تر کی بدولت ہیں گہر مٹھی میں

اے آہ قہر جائے دمِ آتشیں نہیں
دشمن کا گھر نہیں کوئی عرشِ بریں نہیں

کیوں میرے اشک تفرقہ ڈالیں قریں نہیں
چُن لیجیے مجھے اس بیچ جہاں چین نہیں

بے لطف ہے وہ درد کہ جو دلنشیں نہیں
کس کام کا ہے دل کہ جو درد آفریں نہیں

کیا صاف ہو رہا ہے ہجومِ نگاہِ شوق
تل دھرنے کی جگہ ترے رخ پر کہیں نہیں

احباب اقربا کو ہے گور و کفن کی فکر
یاں سانس ہے وہم ہو چکا اور واں یقیں نہیں

قسمت کا لکھا کہ جو پامال سر ہوا
نقشِ قدم ہے آپ کا نقشِ جبیں نہیں

ٹپکے مزار میں یہ الٰہی نہ اشکِ گرم
جل جائیں کاش ہاتھ اگر آستیں نہیں

ہو جاؤ میری آنکھ سے پنہاں اسی دیر
احباب کر رہے ہیں دمِ واپسیں نہیں

ہوتی نہیں ہے چرخ میں کیوں رخنہ زناں
کیا تیرِ آہ میں پرِ روح الامیں نہیں

جینے کی آرزو ہو یہاں کس امید پر
دنیا میں خضر کے لئے گز بھر زمیں نہیں

کہہ آئے کیا عدو کو بھی آنے کے واسطے
کیوں خوش تمہارے آگے بیٹھے جانِ حزیں نہیں

لاکھوں کے سر اُڑائے اشاروں سے آپ نے
بل پڑ گئے ہیں تیغ میں ابرو میں چیں نہیں

کہتا ہوں میں بھی وصل کی شب کو شبِ فراق
اب آپ کہتے رہئے سحر تک نہیں نہیں

کیا شورشیں ہیں گور میں اے نالہ ہائے دل
وہ آسماں نہیں ہے یہاں وہ زمیں نہیں

دنیا میں شعلہ سیکڑوں آئے چلے گئے
یہ وہ مکاں ہے کوئی بھی جسکا مکیں نہیں

اُلجھ کر رہ گئیں ساری رگیں ذوقِ تپیدن میں
لپٹ کر تیغ پھندا پڑ گیا بسمل کی گردن میں

نہ مجکو صبر صحرا میں نہ مجکو چین گلشن میں
میں وہ کانٹا ہوں جو کھٹکا ہمیشہ چشمِ دشمن میں

دلِ پُر داغ نے کیا شعلے بھڑکائے مری تن میں
چراغ زیرِ دامن سے لگی ہے آگ دامن میں

جو اُلجھے پانو ہاتھوں میں تو لپٹے ہاتھ گردن میں
عجب کچھ لطف آتا ہے مری طرزِ تپیدن میں

یہ کیسی سخت جانی الفتِ طفلِ برہمن میں
پڑا جو وارِ خنجر کا بنا زنار گردن میں

لگا ہے آنسوؤں کا تار تم بھی اک نظر دیکھو
یہ موتی لُٹ رہے ہیں آؤ بھر لو جیب و دامن میں

تہ و بالا کیا ہے ذوقِ گریہ نے یہ اشکوں کو
چڑھی سینے سے آنکھوں میں گری آنکھوں سے دامن میں

ڈبونیکو تنِ عاشق کے پھر کچھ آنکھ بھر آئی
الٰہی خیر پانی آگیا کشتی کے روزن میں

تصور ہے کسی کا کوئی تو آنکھوں میں پھرتا ہے
نظر آتا ہے اک پردہ نشیں مژگاں کی چلمن میں

عدو سے کہہ رہے ہیں وہ کہ کوئی مر گیا ہوگا
خدا جانے مگر کھٹکا سا ہے آوازِ شیون میں

تری نظریں گواہی دینگی تیرے جور کی کیا کیا
ہو اگر روزِ محشر فرق مجھمیں اور دشمن میں

درِ زنداں پہ دیوانوں کو پھر وحشت نے للکارا
بہار آئی گریباں کر چلو پیوند دامن میں

بہارِ حسن میں اک دن نہ پایا خال کا بوسہ
نہ نکلا میری قسمت کا مگر اک دانہ خرمن میں

چمن میں آشیاں سے بھی نکلنا ہو گیا مشکل
دیا لاسا لگا صیاد نے شاخِ نشیمن میں

امیدِ قتل مژدہ ہو یقیناً اپنی باری ہے
سوئے مقتل وہ آئے دیکھے خنجر دستِ دشمن میں

دلِ پُر داغ روئے یار پر کیا محو رہتا ہے
چراغ اپنا سما جاتا ہے ہر شب شمعِ روشن میں

مژہ دیتی ہیں گر دل یہ بھی کچھ آبلہ پائی
خلش کانٹے کی گر ہوتی کہیں عیسیٰ کے سوزن میں

نمودِ خط کا ذکر آیا دمِ گریہ تو وہ بولے
ہرا ہی سوجھتا ہے ہر گھڑی اندھے کو ساون میں

نہ نکلے دم اگر تم پر لگے آگ ایسے مرنے کو
ملے ایسا کفن یارب پڑی خاک ایسے مدفن میں

مبارکباد لختِ دل بھی ہیں اشکوں میں اے شعلہ
مگر یاقوت پیدا ہو گئے ہیرے کی معدن میں

دل و جگر کا رہا اک حساب پہلو میں
یہ کس کا تیر ہوا کامیاب پہلو میں

چھپا ہوا ہے بتِ بے نقاب پہلو میں
غروب ہو ہی گیا آفتاب پہلو میں

اُتر کے اشک پئے خونِ ناب پہلو میں
کھنچی ہے ایسے وہ بارِ شراب پہلو میں

وہ بھر کے بیٹھے ہیں جامِ شراب پہلو میں
دکھائی دیتے ہیں دو آفتاب پہلو میں

سوالِ بوسہ کا پھر کیا جواب پہلو میں
خدا کرے انھیں آ جائے خواب پہلو میں

پڑا ہی رہ دلِ پُر اضطراب پہلو میں
جگہ نہیں تجھے خانہ خراب پہلو میں

جگر جلا تو ہے دل خونِ ناب پہلو میں
شراب پہلو میں نکلی کباب پہلو میں

گلہ کو عرصۂ محشر میں کون جاتا ہے
ہمارا آپ کا ہوگا حساب پہلو میں

شبِ وصال جو کاڑے کروٹیں بدلیں
دل و جگر کا ہوا انقلاب پہلو میں

ہمیشہ تیغ کا اقبال سر کے اوپر ہے
ہمیشہ تیر کی ہے آب و تاب پہلو میں

اٹھائیں یا و خدا و صنم کی کیفیت — جو رکھیں میرا سا دل شیخ و شاب پہلو میں
نفس کی ٹھیس سے بن بن کے ٹوٹ جاتے ہیں — جگر کے آبلے مثلِ حباب پہلو میں
وہ شہسوار گیا اور خیال میں رہا — چھٹی جو ہاتھ سے آئی رکاب پہلو میں
نہیں ہے نام کو بھی جان حضرتِ عیسیٰ — ٹٹولتے ہو کسے اے جناب پہلو میں

نہ آیا ذکرِ تپِ ہجر لب تلک شعلہ
یہ آگ رکھی ہے کیا وائے داب پہلو میں

آنکھوں کے سامنے ہو مگر کچھ خبر نہیں — اتنے نظر میں ہو کہ تم آتے نظر نہیں
حسرت سے دیکھنا کوئی عیبِ نظر نہیں — کیوں رخصتِ نظارہ بیداد گر نہیں
عشقِ بتاں میں ہستیٔ دل کی خبر نہیں — پتھر میں جب تلک ہے فروغِ شرر نہیں
چاروں طرف ہے سجدۂ ابرو میں خلق ہے — تم بیچ میں کھڑے ہو تو کعبہ کدھر نہیں
افتادگی سے عشق میں رتبہ بلند ہے — جو اشک آنکھ سے نہ گرے وہ گہر نہیں
الٹی نبرد عشق کے مردوں کی بات ہے — اہلِ جگر وہی ہیں کہ جن کے جگر نہیں
کیوں کھاتے ہو بارِ نزاکت سے پیچ و تاب — خنجر مجھے ہی دو جو تمہارے کمر نہیں
مایوسیٔ وصال سے کیا مردہ دل بنے — لب پر فغاں نہیں ہے فغاں میں اثر نہیں
شب بھر وہ گل دبا رہا آغوشِ غیر میں — نکہت سوارِ دوشِ نسیمِ سحر نہیں
آنکھوں سے چھلکے ٹپکے تو پینا ثواب ہے — مے کی طرح حرام یہ خونِ جگر نہیں
شب بھر جلا ہوں جنبشِ دامن کے واسطے — ہو جاؤں آپ گل وہ چراغِ سحر نہیں
پس پس گئے ہیں غیر کی کھا کھا کے ٹھوکریں — ہم خاکِ راہ ہو گئے تو راہ پر نہیں
احسانِ تیغِ منتِ صندل کہاں تلک — یا سر نہیں ہے دوش پر یا دردِ سر نہیں

خنجر سے بھی ہوا نہ سبک بار زندگی
کاندھے چھلے ہوئے ہیں جو گردن پہ سر نہیں

اے جان کیا ہی توشۂ واماندگی کی فکر
اک دو قدم عدم ہی کچھ ایسا سفر نہیں

کیا دل ہی دل میں گریۂ غم جذب ہو گیا
طوفاں بدوش کیوں مژۂ گاں تر نہیں

یاران رفتگان سے وہ کیا روشناس ہو
جو آنکھ نقش پائے سر رہگذر نہیں

کیا ہو گیا خیال دم تیغ آبدار
ظاہر شگفتہ روئی زخم جگر نہیں

دل سوختوں کو چاہیے کیا شعلہ پیرہن
جز خاک اور کوئی لباس شرر نہیں

گر تو رحیم ہے تو قیامت کا ڈر نہیں
رحمت سے تو گناہ مرے بیشتر نہیں

یہ راہ وہ ہے جس میں غم راہبر نہیں
خود رفتگی کے واسطے فکر سفر نہیں

موسیٰ سے بار بار ہے کیوں ذکر طور کا
کیا اہل حسن تم ہو ہم اہل نظر نہیں

دل پر بنی جگر پہ بنی جان پر بنی
ہنگامہ ہے کسی کی کسی کو خبر نہیں

کیوں الجھائے بوسۂ رخ یار بار ہو
گستاخ تیرا گیسوئے خود سر اگر نہیں

ہم حسرت نظارہ میں ٹھوکر سی پس گئے
پھر کیوں غبار سرمۂ اہل نظر نہیں

کچھ جامہ ور ضرور زلیخا کا شوق ہے
یوسف کو پیرہن کی بھی اپنی خبر نہیں

کیا ہو رہی ہے کوئی بلا دوش پر سوار
سودائیان زلف کی گردن پہ سر نہیں

وہ سر نہیں جو زینت زانو نہیں ہوا
زانو نہیں ہے وہ کہ جو پامال سر نہیں

یوں ہیں شب فراق میں اک عمر کٹ گئی
اے ہمنفس فسانۂ گیسو کا سر نہیں

قسمت میں تھا نہ آپ کا دیدار وقت قتل
الزام تیز دستیٔ جلاد پر نہیں

وہ صید ہوں میں بستۂ دام فراموشی
اے ہم صفیر یاد وہاں بال و پر نہیں

تم بھی دکھاؤ جلوۂ عالم فروز کو
موقوف حشر میری ہی فریاد پر نہیں

کیا بار یاب ہوں تری خلوت میں اہل حسن
مثل چراغ گوشہ نشیں بھی قمر نہیں

ہم پھر بھی دیکھتے تری تیغ آزمائیاں
پر کیا کریں کہ دوش پہ دو چار سر نہیں

اے اشک خاک و خوں میں ہی ملنا پسند ہے
دل میں جگہ نہیں تجھے آنکھوں میں گھر نہیں

جو چاہا تم سے کہدیا جو چاہا سن لیا
جب دل میں ہو تو حاجت پیغام بر نہیں

روشن ہے یہ کہ کوئی بھی مثل نگیں یہاں
جب تک کہ روسیاہ نہ ہو نام آور نہیں

دیتے عدو کے خندۂ بیجا کے سو جواب
ہم بھی بشر ہیں لیک طبیعت میں شر نہیں

شعلہ سخن کی جنس کا بازار بند ہے
دنیا میں قدر دانیٔ اہل ہنر نہیں

کبھی نظر میں نہ کھٹکوں نزار اتنا ہوں
اٹھا کے آنکھ میں رکھ غبار اتنا ہوں

بتوں کو چاہتا ہوں اسقدر مسلماں ہوں
شراب پیتا ہوں پرہیزگار اتنا ہوں

جو اس نے زور سے کھینچا تو چوم کر انگلی
پکارا تیر کلیجہ کے پار اتنا ہوں

نہ مجھکو خواہش دنیا نہ خواہش عقبےٰ
کرم سے دیکھ لو امیدوار اتنا ہوں

نحیف ہوں یہ غم یار تیرے کھانیکو
تجھے ثواب بھی بہت ہوں نزار اتنا ہوں

پس فنا مجھے گھبرا کے گور سے باہر
زمیں نے پھینکدیا بیقرار اتنا ہوں

غم فراق پکارا کہاں گئے دل و جان
ہنسی ہیں سینے میں بگڑی ہیں یار اتنا ہوں

کبھی کھلی نہ کسی پر تری نظر کی بات
دہان زخم سے رازدار اتنا ہوں

ابھی تو شعلہ وہی سوز دل ہے پیری میں
چراغ صبح ہوں بے اعتبار اتنا ہوں

وہ نازک ہے خلش ہے برگِ برگِ گل تر میں
نکال اے جنبشِ بادِ صبا سلوٹ ہیں بستر میں

گوندھی تھی پھول سب نرگس کے کچھ تو نکے زیور میں
پڑی آنکھیں کسی کی رہ گئی ہیں تیرے بستر میں

کہاں کی مے کہاں کا جام مینا ہجرِ دلبر میں
لہو آنکھوں میں بھر آیا جو ٹپکی بوند ساغر میں

جنوں پیغام لایا ہے جو کچھ چرچا ہے گھر میں
یہ کسکا ذکر ہوتا ہے جو دیواریں جھکیں در میں

لگا رشکِ عدو کا داغ ناحق جانِ مضطر میں
تجھی پہ مر کاش مر جاتے جو مرنا تھا مقدر میں

نہ کچھ کعبہ میں رکھا تھا نہ کچھ رکھا تھا پتھر میں
کسے ہم سجدہ کرتے تو ہی گر ہوتا مقدر میں

وہ چشمے ہیں جو پانی سے کریں سیر لب پیاسوں کو
وہ آنکھیں ہیں جو کام آئیں غمِ شبیر و شبر میں

عدم سے لوٹ کر آنا کوئی مشکل نہ تھا لیکن
سمندِ عمر کا جی چھوٹتا ہے ایک چکر میں

کسی پہلو گرانجانی سے یاں راحت نہیں ملتی
شرارِ سنگ کا عالم ہے مجھ میں اور بستر میں

مرے دم پر بنی ہے اور تمھیں دم دیتے آتے ہیں
یہاں تو اور کا کچھ اور ہوجائیگا دم بھر میں

اُدا ہیں ناز ہیں غمزہ ہیں تیغا ہیں تری آنکھیں
غضب کے دل چلے ہیں دو سپاہی سارے لشکر میں

جھلسنے لگا آفتابِ حشر گرمی میں مگر پنکھا
جگہ مل جائیگی تھوڑی جو دامانِ پیمبر میں

کہاں لیجائیگی بیتابیِ دل ہو گیا اتنا
زمین و آسماں کا فرق مجھ میں اور نشتر میں

بس اے آرائشِ حسن تصور اب گل افشانی
دبا جاتا ہے وہ نازک بدن پھولوں کے زیور میں

نکلجائے نہ روحِ ناتواں کیوں جنبشِ دم سے
سمندِ عمر کو سوں جا پڑا ہے ایک ٹھوکر میں

لحد نے یوں پسارے ہاتھ تیغ کو مری جیسے
کھلے آغوشِ مادر شوقِ طفلِ نازپرور میں

برسیگی جب تو یاد وہ آفتابِ حشر کی گرمی
تری رحمت پکاریگی ہے میدانِ محشر میں

چلے آؤ چلے آؤ چلے آؤ گنہگارو
ہزاروں کوس کا سایہ ہے دامانِ پیمبر میں

زباں میں تیری لکنت ہے کہ اعجازِ مسیحا سے
دوبارہ جان آجاتی ہے ہر حرفِ مکرر میں

کہاں ہے خون دل کمبخت پیکاں کی تواضع کو
بٹھا لیتے ہیں مہماں کو بلا کر یوں کہیں گھر میں

یہ کس نازک کمر کو وصل کا پیغام لکھتے ہیں
ہوئی جاتی ہیں ساری سطریں کج مسطر میں

شراب ناب کا کب جیتے جی تک رنگ چھٹتا ہے
یہ وہ دھبا ہے جو شعلہ ڈھلے گا حوض کوثر میں

دل سکھائے گا اگر جور و جفا یاد نہیں
ہم بتا لینگے اگر تم ستم ایجاد نہیں

نالہ گل کا سا نہیں کل سی فریاد نہیں
بلبل باغ کو پھر آج سبق یاد نہیں

کیا کہوں نزع میں کیوں شکوۂ بیداد نہیں
دم یہ یوں آ کے بنی فرصت فریاد نہیں

یاس لے شوق اسیری چمن آباد نہیں
پر نکلتے ہیں یہاں اور کہیں صیاد نہیں

کیوں دم حشر بھی دل شاکیٔ بیداد نہیں
کچھ تری چال تو اے غیرت شمشاد نہیں

وہی نالے تو ہیں تازہ کوئی فریاد نہیں
اٹھ کھڑا ہو بھی فلک کچھ نئی افتاد نہیں

سلسلہ ٹوٹنا اچھا دل ناشاد نہیں
دم جگہ سے نہ اٹھے جس میں کہ فریاد نہیں

لوگ کہنے کو تجھے رشک پری کہتے ہیں
آدمیت تو یہی ہے کہ پری زاد نہیں

سیکڑوں کو نگہ ناز نے گردن مارا
میں نہ مانونگا کہ آنکھیں تری جلاد نہیں

بے اثر اشک سے اچھا ہے جو آنکھیں پھوٹیں
ناخلف سے تو یہ بہتر ہے کہ اولاد نہیں

اپنے پر اپنی ہی منقار سے نوچے میں نے
کیا کروں تاب فراموشی صیاد نہیں

دل خراشی سے ہے کیا کوہکنی کو نسبت
ناخن غم سے فزوں تیشۂ فرہاد نہیں

بیخودی میں نہ کھلا کچھ کہ خدائی کیا ہے
دیکھ کر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں

قتل کا حکم تو آنکھوں کے اشارے میں ہوا
کہیے کچھ اور تو حق میں مرے ارشاد نہیں

دل نہیں مفت ملے کیسے دہن کا بوسہ
گھر میں کچھ مال نہیں غیر سے امداد نہیں

کیا اسیرانِ قفس رات کو چپکے سوئے
آج کچھ شکوۂ بیخوابیٔ صیاد نہیں

دور سے آتی ہیں فرمائشیں کیوں بہرِ سخن
شعلۂ غالب نہیں کچھ ذوق سا استاد نہیں

حسرت اس دل پر جو تیغِ ناز کا بسمل نہیں
خاک اس خوں پر جو زیبِ دامنِ قاتل نہیں

وہ تمنا سا ہے تیرا جو آپ سے غافل نہیں
حق تو یہ ہے دعویٔ منصور بھی باطل نہیں

ہائے دل تنگی کہ کھلتی آرزوئے دل نہیں
اے صبا پیغامِ غنچہ کہنے کے قابل نہیں

انکے ڈرنے کا ہے ڈر مرنا مجھے مشکل نہیں
آرزو کہتی ہے چپ ہیں کہنے کے قابل نہیں

رہ گئی تھک کے پیچھے خاک قیسِ نامراد
ساربان کھٹکا ہے کیا کوئی پسِ محمل نہیں

سل ہے آنکھوں میں رکھنا حسرتِ دیدار کا
گر امیدِ حشر بھی ہو صبر کچھ مشکل نہیں

بزم میں جو بیٹھتا ہے وہ اٹھاتا ہے مجھے
اے پری رو آدمی ہوں تکیۂ محفل نہیں

تم کو آساں ہے مرا جینا مجھے دشوار ہے
مجھکو مشکل ہے مرا مرنا تمہیں مشکل نہیں

حضرتِ دل عینِ خلوت ہے منسوبوں کہیں
کچھ کہو بھی منہ سے رو دینے کے ہم قابل نہیں

حشر کس کا ان کو چلنے سے خرامِ ناز سے
اٹھ کھڑا ہونگا میں اے خوفِ فنا غافل نہیں

پی گئے آنسو بھرا ہے حسرتوں کو کوٹ کوٹ
اب تو کچھ بھاری ہوا ایسا کہ گھٹتا دل نہیں

خاکساری نے کئے ہیں شعلہ کیا کیا سر بلند
کونسا ذرّہ زمیں کا آسمان منزل نہیں

دل کوئی دشمن نہیں کیا مجھکو پیارا دل نہیں
مفت دیدوں تم کو کچھ آفت کا مارا دل نہیں

ہیں وہی اچھے جو پہلو میں ہمارا دل نہیں
ہے گوارا بیدلی لیکن گوارا دل نہیں

چھپ گیا پہلو میں یا کوئی چھپا کر لے گیا
انتو اشکوں کے بھی اندر آشکارا دل نہیں

پھاڑ میں ڈالوں کسی صورت میں کیوں قالب کے
کچھ جگر اخگر نہیں کوئی شرارہ دل نہیں

غال بنکر رہے دنیا پہ یہ گلزار دن
چھوٹ جائے رخ سے افشاں کا ستارا دل نہیں

اسقدر سختی سے کیوں تیغ نظر کے وار ہیں
اے بت سنگیں جگر کچھ سنگ خارا دل نہیں

چشم پوشی کر رہے ہیں پھر بھی چشم نیم باز
پھر کہو گے تم کہ ٹکڑے ٹکڑے سارا دل نہیں

ضعف سے ہم آنکھ میں آنا سفر ہے دور کا
ناتوانی کچھ ابھی پاتا سہارا دل نہیں

تم ہمارے اور آئینہ تمہارے روبرو
یاں ہمارا دل نہیں ہے واں تمہارا دل نہیں

تم نکھر اٹھے یہاں دل کی کدورت ہے وہی
تم سنور بیٹھے یہاں ہمنے سنوارا دل نہیں

پھیر نیکو سیکڑوں دل بھر کے دامن لائے ہو
ان دلوں میں بندہ پرور کیا ہمارا دل نہیں

اٹھ بھی جاؤ ابھی قرباں نہیں کی ہمنے جاں
بیٹھ بھی جاؤ ابھی صدقہ اتارا دل نہیں

چپکے آئے بزم میں اور جانے کیا کیا لے گئے
کوئی پکارا جاں نہیں کوئی پکارا دل نہیں

طبع موزوں کیا کرے جیسی طرح ویسی غزل
کچھ زمین شعر پر اپنا اجارا دل نہیں

شعلہ لاکھوں بار ڈوبا اور اچھلا لاکھ بار
پھر بھی بحر عشق سے کرتا کنارا دل نہیں

برق کہتے ہیں کسے کسکو شرر کہتے ہیں
جانتے ہو جسے عاشق کا جگر کہتے ہیں

مرحبا صل علی زخم جگر کہتے ہیں
چشم بد دور اسی کو تو نظر کہتے ہیں

آنکھ بھر آتی ہے جب سوز جگر کہتے ہیں
اب بھی اس آگ میں پانی کا اثر کہتے ہیں

کچھ وہ گھبرائے سے آکر مرے گھر کہتے ہیں
کیا اسی کو ترے نالوں کا اثر کہتے ہیں

گور کچھ دور نہیں فکر مسافت کیا ہے
گھر بدل لینے کو دنیا سے سفر کہتے ہیں

بیخودی عشق کی یہ تھی کہ خبردار ہوئے
انتہا جس کی نہیں اس کی خبر کہتے ہیں

پھر دعا کیلئے لب ہائے جراحت وا ہیں
کچھ تراحق نمک زخم جگر کہتے ہیں

کچھ اگر کہئے تو سننے نہیں دیتے ہیں عدو
بات کہنے نہیں دیتے وہ اگر سنتے ہیں

چھوٹ طوفان اٹھا ابر بہاری پس مرگ
یاں تہ خاک بھی کچھ دیدۂ تر کہتے ہیں

موت مانگے سے بھی پیری میں نہیں آتی ہے
بہر مقبول دعا وقت سحر کہتے ہیں

آنکھ مجھ سے بھی جو ملجائے تو میں بھی سن لوں
کچھ ترے تیر نظر دل کی خبر کہتے ہیں

ہائے بیرحمی صیاد ستانے کو مرے
نوحہ کرتا ہے کیا ان کو بھی پر کہتے ہیں

دیدۂ تر میں برے لگتے ہیں خالی آنسو
لوگ اولاد کو جب لخت جگر کہتے ہیں

خاکساری سے ہوا رنگ یہ اپنا شعلہ
زرد مٹی ہے نظر میں جسے زر کہتے ہیں

تم ہو کہ ماہتاب ہی پیرہن میں کون
دیکھو قبا بڑھا کے ہے اجلا بدن میں کون

دل میں اگر نہیں ہے خیال لب ملیح
بھرتا نمک ہے زخم جگر کے دہن میں کون

صیاد کا گماں تھا کہ آہٹ نسیم کی
کھٹکے یہ بلبلوں نے پکارا چمن میں کون

شوق فنا میں یہ ہے وہ مشتاق قتل ہے
آگے چلیگا دیکھئے روح و بدن میں کون

شانہ جھٹک جھٹک کے وہ کہتے ہیں بار بار
الجھا ہوا ہے زلف شکن در شکن میں کون

باہر نکل کے پردہ سے ہے قدر حسن کی
یوسف کو جانتا ہی تھا پہلے وطن میں کون

دل ہی نہ جان ہے نہ جگر ہے نہ چارہ گر
سچ ہے شریک ہوتا ہے رنج و محن میں کون

ہاں اسطرف بھی ایک نظر دور سے سہی
بیٹھا ہے او قریب عدو انجمن میں کون

مرنا قبول جوش جنوں میں مجھے مگر
لیٹا رہیگا مردہ کی صورت کفن میں کون

غربت میں رہتے رہتے زمانہ گذر گیا
شعلہ اگر گئے بھی ملیگا وطن میں کون

ہزار بت ہیں مگر ایسے تندخو تو نہیں
غضب میں ڈالدو دل تم ہی خوبرو تو نہیں

نہ نکلے سینہ سے باہر کچھ آرزو تو نہیں
لگا ہوا ترے پیکاں کے منہ لہو تو نہیں

صدائے نالہ میں ملتی ہے کچھ تری آواز
کھلا ہوا کہیں زخمِ رگِ گلو تو نہیں

بتوں کے عشق نے چکر دئیے ہیں چاروں طرف
ہزار کعبہ سہی دل پر ایک سو تو نہیں

ہوا سے بچتے ہو یہ بد دماغیاں کیا ہیں
کفن کی بو میں ملی کچھ چمن کی بو تو نہیں

بگاڑ کیوں ہے مسیحا سے قم باذنی پر
تری یہ لب و اعجاز گفتگو تو نہیں

ہوا بسی ہوئی آتی ہے مشک و عنبر میں
کھلی ہوئی تری زلفِ خمیدہ مو تو نہیں

کماں پہ چلے ہو نکلتے نکلتے نکلے گی
یہ مری جاں ہے دشمن کی آرزو تو نہیں

یہ کون حشر میں نیچے جھکائے دیتا ہے
سوار گردنِ قاتل مرا لہو تو نہیں

تمہاری بزم سے اٹھ اٹھ کے بیٹھنا کیسا
صدائے نالہ ہوں آوازِ خوش گلو تو نہیں

وفا گناہ اگر ہے تو کیا جفا کا ذکر
یہ سچ ہے قابلِ محشر نہیں ہیں تو تو نہیں

خیالِ سوزنِ مژگاں کو کیوں گلہ ہے مرا
زیادہ زخم سے دیکھو کہیں رفو تو نہیں

یہ سچ ہے عشق میں رونا ذلیل کرتا ہے
ہزار اشک ہو موتی پہ آبرو تو نہیں

حنا لگانے سے چھپتا نہیں کسی کا خون
قبا کے دھلنے سے دھلتا مرا لہو تو نہیں

ہزار دور سہی پاس ہے مگر دل کے
وہ لاکھ گم سہی محتاجِ جستجو تو نہیں

نقاب حشر میں اٹھتا نہیں ہے کیوں رخ سے
یہاں بھی مدِ نظر خاطرِ عدو تو نہیں

نہ منہ سے بولئے کچھ ہو نہ ہو نہیں کیا کام
دہن کے بوسہ کے ملنے میں گفتگو تو نہیں

یہ رشکِ حسن ہے کیا خود بخود بگڑتے ہو
جھجکتے کس سے ہو آئینہ روبرو تو نہیں

پئے بھی اوک سے شعلہ نے تکلف کو
کہاں سے لاؤں یہاں ساغر و سبو تو نہیں

ہے شور قیامت مرے نالہ کی صدا میں
او چرخ جفا کار ہے تو کسکی ہوا میں

برسے ہے لہو جنبش ابرو کی ادا میں
خنجر تو ڈبو دیجئے خون شہدا میں

اللہ اثر دے کہ تغافل ہے جفا میں
کچھ تو ہو مرے واسطے دشمن کی دعا میں

رہنے دو برائی ہو اگر میری وفا میں
جانے دو شکایت ہی سہی شکر جفا میں

کیوں سجدہ گہ غیر نہیں ہے مرا کوچہ
کچھ چال ہوئی ہے ترے نقش کف پا میں

کیا کان تلک جائے مرا حال پریشاں
الجھی ہوئی ہے بات تری زلف دوتا میں

ہے اور جگہ کس کی قریب رگ گردن
آواز تری ملتی ہے نالہ کی صدا میں

کیا بادبہاری سے مرے داغ جنوں ہوں
یہ پھول کھلینگے کبھی جنگل کی ہوا میں

امید نہ کچھ تیری نہ کچھ اس کا بھروسہ
تو اور مری جان برابر ہیں وفا میں

کیوں روح نہ خوش ہوتن پر داغ کے اندر
دولہن سی بسی رہتی ہے پھولوں کی قبا میں

بیجرم ہزاروں کے گلے گھونٹ دئے ہیں
حلقے ہیں کہ پھانسی ہے تری زلف دوتا میں

جیون کا ٹھکانا ہے نہ آنکھوں کا ٹھکانا
مستی ہے تری شرم شوخی ہے حیا میں

اک شور ہے شعلہ کہ سمجھ میں نہیں آتا
کچھ لطف نہیں نالۂ مبہم کی صدا میں

کیا میرا بس ہے ضبط جو سوز جگر نہو
او سرو مہر آگ مری بات پر نہو

سودا نہ ہو جنوں نہ ہو خنجر کا ڈر نہو
کتنا سبک ہو جسم جو گردن پہ سر نہو

چلئے وہ راہ جس میں غم راہبر نہو
دنیا سے یوں اٹھو کہ کسی کو خبر نہو

کہتے ہو مجھکو رات کے وعدہ یہ جانے دے
یہ اس سے کہئے جس کو تمہاری خبر نہو

تمکو چھپاؤں آنکھ کے پردوں میں رات دن
گر اشک رخنہ ساز مرا پردہ در نہو

لکھتا رہوں میں حشر تلک نامۂ فراق
آزردہ گر طبیعتِ پیغامبر نہ ہو

اے اہلِ بزمِ عشق بھرو جامِ بیخودی
ایسی پیو کسی کی کسی کو خبر نہ ہو

کیا کیا ہیں انتظام صفِ قتل گاہ میں
یاں کا وہاں بتائے اِدھر کا اُدھر نہ ہو

تو آرزوئے دل ہے تمنائے جاں ہے تو
کیوں میرے جی کو چین تجھے دیکھکر نہ ہو

گریہ نے پھر دکھائی ہیں خانہ خرابیاں
اے سیلِ اشک دیکھنا دیوار و در نہ ہو

سنتا ہوں میں کھنچتے ہیں ہر قتلِ غیر
اے کاش یوں ہیں سچ کہو کہ اُنکے کمر نہ ہو

اڑتے پھرے جو خواب میں شب آسمان پر
تکیہ میں کوئی طائرِ سدرہ کا پر نہ ہو

شعلہ بغیر عشق تو جینا محال ہے
کس کام کا جگر ہے جو دردِ جگر نہ ہو

ماجرائے دلِ شیدا سُن لو
میرے دُکھ درد کا قصہ سن لو

اے بتو دل کا بھی نالہ سُن لو
بانگِ ناقوسِ کلیسا سُن لو

طشت از بام ہوئی طور کی بات
لوگ کیا کرتے ہیں چرچا سُن لو

جو کہوں گا سرِ محشر اُٹھ کر
پہلے تم بیٹھ کے تنہا سُن لو

نہ سُنو غیر کی کہنے دو مجھے
نہ کہو کچھ مرا کہنا سُن لو

عشق ہوئے حضرتِ موسیٰ تم پر
اے لو اک اور تماشا سُن لو

وعدۂ وصل عدو سے ہی سہی
کچھ ہماری بھی تمنا سُن لو

عمر برباد خط و لب پہ گئی
حضرتِ خضر و مسیحا سن لو

ٹھہرو ٹھہرو کہ بڑا رنگِ فغاں
راگ اک اور بھی چلتا سُن لو

قہرِ درویش بجانِ درویش
لو مرے خون کا دعویٰ سُن لو

حضرتِ ناصح بھی ہیں چیز کوئی
ذکر دنیا سے نرالا سن لو

شعلہ ہوتا ہے غزل خواں ٹھہرو
بلبلِ خلد کا نغمہ سن لو

خیال سمجھے ہیں نقش و نگار ہونیکو
دلِ خموش ہے تصویر یار ہونیکو

کسی کی ٹھوکریں کھائیں غبار ہونیکو
اٹھے زمیں سے ہوا پر سوار ہونیکو

قفس میں روئیے جوشِ بہار ہونیکو
ہوا چمن کی نہ تھی سازگار ہونیکو

خدا کرے کہیں آجائے ہاتھ میں دامن
وہ کھیل سمجھے ہیں بے اختیار ہونیکو

مجھے قبول ندامت اگر تری رحمت
کرے پسند مرے شرمسار ہونیکو

تمھاری چوٹی جو اڑی نک آئی چلتے ہیں
بلا کے سر پہ تھا فتنہ سوار ہونیکو

ہوئے ہیں پیری میں داغِ جگر مرے سرسبز
خزاں نے بدلا ہے چولا بہار ہونیکو

وہ مرنیوالا ہوں اے حسرتِ ہم آغوشی
زمیں نے ہاتھ پسارے مزار ہونیکو

کبھی تو وعدۂ فردا ترا وفا ہوگا
قیامت ہوئیگی انجام کار ہونیکو

جگر نہیں تو جگر کی عوض سہی پیکاں
کوئی تو درد ہے بیقرار ہونیکو

ہزار میں مجھے تم ایک ہو خدا کی قسم
بس ایک ہوں تمہیں مجھسے ہزار ہونیکو

یہ شوق باعثِ محرومیٔ وصال نہو
نہ روک دے کہیں حیرت دوچار ہونیکو

فنا سے شعلہ کھلی عمر کی وفاداری
جہاں میں آئے تھے بے اعتبار ہونیکو

نظر چلی ہے جگر میں دوسار ہونیکو
چھٹا ہے تیر کلیجہ کے پار ہونیکو

ابھی سے ہو جو ہے روزِ شمار ہونیکو
وہ ہو چکے ہیں جو ہے ایک بار ہونیکو

نکل کے سینہ پُر درد سے چلی ہی جاں
ہوا یہ بوئے چمن سے سوار ہونیکو

الٰہی کونسے خانہ نشیں کا کشتہ ہوں
زمیں چھٹتی ہے گھر کی مزار ہونیکو

اُٹھایا دیدہ تر ہائے بزم جاناں سی
لگاؤں آگ ترے اشکبار ہونیکو

جھکے کا سر ترے خنجر کے بار منت سے
کہ شوق قتل ہے گردن میں ہار ہونیکو

اُٹھینگے حشر میں بھی کیا نہ کشتۂ بیداد
وہ چھوڑتے ہیں کفن سازگار ہونیکو

بُرا ہو آرزوئے وصل کا لحد نے مجھے
بغل میں کھینچ لیا ہمکنار ہونیکو

تمام عمر بسر ہوگی عشق کاکل میں
وہ طول دینگے مرے اختصار ہونیکو

بقدر جوش تڑپنے تلک نہیں دیتے
وہ جانے سمجھے ہیں کیا بیقرار ہونیکو

رہے نہ عشق میں اے شعلہ دین دنیا کے
ملے بتوں سے خدائی میں خوار ہونیکو

اُڑی ہی نکہت گل لیکے پیرہن کی بو
چرائی غنچہ نے چپکے سے کچھ دہن کی بو

دماغ میں بھی بسی کسکے پیرہن کی بو
فرشتے سونگھ رہے ہیں مرے کفن کی بو

وہ بال کھولکے بیٹھے ہیں اپنے کوٹھے پر
ہوا میں لپٹی ہے گیسوئے پرشکن کی بو

یہ رنگ لائی ہی عاشق کی کیا عرق ریزی
کہ جوئے شیر میں ہی خون کوہکن کی بو

الٰہی خیر ہو جنگل میں جی نہ لگ جائے
کہ مجھکو آتی ہی غربت میں کچھ وطن کی بو

لگا کے ہاتھ میں مہندی جو بال دھوتے ہیں
حنا سے آنے لگی نافہ ختن کی بو

ترے فراق میں گل خار خار وحشت ہیں
نہ کیوں دماغ پریشاں کرے چمن کی بو

چھپاؤ ہم سے تو شعلہ نہ طبع موزوں کو
تمہاری بات میں آتی ہی ہاں سخن کی بو

آفریں وقتِ تصور آہ کی تاثیر کو ۔ کر دئیے لاکھوں بدلوا میں تری تصویر کو
دیکھ او ناوک فگن شوقِ دمِ نخچیر کو ۔ حسرتِ زخمِ جگر کھا کھا گئی ہے تیر کو
سمجھو دستاویز زخمِ عاشقِ دلگیر کو ۔ کب مٹا سکتے ہو اپنے ہاتھ کی تحریر کو
زلف کے مضموں سے ہی ہر بات میں پیچیدگی ۔ تم ہی سلجھاؤ مری الجھی ہوئی تقریر کو
عین غفلت میں تھی کہ مر کر بھی نہ کچھ حاصل ہوا ۔ زندگی سمجھے ہوئے تھی خواب بے تعبیر کو
کیا نہ ہوگا خونبہا دینے میں بھی خوفِ خدا ۔ حشر کے دن کیا کرو گے رنگ کی تغییر کو
وہ سونگھا کر زلفِ مشکیں ہوش میں لائی مجھے ۔ سانپ نے چوسا ہے اپنے زہر کی تاثیر کو
موت کا آنا مقدم ہے بشر کیواسطے ۔ اور میں کچھ کہہ نہیں سکتا تری تاخیر کو
ہو کشش تھوڑی اگرچہ اوج و پستی کچھ نہیں ۔ ذرہ نے کھینچا ہے کتنا مہر کی تنویر کو
میں وہ وابستہ صحرا اگر روکے مجھے ۔ جیب میں رکھ لوں اٹھا کر خارِ دامنگیر کو
آپ کی ہے نیکنامی اور مری بدنامیاں ۔ آپ کی شہرت سے کیا نسبت مری تشہیر کو

زلف کے پھندوں کو ٹھو لو پھر دمِ شعلہ زکا
کیوں گلے میں گھونٹتے ہو جانِ بے تقصیر کو

روکتے ہیں ضبط سے کیا نالۂ شبگیر کو ۔ راہ سے الٹا ہٹا لیتے ہیں چلتے تیر کو
ہاتھ میں بیکار گھسکر ناخنِ تدبیر کو ۔ اور مشکل کر دیا ہے عقدۂ تقدیر کو
آزماتے ہیں اگر جذبِ دلِ دلگیر کو ۔ صفحۂ کاغذ سے کرتے ہیں الگ تصویر کو
ہو امیدِ خونبہا ایسے سے کیا سمجھے ہے جو ۔ عکسِ رنگِ رخ مرے خونِ گریباں گیر کو
دل میں یوں بیٹھا ہے جمکر تیری ابرو کا خیال ۔ جسطرح سانچہ میں کوئی ڈھالدے شمشیر کو
بت پرستی میں طوافِ کعبہ کی تدبیر کیا ۔ پھوٹئے سنگِ درِ بتخانہ پر تقدیر کو

لیلٰے مجنوں نے تھوڑی سی مری داغِ جنوں
کیا کھرے داموں پہ بیچا نجد کی جاگیر کو

کشتۂ نازِ بتاں وہ ہوں کہ سر پر برہمن
لے چلا مٹی مری بتخانہ کی تعمیر کو

عقدۂ تقدیر مشکل اور فلک سینہ سیاہ
بدر کی صورت بڑھاؤں ناخنِ تدبیر کو

شعلہ یاد آتا ہے جب تیری فصاحت کا بیاں
بھول جاتے ہیں خدا جانے کلامِ میر کو

لب و ابرو کا اشارہ دیکھو
جینے مرنے کا تماشا دیکھو

پھر مری آنکھ میں کچھ آتا ہے
غیر نے پھر کہیں دیکھا دیکھو

کوئے قاتل ہے یہ اے حضرتِ خضر
جاؤ اپنا کہیں رستہ دیکھو

زندگی تم پہ فدا ہوتی ہے
اٹھ نہ جائے کہیں پردا دیکھو

ہے بڑی سستیٔ پیماں ہر روز
اس کے کیا معنی کہ اچھا دیکھو

شانہ ہاتھوں میں کھلاتا ہے وہ زلف
اس مداری کا بھی لٹکا دیکھو

وہ ہمیں ہیں کہ جفا سہتے ہیں
غیر پر تو ذرا جھنجلا دیکھو

اس پہ مرتے ہیں کہ ہم جیتے ہیں
بے حیائی کا یہ جینا دیکھو

غیر کے خط میں لکھا مجھکو سلام
میری تقدیر کا لکھا دیکھو

کیا دکھائے گا قیامت شعلہ
یار کا وعدۂ فردا دیکھو

حسن بے مثل ہے پھر حسن کا دعوا کیا ہو
تم سے جب تم ہی نہیں پھر کوئی تمنا کیا ہو

آنکھیں پتھرائی ہیں آنسو کی تمنا کیا ہو
ہائے جس قطرہ میں پانی نہ ہو دریا کیا ہو

چپکے چپکے ہی رہے ظلم تو رسوا کیا ہو
دل ہی میں چٹکیاں لیلو تو پھر افشا کیا ہو

ضبط نے تھام لیا رونے کا چرچا کیا ہو
صبر نے روک دیا پھر ترا شکوا کیا ہو

قہر مجھ پر ہو تو غیروں سے اشارا کیا ہو
ظلم کرنے نہیں آتے ستم آرا کیا ہو

یاں قیامت سے ہو پہلے ہی قیامت برپا
آج موت آئے تو کل وعدۂ فردا کیا ہو

تمہیں دل ہو تمہیں جان ہو تمہیں جینے کی امید
تم ہی جب غیر کے ٹھیرو تو ہمارا کیا ہو

وعدۂ روزِ جزا بھی ہیں منظور مگر
دیکھتے ہیں کہ عدو سے ترا وعدا کیا ہو

روح ہو تم سے زیادہ ہو محبت کس کی
جان ہو تم سے زیادہ مجھے پیارا کیا ہو

لوٹ کر دل میں سما جائے وہ آنسو کیسا
لب تلک آکے جو رہ جائے وہ نالا کیا ہو

بات سچی ہو تو محشر ہی کی امید کریں
جھوٹے وعدے ہوں تو مرنے کی تمنا کیا ہو

آنکھ فتنہ ہے بلا زلف ہے آفت قد ہے
جس کا ہر عضو قیامت ہو سراپا کیا ہو

اس نہیں چاہنے پر چاہوں تجھے دل میں کہوں
تم اگر چاہو مجھے تو مرا چاہا کیا ہو

کون عاشق ہو تمہارا جو نہ معشوق بنو
جب تلک تم نہ ہو رسوا کوئی رسوا کیا ہو

بیدلی مانگنے کیا بوسہ کا کل ان سے
گانٹھ میں مال نہیں مفت میں سودا کیا ہو

زندگی جنبشِ دامن کی ہوا تک ٹھیری
ہوں چراغ سرِ راہ میرا بھروسا کیا ہو

مرنے والوں کا شبِ ہجر کے ہے وصل علاج
میں اگر وصل میں مر جاؤں تو بھلا کیا ہو

کچے کانوں کے ہو ہر ایک کی سن لیتے ہو
غیر غماز ہیں پکے مرا کہنا کیا ہو

تاکتے رہتے ہیں ابرو کو اشارہ کے لئے
آنکھ کو دیکھتے رہتے ہیں کہ ایما کیا ہو

نیم بسمل کا کوئی دم تو تڑپنا دیکھو
بھاگتے ڈر کے ہو پھر کہئے تماشا کیا ہو

مشفق اہلِ سخن ہوں تو جمے بزمِ سخن
جب طبیعت ہی مخالف ہوں تو چرچا کیا ہو

بیٹھتے ہی مرے پہلو میں وہ شعلہ شبِ وصل
بن گئے آگ کلیجہ مرا ٹھنڈا کیا ہو

سو سو قیامت اٹھتی ہیں اک اک قدم کے ساتھ
محشر نکل چلا ترے انداز رم کے ساتھ

اب غم ہی ساتھ ڈالئے نہ دل ہی ہی غم کے ساتھ
جھگڑے تمام ہو گئے سب ایکدم کے ساتھ

لپٹی ہے مری روح ترے دست جور سے
الجھا ہی میرا دم ترے خنجر کے دم کے ساتھ

گلشن میں رنگ و بو ہی فقط اپنے داغ سے
بلبل کے پیچھے ہیں فقط اپنے دم کے ساتھ

ہم دم دیا کئے پہ نہ دم باز یاں گئیں
سو سو لئے ہیں آپنے دم ایکدم کے ساتھ

اک دم ہزار دم ہیں مگر ہو گئی یہاں
قطع ہزار دم کی امید ایکدم کے ساتھ

دم دیکے مجکو ساتھ رقیبوں کے چلدیئے
اچھے نہیں ہیں روز نئے دمبدم کے ساتھ

کیا دیکھتے ہی دیکھتے اہل وطن گئے
چھوٹے ہیں کیسے کیسے الٰہی عدم کے ساتھ

وہ زخم ہیں کہ خندۂ گل بے نمک کروں
وہ داغ ہیں کہ مفت نہ بدلوں ارم کے ساتھ

ہے اپنا آہ و نالہ دم نزع پیشوا
لشکر چلا ہی روح کا طبل و علم کے ساتھ

کبتک دکھائیے جائیے زخم جگر انھیں
کبتک بنا ہے جائیے اہل ستم کے ساتھ

انکار مجھ سے غیروں کے قدموں پہ رکھکے ہاتھ
اقرار اُن سے اور مرے سر کی قسم کے ساتھ

کب رنج دوں ہیں نعمت کونین کے عوض
کب عیش جاوداں کو بدلتا ہوں غم کے ساتھ

گر نقد دل لیا ہے تو لو نقد جان بھی
اک اور بھی بڑی ہی رقم اس رقم کے ساتھ

خط لکھتے لکھتے ہجر کا محشر بپا ہوا
لپٹی صدائے صور صریر قلم کے ساتھ

زخموں کو میرے نشتر غم سے ہی ارتباط
حرفوں کو ربط ہوتا ہی جیسے قلم کے ساتھ

واں شکوۂ ستم پہ ستم اور بھی فزوں
یاں لب پہ شکر شکوۂ جور و ستم کے ساتھ

مضمون اشک اور بھی پانی چڑھا گئے
دریا کو باندھتے ہیں مری چشم نم کے ساتھ

شانہ سنبھالئے کہ کمر پاس آ گئی
زلفوں کو بل نہ دیجئے یوں پیچ و خم کیساتھ

قابو میں دل رہے تو ہی عشق بتاں کا لطف
گویا طواف کعبہ ہو بیت الصنم کے ساتھ

بالیں پہ کس نے آپ کو عیسےٰ نفس کہا
جینے کا غم ہوا مرا مرنیکے غم کے ساتھ

شعلہ کسی مژہ کا جھپکنا وہ بار بار
کانٹے چبھو گیا خلش دمبدم کے ساتھ

کیا بناوٹ نے نکالے نئی تلوار کے ہاتھ
خون برساتے ہیں مہندی بھری سرکار کے ہاتھ

گھونٹتے دم ہیں کسی طفل طرحدار کے ہاتھ
او مسیحا نہ لگانا دل بیمار کے ہاتھ

موت لکھی تھی مگر ابروے خمدار کے ہاتھ
میرا پیغام اجل آتا ہے تلوار کے ہاتھ

کبھی ہے تیر کی چٹکی کبھی تلوار کے ہاتھ
نچلے رہتے ہی نہیں شوخ ستمگار کے ہاتھ

تیری بخشش ہے تو کیا گرمی محشر سے خطر
گوشۂ دامن رحمت ہے گنہگار کے ہاتھ

کھینچتا ہے کوئی دل میں سے تصور تیرا
اٹھتے سینہ سے نہیں کیوں تری بیمار کے ہاتھ

میں وہ ہوں جنس کہ ہوتا نہیں سودا میرا
بیچئے مفت بھی گر مجھکو خریدار کے ہاتھ

علت ابرو پہ نئے تل میں یہ مضموں ہوا اور
چڑھ گئے رات کسی شاعر میخوار کے ہاتھ

کشمکش بعد فنا بھی نہ گئی دنیا کی
ایک کے ہاتھ سے چھوٹے تو پڑے چار کے ہاتھ

بوالہوس چپ ہی جو آنچل کو تمہارے چھوکر
بات کچھ تہ کی پڑی محرم اسرار کے ہاتھ

شانہ کی دست درازی ہے ستم کا باعث
روز کٹ جاتے ہیں ناحق یونہیں دو چار کے ہاتھ

نہ بچا سیل فنا سے یہ مکان خاکی
الٹ زمانہ نے لگائے در و دیوار کے ہاتھ

نہ تو دیندار سے مطلب ہے نہ کافر سے غرض
کب ہیں پابند یہاں سبحہ و زنار کے ہاتھ

اک زلیخا سے بھلا قیمت یوسف کیا ہو
بھاؤ بڑھتا ہے مگر گرمی بازار کے ہاتھ

کہدیا عاشق ابرو کو مسلماں کس نے
وہ لگانے نہیں دیتے مجھے زنار کے ہاتھ

اب گلے لگتے ہیں بیساختہ اُن کے شعلہ
یا لگائے نہیں پاتے تھے کبھی ہار کے ہاتھ

ٹوٹ جاتی ہے سروں پر سے قیامت آئی — نہیں رُکتی نہیں رُکتی یہ طبیعت آئی
جس قدر زخم کو چھیڑا ہمیں راحت آئی — زخم جتنا کہ کُریدا کئے لذت آئی
شمع گل ہو گئی کیا بزم میں آفت آئی — بے تکلف ترے اُٹھتے ہی قیامت آئی
ابتدائے عشق میں یادِ قد و قامت آئی — میں ابھی مر چکا تھا کہ قیامت آئی
شب تنہائی مرقد میں جو وحشت آئی — بیکسی دور سے چلائی کہ حسرت آئی
طول کیوں کرتے ہو یوں قصۂ قامت چلکر — مختصر کیوں نہیں کہتے کہ قیامت آئی
کھا چکے تیر مگر ہاتھ کا بوسہ لیں گے — لب تلک جان اگر بچکے سلامت آئی
تو وہ غفار ہے بینے کو گنہگاروں کے — عرصۂ حشر سے باہر تری رحمت آئی
جانکی خیر بھی اپنے نہیں ہوتی معلوم — مجھ سے پھر کچھ دلِ دشمن کو محبت آئی
سامنے پھر گئی آنکھوں کے مگر زلف دراز — کچھ ترا روپ بنا کر شبِ فرقت آئی
دیکھ لو پہلے دہن بوسہ کا وعدہ تو کیا — بات بگڑے گی اگر بیچ میں حجت آئی

عرصۂ حشر کو خالی کرو شعلہ آیا
اہلِ محشر کو ہٹا دو مری نوبت آئی

بھول کر کچھ تذکرے دل کے زباں پر آگئے — تم تو اتنی بات کے سنتے ہی ہیں گھبرا گئے
بیچ کیا ہے گرگلِ داغِ جگر کملا گئے — حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے
تم تو کچھ تیرِ نگاہِ ناز پر اترا گئے — دیکھ لو پہلو ہی میں کیا دلکو بھی ہم کھا گئے
میں سلامت ہوں تو آئینگا نہیں اکدم قرار — بیقراری کہہ رہی ہے آپ کیوں گھبرا گئے

اور تازہ زخم پیدا کر کوئی جوش جنوں
ناخن غم داغ دل کو بھی کھرچ کر کھا گئے

کاش خاموشی احباب سر بالیں بھی جائے
کوئی گھبرا کر یہ کہہ اٹھے کہ تو وہ آ گئے

بوسے لینگے مگر نا جانتے ہیں آپ کا
وہ وہیں بھی ڈھونڈھ لینگے بات جو پا گئے

ایسا کیا روتا ہے شعلہ آگ برسانے لگے
اشک کے آتے ہی حضرت تم تو کچھ گرما گئے

نشان بھی ترے کشتوں کا یار باقی ہے
کسی کا ڈھیر کسی کا مزار باقی ہے

بتاؤں گا جو دل بیقرار باقی ہے
ابھی تو حشر کی فریاد یار باقی ہے

مٹے ہیں داغ مگر جسم زار باقی ہے
ہزار پھول ہیں یہ ایک خار باقی ہے

موا ہوں تنگی آغوش سے زمانہ کے
لحد کہے ہے ابھی میرا پیار باقی ہے

شراب خون جگر آج ہو چکی کل کو
ذرا سی اور بقدر خمار باقی ہے

ہماری گور بھی قدموں میں ہے عدو کی بھی
اب آ گئے آپ کو سب اختیار باقی ہے

نہ کھائے روک کے ناقہ کو ساربان دھوکا
ابھی تو کچھ پس محمل غبار باقی ہے

نہ بعد مرگ بھی دل کی گئی پریشانی
ابھی لپیٹ تری زلف یار باقی ہے

سمائے کیا مری نظروں میں گلشن جنت
ابھی تو آنکھوں میں تیری بہار باقی ہے

جگر کو کیا جو بھری دل میں حسرت مردہ
کسی کو بھیج کہ اور ایک مزار باقی ہے

سر لحد نہ بجز بیکسی رہا کوئی
اور ایک خشک چراغ مزار باقی ہے

نکل کے وصل میں کہتا تھا غم کہ کیا غم ہے
وہی ہیں صحبتیں اک دن جو یار باقی ہے

گئے گئے دل و جاں و جگر تو سینہ سے
بس ایک حسرت بے اختیار باقی ہے

شراب پیتے ہیں اے شعلہ چھپتیں کیا ہیں
تمام شہر میں تو دیندار باقی ہے

کچھ آپ کو ہے اپنی نزاکت کی خبر بھی
زلفوں کو سنبھالو نہیں جاتی ہے کمر بھی

گر حشر اُدھر ہے تو قیامت ہے اِدھر بھی
رفتار یہ کہتی ہے کہ چھوڑو دل کی کدھر بھی

ہیں دفن مرے ساتھ مرے داغِ جگر بھی
کہتی ہے مری خاک کہ مٹی بھی ہوں زر بھی

پیدا ہوں کہیں نخلِ جوانی کے ثمر بھی
حسرت وہ خدا اٹھے جو ادھر بھی ہو اُدھر بھی

ناداں کہیں کٹتا ہے ٹھہرنے سے سفر بھی
چلنا ہے تو اس منزلِ ہستی سے گذر بھی

لیتا نہیں کشتوں کی کوئی آ کے خبر بھی
او فتنۂ محشر کہیں کروٹ لے اِدھر بھی

مانا کہ خطا ہے دلِ بیتاب کی لیکن
ٹکتی نہیں رہتی تری آنکھوں میں نظر بھی

او ساقیٔ بدمست یہ کیسا ہے تغافل
ہم بھی ہیں ترے بزم میں تھوڑی سی اِدھر بھی

تم اُڑنے لگے حسن پہ معلوم نہیں تھا
ہوتے ہیں پری زادوں کی صورت کے بشر بھی

وہ سبزۂ خوابیدہ ہے تربت پہ ہماری
آتی ہے دبے پاؤں جہاں بادِ سحر بھی

نظارہ الجھتا سا ہے گیسو کی شکن میں
پابندِ قفس ہوتا ہے اب مرغِ نظر بھی

ہر روز قدم رنجہ مسیحا کو مبارک
کہتی ہے لحد مجھ سے کہ اک روز اِدھر بھی

اے جانِ حزیں ٹھہر تغافل پہ نہ جانا
خود رفتگی دیتی ہے کچھ آنے کی خبر بھی

توشہ کی عوض گور میں رکھ نیک عمل کو
لازم ہے مسافر کو کچھ اسباب سفر بھی

یوں پھیر لے وہ جذبۂ مجنوں رخِ محمل
پہونچے نہ خمِ گردنِ ناقہ پہ نظر بھی

خالی نہیں گردن کا ڈھلکنا دمِ آخر
اک بوجھ سا چڑھ جاتا ہے کچھ سر پہ سفر بھی

اے شعلہ چھدی رہتی ہیں برچھی سی ہزاروں
دیکھا نہ کہیں ہوگا ہمارا سا جگر بھی

یہ شعر تمکدان تازہ مضموں وسیع کہتا ہے
سلامِ زخمِ بسمل خنجرِ قاتل سے کہتا ہے

سوالِ بوسہ کیا مشکل دہن کو تل سے کہنا ہو
معما کھل گیا بس ایک نکتہ دو سے کہنا ہو

یہ کیوں ہوتی ہے مقتل میں گلو مل ملکے سرگوشی
نہیں کھلتا ترے خنجر کو کیا بسمل سے کہنا ہو

ذرا او ساربان بہرِ خدا آہستہ آہستہ
غبارِ قیس کو کچھ صاحبِ محمل سے کہنا ہو

نشانِ خونِ بسمل آپ ڈھونڈھو لینگے محشر میں
پیامِ دیدۂ تر دامنِ قاتل سے کہنا ہو

مری حسرت ستم گلگیر کا سوزِ دروں اپنا
فسانہ رات بھر کا شمع کو محفل سے کہنا ہو

نہیں بعدِ فنا بھی کیوں ہماری خاک گردش میں
ہمیں اندازِ گردوں دامنِ قاتل سے کہنا ہو

صبا جاتی ہے یوں اڑتی ہوئی سوئے فلک شعلہ
پیامِ خاکِ عاشق آسمان منزل سے کہنا ہو

نگاہِ ناز پہ بیٹھے ہوئے دل و جگر میں چلی
الٰہی خیر کہ تلوار گھر ہی گھر میں چلی

لڑا کے ساغر و مینا کو چور کر دوں گا
شراب آج نہ ساقی جو ابرِ تر میں چلی

منگاؤ شانہ نہیں پیچ و تاب کھاؤ گے
تمہاری زلف الجھنے کو پھر کمر میں چلی

جگر کو تھام لیا جب کہ تیرا ذکر آیا
چلا میں آپ سے جب تیری بات گھر میں چلی

کہاں ہے نام محبت کا آجکل شعلہ
میں دیکھتا ہوں کچھ اب تو بشر بشر میں چلی

لبوں پہ جان مسیحا کی انتظار میں ہے
نہ دل ہے پہلو میں مژدہ کوئی قرار میں ہے

وہ سبزہ بالے کا پوشیدہ زلفِ یار میں ہے
عجیب یہ ہے کہ زہر و دہانِ مار میں ہے

اڑایا کوئے محل نشیں نے ٹھوکر سے
غبارِ قیس بھی شامل مرے غبار میں ہے

ادھر تو جان چلی اور وہ ادھر کھسکا
نہ بس میں یہ ہے نہ وہ اپنے اختیار میں ہے

تمہارے کشتہ نے تربت ہلا ہلا ڈالی
نہیں ہے مژدہ یہ بجلی کوئی مزار میں ہے

اٹھا دو بیٹھ کو سینہ سے دیکھ لیں تو ذرا
یہ کیا چھپا ہوا تیرے گلوں کے ہار میں ہے

زمانہ ناقۂ لیلیٰ نے کر دیا پامال
ہزاروں پھرتے ہیں یاں قیس کس قطار میں ہے

عدو تو کیا ہے فلک کا پتہ نہیں چلتا
یہ آگ شعلے مری آہ شعلہ بار میں ہے

مشتاقِ خرامِ ناز سے پامال ہم سہی
چلنا تو دیکھ لیں ترا وہ ہی قدم سہی

مہر و وفا کے بدلے ستم ہی ستم سہی
ہمیں خوشی نہیں نہ سہی غم ہی غم سہی

خنجر بکف جو پھرتے ہو یاں بھی کرم سہی
آئی کسی کی کیوں نہ ہو پر آئے ہم سہی

مل جائے بیٹھ رہنے کو تھوڑی جگہ کہیں
کعبہ اگر نہیں ہے تو بیت الصنم سہی

مرنے بھی دے مجھے کہیں اے انتظارِ یار
آتی نہیں ہے نیند تو خوابِ عدم سہی

سمجھے نہیں ترا روشِ مژگاں کا وہ اثر
اب کے ذرا اچھا اور بھی اے چشمِ نم سہی

آخر تو انکسار و ندامت میں فرق ہے
میری طرح سے غیر کی گردن بھی خم سہی

دل اور ایک بوسہ کو انصاف کیجیے
اس پر بھی یہ گراں ہے تو کچھ اور کم سہی

تم دل کی آرزو ہو تو کیا دل سے دور ہو
آرام جان ہو لاکھ طبیعت میں رم سہی

صاحب ادھر سے کب ہے رہِ خانۂ عدو
کہلاتے کیوں ہیں آپ بھی پر کرم سہی

سنتے نہیں ہو کیوں مرے گریہ کی بات چیت
لگتی ہے یہ بھی زہر تو رونا قسم سہی

باقی کوئی ستم ہے جو ہیں بدگمانیاں
تمکو یہ ہی یقین ہے تو پھر مجھ میں دم سہی

دل کی عوض جگر عوض جان کی عوض
اک بوسہ دیجیے مفت ہی کوئی رقم سہی

تیغِ علی کی مار ہو اُسپر جو پھیرے منہ
میری طرف سے گو تری ابرو میں خم سہی

موجود قتل گاہ میں ہے عاشقوں کی فوج
چہرہ جو کاٹتے ہیں تو سب اک قلم سہی

شعلہ کی قبر تربت دشمن کے پاس ہے
محشر خرام اور بھی اک دو قدم سہی

کچھ تمنا ہی نرالی ہو تو کیونکر نکلے
آرزو کہتی ہے پہلے دل مضطر نکلے

ایک حسرت نہیں جو سینہ سے باہر نکلے
آرزو کوٹ کے بھر دی ہو تو کیونکر نکلے

ہو گئی موسیٰ کو اگر تاب تجلی ہو گی
میں تو مر جاؤں جو تو پردہ سے باہر نکلے

فصل گل آئی وہی طوق سلاسل آئے
پھر برس روز کے رکھے ہوئے زیور نکلے

چاک سینہ سے دل تنگ کو رستہ نکلا
جیسے دیوار کے ٹوٹے سے نیا در نکلے

بخت برگشتہ سے کیا شکوہ وارونی ہو
گر مقدر کا الٹنا ہی مقدر نکلے

ہو کے پابند قفس طاقت پرواز بڑھی
پر جو توڑے مرے صیاد نے شہپر نکلے

چارہ گردشت نوردی سے حذر بھی منظور
سر پھرانے سے اگر پاؤں کا چکر نکلے

تو تکلف سے رقیبوں کو ہٹانے اٹھا
ہم یہ سرکے کہ تری بزم سے باہر نکلے

کیوں الجھتے ہو کوئی راہ نکالو شعلہ
دل نہ نکلے تو خم زلف معنبر نکلے

کب میں نے کہا آپ کی بیداد غضب ہے
ہر روز نئے جور کا ایجاد غضب ہے

پہلو سے چلا پھر دل ناشاد غضب ہے
برباد ہوا خانۂ آباد غضب ہے

سیدھی بھی قیامت ہے یہ ٹیڑھی بھی قیامت
کیا چال چلا غیرت شمشاد غضب ہے

او مرگ طلبگار ذرا پاس نزاکت
اے سختئ جاں عجلت جلاد غضب ہے

جب میں نے کہا آئے دل میں تو وہ بولے
شیشہ میں اتر آئیں پری زاد غضب ہے

اک شب نہ رہے پاس مرے ہائے ستم ہے
اک دن نہ کیا گھر مرا آباد غضب ہے

اُڑتے ہیں شرر آتشِ گل سے جو چمن میں
بلبل کی مگر گرمیٔ فریاد غضب ہے

مستان نوں پرزرکِ صنم سخت گنہ ہے
اے حضرتِ ناصح یہی ارشاد غضب ہے

پھوں پڑھ پہ مرتی ہے مژہ نوک کی لے ہے
شاگرد جو آفت ہے تو استاد غضب ہے

پھر بچھتے ہیں مرغانِ چمن دام چمن میں
پھر کھلتے ہیں اب گیسوئے صیاد غضب ہے

بھولے ہوئے شکوے جو زباں پر مرے آئے
کس ناز سے کہتے ہیں تری یاد غضب ہے

زانو پہ دھرے روتے ہیں سر لختِ جگر کو
کیا پھر پدر ماتمِ اولاد غضب ہے

پھر جوشِ جنوں کا ہے خلش ہر رگ و پے میں
پھر ٹوٹتا ہے نشترِ فصاد غضب ہے

جینے کی کسے فکر ہے مرنے کا کسے غم
کچھ دل میں تجھی رنج کی بنیاد غضب ہے

اے شعلہ کسے شوق ہے ناوک فگنی کا
مرغانِ قفس ہوتے ہیں آزاد غضب ہے

جی اُٹھوں جو فرماؤ مگر پاسِ ادب ہے
قربان تبسم کے یہ کیا خندۂ لب ہے

واں غیر بغلگیر ہیں اور عیش و طرب ہے
ہم عبد کو یوں پوچھتے پھرتے ہیں کہ کب ہے

مجھ پر ہی ستم کرنے سے فرصت تمہیں کب ہے
اغیار پہ بھی ظلم مگر مرے سبب ہے

دولت جو نہیں پاس تو کیا رنج و تعب ہے
مولیٰ کا یہ وسا ہے فقیروں کا بھی رب ہے

ہر وار یہ ہے صلِ علیٰ جائے ادب ہے
اور زخم نمک بیز یہ کیا خندۂ لب ہے

وہ کیا نہیں کرو گے ابھی غیروں کی خوشامد
جو بات ہے تو حضرتِ دل تم سے عجب ہے

ہر وار پہ خنجر کے ہے ابرو کا اشارہ
ظالم نے نکالا نئے چور نگ کا ڈھب ہے

پھر دیکھتوں ہیں آپ کی شوخی و شرارت
تنہائی میں آ جاؤ نکیں لطف تو جب ہے

کیا لیکے کریں بے سر و پا نعمتِ دنیا
یاں وسعتِ ہوس ہے نہ یہاں پائے طلب ہے

ہر روز بدلتا ہے زمانہ نئی رنگت
ہجراں کا کہیں دن ہے کہیں وصل کی شب ہے

شعلہ جو یہی بت ہیں یہی آپ کا ایمان
پھر قابل بخشش رہو امید یہ کب ہے

اب کیا ہے جوش گریہ میں دل کو بھی کھو چکے
ہم تو بُرے کی جان کو پہلے ہی رو چکے

جو کچھ خرام ناز سے ہونا ہو ہو چکے
محشر بپا بھی ہو کہیں جھگڑا چلو چکے

منہ تک رہی ہے حسرت دیدار قبر میں
کہتی ہے بیکسی کہیں اُٹھو بھی سو چکے

بیٹھے رہو بھی چشم تصور میں ایکدم
نچلے نہیں رہو گے تو تصویر ہو چکے

حسرت اگر یہی ہے تو رونے کی کیا اُمید
رونا اگر یہی ہے تو ہم ہاتھ دھو چکے

اب خونبہا کے رونے کی امید ہے عبث
دامن کو وہ نچوڑ چکے ہاتھ دھو چکے

رونے میں تھا تصور گیسوئے تابدار
ہم تیرے بال بال میں موتی پرو چکے

چلئے کہیں چمن سے کہ گل زرد ہو گئے
بلبل کے دل میں سیکڑوں کانٹے چبھو چکے

دل بیچتے ہیں لیجئے ایسا گراں نہیں
بوسہ یہ کیا مدار ہے قیمت ہی جو چکے

شعلہ کو زندہ سُن کے وہ کہتے ہیں خیر ہے
ہم نے تو آج ہی یہ سنا تھا کہ ہو چکے

دیر و حرم میں جلوۂ جانانہ ایک ہے
پردہ اُٹھے تو کعبہ و بتخانہ ایک ہے

گھر ہو کہ طور جلوۂ جانانہ ایک ہے
کہنے کی بات سو ہیں پر افسانہ ایک ہے

ارمان دل میں خاک اُڑاتے ہیں سیکڑوں
مجنوں ہزاروں پھرتے ہیں ویرانہ ایک ہے

میں آپ پر فدا ہوں فدا آپ غیر پر
میرا اور آپ کا تو کچھ افسانہ ایک ہے

دل ایک اور خون کے پیاسے ہزارہا
سو رند بادہ نوش ہیں پیمانہ ایک ہے

عاشق مزاج ہونے کو کچھ سوز چاہیے
کافی ہزاروں شمع کو پروانہ ایک ہے

دل آپ کا ہی درد و غم و رنج ہیں مرے
اس سارے گھر کی بزم میں بیگانہ ایک ہے

کس ناز سے وہ کہتے ہیں وحشت کے ذکر پر
شعلہ بھی اپنے ڈھنگ کا دیوانہ ایک ہے

جانکنی کا درد ہی حسرت کا مجمع دل میں ہے
اضطراب نبض تار ساز اس محفل میں ہے

کہکے بسم اللہ کریئے ستم جو دل میں ہے
ہاں ثواب اللہ ہی باقی اکدم بسمل میں ہے

یاد ابرو میں تری خود رفتگی سی دل میں ہے
طاقت پرواز ابھی طائر بسمل میں ہے

کیا غرض اہل جہاں سے چاہیے کچھ سوز دل
خلوت فانوس بہر شمع ہر محفل میں ہے

کیا ہجوم یاس و حسرت ہیں ٹھکانا روح کا
اک گرفتار تعلق سیکڑوں مشکل میں ہے

کیوں نگاہ تیز ہی جان و جگر یاں کچھ نہیں
برق کو کیا فائدہ اس سعی بیحاصل میں ہے

میں کوئی مجنوں نہیں عاشق ہوں پردہ کس سے ہو
خاک ڈالو منہ پہ لیلی کے اگر محمل میں ہے

گور نے کھینچا ادھر آنسو بہا لائے ادھر
دیکھتے جاؤ کہ جھگڑا میری آب و گل میں ہے

کوئی جی اٹھا کوئی بسمل کوئی کشتہ ہوا
قدرت حق کا تماشا کوچۂ قاتل میں ہے

تیرا ہی جلوہ ہے کعبہ میں ترا ہی دیر میں
کچھ نہیں کھلتا معما کیا حق و باطل میں ہے

دل جو بھر آیا تو سینہ میں اٹھا طوفان اشک
موج بیتابی دریا دامن ساحل میں ہے

توسن عمر رواں جاتا ہے پر کھوئے ہوئے
طرز پرواز پری اس رہرو راحل میں ہے

کھینچ خنجر سے رگ گردن کہ بیڑا پار ہو
فرق اک دو ہاتھ ہی کا کشتی و ساحل میں ہے

جانب پہلو لگائے کان ہے جان حزیں
تیر اسی کا ہے کہ کوئی حرف تسکیں دل میں ہے

منع نظارہ مجھے ہے اور تم چھپتے نہیں
پھر وہی ہاتھوں کی شوخی پردۂ حائل میں ہے

ساربان بہر خدا ناقہ ذرا روکے ہوئے
جسم زار قیس بھی خاک پس محمل میں ہے

عمر گذری ایک جا ہوتے نہیں پاتے جو ہم
کچھ عجب صورت کا غمزہ میری آب و گل میں ہے

چھوڑو اسباب تعلق طے کرو راہ فنا
مال والو چور کا کھٹکا اسی منزل میں ہے

شعلہ نادم کر رہی ہے مجکو کیوں شوق گناہ
رحم کرنے کی تو عادت داور عادل میں ہے

جانے ایسا ہی جانا گر تمہارے دلمیں ہے
پھر کہیں گے آپ سے جو کچھ ہمارے دلمیں ہے

کیا ہی ظاہر میں کوئی بات سیدھی ہو گئی
کج ادائی تیرے اے دشمن کے پیارے دلمیں ہے

لیچلوں سینہ سے آنکھوں کے قریں لخت جگر
ڈالدوں انکو بھی دریا کے کنارے دلمیں ہے

کیوں پریشاں ہے طبیعت خود بخود ہی کیوں بگاڑ
کوئی تو بیٹھا ہوا گیسو سنوارے دلمیں ہے

جاں ہے تیری پاس لیکن تو ہماری جان ہے
دل ہے تیرے پاس لیکن تو ہمارے دلمیں ہے

اس نگاہ تیز پر آنکھیں جھپکنا بار بار
توڑ کر خنجر کے ٹکڑوں کو اتارے دل میں ہے

بوسہ پہلے تم سے لے لیتے تو کیوں ہوتے خفا
سچ تو یہ ہے مفت کا جھگڑا ادھاری دلمیں ہے

کیا رہا سینہ میں باقی پی چکا سارا لہو
اے خدنگ یار اب کسکے سہارے دلمیں ہے

کیجئے کیا آپ آتے ہیں وہ درماں کے لئے
درد کتنا ہے کہو اب کیا تمہارے دلمیں ہے

کھب گیا چپکے سے کیا تیر نگاہ سرمگیں
زخم ہے تھوڑی جگہ اور ٹیس ساری دلمیں ہے

لب پہ آتی ہے اجازت کیوں خدنگ یار کی
جاں اتر نیچے کہ پھر کوئی پکارے دلمیں ہے

شعلہ خلوت میں خموشی ہے تو پھر میں کیا کروں
منہ سے کہہ جو کچھ تری آفت کے مارے دلمیں ہے

سمند ناز پہ آئے مجھے مٹا کے چلے
ذرا سی خاک کو کوسوں تلک اڑا کے چلے

ذرا جو ہاتھ کسی بندۂ خدا کے چلے — قیامت آئیگی دامن کہاں اٹھا کے چلے
چرائی آنکھ تو جان و جگر چرا کے چلے — بچی نظر تو نگاہوں میں تم سما کے چلے
جو میری جان نہیں کیوں چلے ہو پہلو سے — جو میری روح نہیں کیوں ہوا بنا کے چلے
رہیگا قرب خدا قافلہ شہیدوں کا — ذرا بہشت میں ٹھہرینگے کربلا کے چلے
یہ کیا ہوا آتے ہی میرا سمجھ گئے مطلب — اٹھے کھڑے ہوئے منہ پھیر مسکرا کے چلے
جمانہ نقش تمنا تمہارے کوچہ میں — نشان سجدہ سر پانو سے مٹا کے چلے
عدم کی آمد و شد میں بھی رنج و راحت ہے — پیادہ آئے تھے کاندھوں پہ اقربا کے چلے
ہماری خاک امانت ہے ان کی ٹھوکر کی — صبا سے کہدو کہ تربت ذرا بچا کے چلے
ہمیں وہ شوق شہادت تھا عہد طفلی میں — زمیں سے پانو اٹھے تھے کہ سر جھکا کے چلے
کسی کی آمد و شد کا ہے بیخودی میں ہیات — حواس جا کے جو آئے تو ہوش آ کے چلے

قدم اٹھاتے ہی شعلہ سے منزل مقصود
کہاں قیام کریں کوچۂ فنا کے چلے

وہی تعلق ہے وہی دل کا انتشار بھی ہے — جو درد تھا سر بستر تہ مزار بھی ہے
ہزار درد ہیں کچھ ان کا چارہ کار بھی ہے — ہزار غم ہیں مگر کوئی غمگسار بھی ہے
ستائے کیوں نہ ہمیں نامرادئ وحشت — جنوں سہی یہ گریباں میں کوئی تار بھی ہے
امید عفو تجھے اس کو رحم کی عادت — وہ بخشدیگا اگر تو گناہگار بھی ہے
لبوں پہ جان بھی ٹھہری تو کس بھروسہ پر — جو وعدہ آنے کا ہو لطف انتظار بھی ہے
کھلے ہے چشم فسونساز شب کی کیفیت — خمار سے بھی ہے کچھ نیند کا خمار بھی ہے
الجھ رہا تو ہے بوسہ کے واسطے اے دل — اگر خیال خم زلف تابدار بھی ہے

میں جان لوں جو وفا وعدہ عدو بھی ہو
میں مان لوں یہ کہیں قول کو قرار بھی ہو

قسم تو شکوہ جور و جفا کی روز جزا
کسی کی بات کا آخر کچھ اعتبار بھی ہو

بلاؤ ساقی کو شعلہ کدورتیں نکلیں
ہوا ہے ابر ہے آندھی بھی ہے غبار بھی ہے

مٹی ہزار تمنا اک آرزو کے لئے
ملا ہوں خاک میں دنیا کی آبرو کے لئے

ہزار چاہئیں دل ایک آرزو کے لئے
دماغ لاؤں کہاں سے تمہاری بو کے لئے

تمہارے دیکھنے والے کھڑے ہیں چار طرف
کدھر کو پھیرو گے منہ خاطر عدو کے لئے

اٹھائی جاتی ہیں تل تل کے تیغ ہاتھوں میں
چڑھائے جاتے ہیں خنجر مرے گلو کے لئے

خمار ہستی ناپائدار دیکھ چکا
چلا ہوں جوش میں پھر ساغر و سبو کے لئے

وہ ہاتھ کیا ہے جو پابند جیب و داماں ہو
وہ پاؤں کیا جو نہ ہوں تیری جستجو کے لئے

کھلی نہ زلف پہ کچھ بھی مری پریشانی
بنا ہزار زباں عرض مو بمو کے لئے

ملا ہے نطق زباں کو کہ تیرا ذکر کرے
زباں دہن کو ملی تیری گفتگو کے لئے

بنا رہی ہے نسیم بہار مرہم زخم
سلجھ رہے ہیں رگ گل مرے رفو کے لئے

بنا گیا ہمیں دیوانہ اک بت وحشی
جنوں ہے شغل کسی شوق تند خو کے لئے

نہ جفا تم کو نہ مجھ کو ہی وفا آتی ہے
دیکھئے شرم کسے روز جزا آتی ہے

پھر سرگوشی بیداد بلا آتی ہے
کان کے پاس تری زلف دوتا آتی ہے

بیکسی باعث شرمندگی مرگ ہوئی
گور کو بھی مرے لینے میں حیا آتی ہے

کھینچے ہے ناقہ لیلیٰ کو سوئے نجد کوئی
ساربان نالہ مجنوں کی صدا آتی ہے

سرد مہری سے تری داغ جگر سبز ہوئے	روزنِ سینہ سے کچھ ٹھنڈی ہوا آتی ہے
ہائے وہ گریۂ خاموش سے بھی گرم ہوئے	اشک غماز کو کیا آگ لگا آتی ہے
کس کے تلووں نے تصویر میں ملی تھیں آنکھیں	اشک خونبار سے کچھ بوئے حنا آتی ہے
ہاتھ جب سینہ کے ناسور سے اپنا سرکا	دلِ بیمار پکارا کہ ہوا آتی ہے
شعلہ ہے الفتِ دنیا تو فقط یادِ مرگ	زندگی یاد کسے بعدِ فنا آتی ہے

بیگانہ گر ہو کوئی تو اپنا بنائیے	کافر سے کیا بگاڑیے اور کیا بنائیے
ملتے ہیں مفت حضرتِ دل بوسہ ہائے زلف	چال پر نظر نہ کیجئے سودا بنائیے
پھر خدا نہ دو سرِ بازار گالیاں	عاشق کو راہ راہ سے بندا بنائیے
بھٹکے نہ دیکھیے کہ پھنسے ہیں ہزار دل	بیساختہ نہ زلف چلیپا بنائیے
کہتا ہے کون یہ کہ وہاں دل کر نہیں	سارے جہان کو تو نہ اندھا بنائیے
محشر بپا نہ کیجئے یوں راہ چلتوں پر	دالان کے لئے کوئی پردہ بنائیے
شعلہ نے کیا بگاڑ کیا تم کو دل دیا	غیروں کے سامنے تو نہ اتنا بنائیے

شکر کو شکوۂ جفا سمجھے	کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے
ہم تری بات ناصحا سمجھے	کوئی سمجھے ہوئے کو کیا سمجھے
مرض الموت کو شفا سمجھے	درد کو جان کی دوا سمجھے
اس تڑپنے کا مدعا سمجھے	دل بدخو تجھے خدا سمجھے
ہائے نادانی سرشک نہ پوچھ	گریہ کو طرزِ التجا سمجھے

کر دے اک جہاں کے بت خود بیں — اے سکندر تجھے خدا سمجھے
ور روانگیز صور کی آواز — دل شکستوں کی ہم صدا سمجھے
اور بگڑے مری شکایت سے — کچھ بھی موقع نہ بات کا سمجھے
شکوۂ جور پر اٹھائی تیغ — وہ مجھے جان سے خفا سمجھے
کون کرتا ہے آنے کا وعدہ — ہم تری بندشیں حنا سمجھے
حیف نادانی و تغافل دل — کیا تجھے آپ سے خدا سمجھے
غیر بھیجے ہے اسکو خط وصال — کاش تیرا لکھا ہوا سمجھے
روح کے سینکڑوں لباس ہیں ہو — کس کو اتری ہوئی قبا سمجھے
دل کی ناکامیوں سے جان گئی — کس نکمّے کو کام کا سمجھے

شعلۂ گل ہی تو میکدہ میں تھے
آج ہم کس کو پارسا سمجھے

لطف صیاد سے ہم صحن چمن بھول گئے — ابکے غربت وہ خوش آئی کہ وطن بھول گئے
کیا سراپا تھا ترا ہوش ربا روز ازل — حضرت صانع بتاتے ہیں دہن بھول گئے
کسکے آنے کی خوشی میں یہ اڑے سب کے حواس — ڈالنا اہل عزا مجھ پہ کفن بھول گئے
یاد کیوں ناقۂ لیلیٰ کے ہٹے جاتے ہیں — قافلہ والے مگر نجد کا بن بھول گئے
یاد وحشت میں جو وہ چشم فسونگر آئے — چوکڑی میرے بیاباں میں ہرن بھول گئے
یاد آکدن نہ کیا ہائے عدم والوں نے — وائے غربت مجھے یاران وطن بھول گئے
وصل کی آس پہ نالوں نے جو ہمت توڑی — کیا تری گردشیں او چرخ کہن بھول گئے
یاد آیا کسے تابوت پہ میرے آنا — لوگ کیوں رکھ کے مجھے زیر کفن بھول گئے

کوچۂ زلف میں جاتے ہی پڑی رخ پہ نظر — چلے تھے سوئے حلب راہ ختن بھول گئے
سرد مہری بتاں پر ہے طبیعت مائل — چار ہی دن ہیں مگر دل کی جلن بھول گئے
شوق نظارہ رہا بعد فنا بھی کیا کیا — وہ رفو کرنا مرا چاک کفن بھول گئے
گور میں سوئے ہیں آرام سے کیا کیا پس مرگ — وصل میں ہجر کے سب رنج و محن بھول گئے
شوق نظارۂ سنبل کی لٹک ہے پھر بھی — حضرتِ دل ترے گیسو کے شکن بھول گئے

نہ طبیعت میں مزا ہے نہ زباں میں کچھ لطف
شعلہ مدت ہوئی ہم طرز سخن بھول گئے

کب ہے تدبیر ستم سے بت ناداں خالی — نہیں حکمت سے مرے درد کا درماں خالی
تھی نہ یوسف کیلئے گردش دوراں خالی — تیری شہرت نے کرا ہی لیا کنعاں خالی
پھر بھی مقتل سے چلے لیکے وہ داماں خالی — کر دئیے سینکڑوں گردن سے گریباں خالی
ہو ذرا اشک سے دشمن کا نہ داماں خالی — دل بھر آیا جو ہوئے دیدۂ گریاں خالی
لذت زخم سے تھا شوق تپیدن کیا کیا — کر دئیے میں نے قیامت کے نمکداں خالی
چھونے دو مصحف رخ دیکھ تو لوں قسمت وصل — کفر ہے تم نہ کہو فال سے قرآں خالی
زاہدوں کو ہی مبارک رہے یہ فاقہ کشی — ساقیا دیکھ نہ جائے مہ رمضاں خالی
دل تو کہتا ہے کہ سینہ میں کسی کا ہے مقام — ہاتھ کہتا ہے کہ کیا پھاڑوں گریباں خالی
رخ پہ بوجھ کہیں سرمہ کے تل بنتے ہیں — گھات سے اپنے نہیں دشمن ایماں خالی
کون آیا تھا یہاں کس نے دکھایا جلوہ — کر گئے دیر و حرم گبر و مسلماں خالی
آپ آتے تو ہیں پر تیغ بھی لیتے آئیں — کون ہے سر پہ کسی کا کوئی احساں خالی
جنبش لب ہے جو منظور تو کھا لیجے پان — بات کی بات میں ہوتا ہے بدخشاں خالی

گھر میں چھپ بیٹھو کے جب سینہ پہ اٹھینگی چھریں
اٹھو لگ جاؤ گلے سے کہ ہے میداں خالی

چھوڑوں دامن کو ترے اپنے گلے کو کاٹوں
وہ نکمّا ہے جو ہو کام سے انساں خالی

مصحفِ رخ کی ہے تفسیر کتابِ دلمیں
نہیں آیا تری صورت سے تو قرآں خالی

تھا کبھی قیس کبھی میں تھا کبھی تھا فرہاد
نہ رہا ایک بھی دن کوچۂ جاناں خالی

عمر گذری کہ دلِ تنگ میں ہے تیرا خیال
نہیں رہتا کبھی یوسف سے یہ زنداں خالی

ہے مگر مائلِ پرواز میرا طائرِ روح
کہیں کردے نہ قفس مرغِ خوش الحاں خالی

اٹھ گیا نقشہ سا اوستاد جہاں سے شعلہ
کر گیا بلبلِ خوش لہجہ گلستاں خالی

غیر سے آپ مگر مائلِ گفتار ہوئے
لوگ کیوں بزم میں صورتِ دیوار ہوئے

آپ کے قد کو کہا سرو گنہگار ہوئے
ہم بھی سولی پہ چڑھائیکے سزاوار ہوئے

رشک سے مر گئے ہیں آپ طرحدار ہوئے
قبر کی خاک کے تھے پھول کہ جو ہار ہوئے

ہم چمن میں فقط آپکے گنہگار ہوئے
آشیاں تک نہ بنا تھا کہ گرفتار ہوئے

روز وعدہ ہوئے سو سو تری اقرار ہوئے
ہم قیامت کے مقرر ہوکے گنہگار ہوئے

سرخ آنکھیں ہوئیں کیا نشہ کی رنگت آئی
پھول لالہ کے مگر نرگسِ بیمار ہوئے

ہمنے کب ہوکے پسِ پشت لڑائیں آنکھیں
آپ آئینہ سے بیوجہ جو بیزار ہوئے

ہم بھی دریائے محبت میں تھے شمشیر کے گھاٹ
ایک ہی ہاتھ میں اس پار سے اس پار ہوئے

دیر و کعبہ میں پہنچے شیخ و برہمن آکر
دام تزویر مگر سبحہ و زنار ہوئے

رقصِ بسمل بھی قیامت کا نمونہ ہے کوئی
حشر کرنے کو بپا ہم تری رفتار ہوئے

جان لے لینے کو ابروئے اشارے سیکھے
دل پھنسا لینے کو گیسو تری خمدار ہوئے

زندگی اور اجل میں کبھی جھگڑا ہوگا
آپ اگر گرمِ سخن بھی دمِ رفتار ہوئے

شعلہ کس فکر میں خاموش ہو دو دیکھ لئے
زندگی چیز ہے کیا جس سے کہ بیزار ہوئے

بعدِ فنا بھی داغِ تپِ غم بغل میں ہے
جنت میں بھی گیا یہ جہنم بغل میں ہے

کیا کیا شبِ وصال وہ برہم بغل میں ہے
کچھ جی ہی جانتا ہے جو عالم بغل میں ہے

نظارہ کر رہے ہیں ترا سر سے پاؤں تک
دل ہے کہ آئینۂ قدِ آدم بغل میں ہے

ہم مر کے بھی چھٹے نہ رقیبوں کے رشک سے
دیکھا جو گور کو تو اک عالم بغل میں ہے

پالا ہے سانپ آپنے آغوشِ ناز میں
کہتا ہے کون گیسوئے خوش خم بغل میں ہے

ناطاقتی سے ہوتی ہیں زور آزمائیاں
پہلو میں دل ہے یا کوئی رستم بغل میں ہے

اب کیا رہا ہے جس کے بھروسے پہ زندگی
اک دل ہے سو بھی لائقِ ماتم بغل میں ہے

پھر کیوں بغل میں دوسرے دشمن کو دوں جگہ
اپنا ہی دل ہے ایک سو کیا کم بغل میں ہے

اوراقِ دل پہ وصفِ خطِ یار ہے رقم
یعنی کتابِ عشق کی ہر رقم بغل میں ہے

پڑو ڈھیلے ہاتھوں کی کچھ دل پہ چوٹ ہے
اے شعلہ کوئی تو ہی جو برہم بغل میں ہے

دل سے وحشت کی آرزو نہ گئی
زلف خود سر کی سر سے بو نہ گئی

تلخیٔ مرگ کا مزہ مت پوچھ
زہر کی گھونٹ تا گلو نہ گئی

اپنے دل پر بھی رشک آتا ہے
نہ گئی کاوشِ عدو نہ گئی

تاب کیا عکس روئے زیبا کی
آرسی رخ کے روبرو نہ گئی

اس گلِ چیت پیرہن پہ مرے
جس کا دامن نسیم چھو نہ گئی

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
حسرت دید ایک تو نہ گئی

رات آہی گئے تھے کچھ آنسو
شکر کیجئے کہ آبرو نہ گئی

حشر میں بھی وہی ہیں دم بازی
بہت بد خوئی ایک خو نہ گئی

اور حسرت بڑھی وصال کے بعد
مل کے بھی تیری جستجو نہ گئی

ہو چکا حشر کا بھی ہنگامہ
شعلہ پر تیری ہائے ہو نہ گئی

خدا کیواسطے ہاتھوں میں تیغ خونفشاں لیجئے
جھکا پڑتا ہی سر کہتا ہے میرا امتحاں لیجئے

اگر جی میں یہ ہی ہے آئے تیر و سناں لیجئے
نہ یوں شوق گاں دکھا کر دل ہی دل میں چٹکیاں لیجئے

پھٹا پڑتا ہی جوبن اب خدا حافظ ہی محرم کا
خمار جوش مستی سے نہ یوں انگڑائیاں لیجئے

سمندر کیا ہی یہاں طوفاں بھرے بیٹھے ہیں آنکھوں میں
اک آنسو گرنے ٹپکنے دیجئے دریا رواں لیجئے

میں وہ وحشی ہوں لیلی کہہ رہی ہی میری نذر میں
تو حضرت مر گیا مجنوں یہ اپنی بیڑیاں لیجئے

خموشی بھی بتکیا پروانگی گرمی صحبت کو
تکلم کہہ رہا ہے شمع کی منہ میں زباں لیجئے

دکھاؤں سینہ پر زخم اپنا طفل خوشخواں کو
محشی ہو مجلی ہی یہ خوشخط بوستاں لیجئے

جو لکھکر اک غزل شعلہ نے دیواں کا صلہ چاہا
زمین شعر بول اٹھی کہ ساتوں آسماں لیجئے

گر نمک پاش ہر زخم ملاحت ہوتی
میرے ناخن کیلئے اور بھی لذت ہوتی

سخت جانی کے لئے اور بھی ہمت ہوتی
گر اجل میں بھی تمہاری ہی سی عادت ہوتی

جھوٹھ سچ وعدہ فردا کا تو ہوتا معلوم
اے شب ہجر تو ہی کاش قیامت ہوتی

خونبہا لینے کو کیا حشر میں دھوکے ہوتے
گر قیامت بھی تمہارے قد و قامت ہوتی

نہ بنایا جو دہن صانع نے اچھا ہی ہوا
یہ وہ عقدہ تھا کہ کھلنے میں بھی دقت ہوتی

حسرت دید میں مرتے ہیں نہ کوچہ سے اٹھا
مردم چشم کی آنکھوں میں ہی تربت ہوتی

ی

نوجوانی میں خدا موت کسیکو نہ دکھائے
یہ وہ ہی وقت کہ دشمن کو بھی رقت ہوتی

دوست احباب ہوئے جمع یگانے آئے
ان کو آنے میں یہاں کس سے خجالت ہوتی

شعلۂ خستہ کے لاشہ کا تو اک نام ہی تھا
لانے تشریف تو سب ہی یہ عنایت ہوتی

بولے اک دوست کہ پاؤں کی نہ مہندی گھستی
عاشقی تو یہ نہیں تھی جو ندامت ہوتی

دوستی کا تھا یہی فرض سو ہم کہہ گذرے
اور نہ کہتے بھی تو کیا ہمسے شکایت ہوتی

ایک بولے کہ وہ ہرگز نہیں آنیکے یہاں
مفت بیفائدہ آپسمیں ہی حجت ہوتی

منتظر کس کے ہو اٹھو بھی اٹھاؤ تابوت
آپ آتے وہ اگر ان کو محبت ہوتی

وہ چھوڑا اپنے بھلا گوشۂ دامن شعلیم
ہاتھ کو چاک گریباں سے جو فرصت ہوتی

عمر نے روز بے وفائی کی
موت صورت بنی خدائی کی

ہاتھ نے جیب تک رسائی کی
ضعف نے طاقت آزمائی کی

اے خدا کیوں دعا نہیں مقبول
بات جاتی ہے جبہ سائی کی

ہائے بے وجہ وہ مکدر ہیں
کوئی صورت نہیں صفائی کی

دل وہ آئینہ ہے کہ گھر بیٹھے
سیر کر لیجئے خدائی کی

آپ آئیں وگرنہ بہر وصال
روح مشتاق ہے جدائی کی

آبلہ اور خار دشت جنوں
ہائے لذت برہنہ پائی کی

مصحفِ رخ سے ہوگئیں ظاہر
صورتیں شانِ کبریائی کی
نہ سہی آپ اچھے ہم ہی سہی
تمہیں اچھا کہا برائی کی
مزہ لیتے ہیں نوک کی کیا کیا
بھویں کستی ہیں کیا صفائی کی

شعلہ یہ میکشی و صحبتِ بت
اے تری وضعِ پارسائی کی

روشنی کافور ہے ظلمت کدہ ویرانہ ہے
گویا خالِ چہرۂ زنگی چراغِ خانہ ہے
بلبلِ دل اپنا اس گلزار پر دیوانہ ہے
گلشنِ ہستی جہاں کا سبزۂ بیگانہ ہے
خفتگانِ خاک کیسی ہائے ہو کرتے اٹھے
صورِ اسرافیل بھی کیا نعرۂ مستانہ ہے
اس دہانِ تنگ میں دانتوں کے ہونے سے کھلا
سر بمہر مشتیِ تقدیر دانہ دانہ ہے
جو نہ چونکے حشر تک وہ بختِ خفتہ ہے مرا
جس کو سنکر نیند آئے وہ مرا افسانہ ہے
وہ عدو کو بھر کے دیگا یا الٰہی خیر ہو
دستِ ساقی میں ہماری عمر کا پیمانہ ہے
وحشیوں کو کیا سگِ کوئے صنم سے نسبتیں
کہا گیا ہے گمانس آہوئے حرم دیوانہ ہے
کیوں نہوں ہنگامۂ محشر مری بیداریاں
دفترِ روزِ قیامت میرا اک افسانہ ہے
ہجر میں یہ بیقراری وصل میں یہ اضطراب
دل کی ہر اک بات میں اک طرزِ بیتابانہ ہے

اُن پہ جلکر خاک ہونے کو ہیں شعلہ سیکڑوں
شمع کے گھر میں فقط پروانہ ہی پروانہ ہے

حیرت نما تجلی ہے کیا روئے یار کی
صورت تکے ہے آئینہ آئینہ دار کی
بیصرفہ جستجو ہے مرے جسمِ زار کی
منکر نکیر جان لیں مٹی مزار کی
ہے نوک چوک شعر میں ابروئے یار کی
خامہ سے لڑ رہی ہے زباں ذوالفقار کی

للہ کس کے تیغ کا ڈورا نہ باندھئے — امید قطع ہوتی ہے امیدوار کی
ہاتھوں کو ہے نقاب سے منظور کشمکش — جانی بناؤ میرے گریباں کے تار کی
مجھ پر ہی کیوں خفا ہو کہ تیری نظر لگی — میں کیا ہوں تم پہ پڑتی ہیں آنکھیں ہزار کی
تم نے سنا نہ بیٹھ کے کچھ حال چشم تر — اوپر ہی بات اوڑ گئی ابر بہار کی
آنے دو روز حشر دکھا دونگا بعد مرگ — تم خود کروگے آ کے زیارت مزار کی
اپنا ہی ایک غم ہے سو کیا کم ہے ہمنشیں — دل میں کہاں جگہ ہے غم روزگار کی
دل پھینکدوں نکال کے سینہ سے جب کہو — حسرت مگر نہیں ہے مرے اختیار کی

بیدل ہوں شعلہ رہوں میں اسکی رکاب میں
ملتی نہیں ہے گرد بھی جس شہسوار کی

داغ جل جل کے جلاتے ہیں مجھے — زخم ہنس ہنس کے رلاتے ہیں مجھے
لاغری لطف فنا دیتی ہے — لوگ پہروں نہیں پاتے ہیں مجھے
بزم کیونکر تہ و بالا نہ کروں — بیٹھ کر غیر اٹھاتے ہیں مجھے
مہربانی میں بھی ہے طرز ستم — ٹھوکروں سے وہ جلاتے ہیں مجھے
سب سمجھتا ہوں رقیبوں کے بگاڑ — آپ ناحق کو بناتے ہیں مجھے
کبھی ہاتھوں سے کبھی پاؤں سے — کھیلتے ہیں کہ ہٹاتے ہیں مجھے
حال دل کہئے تو کس سے کہئے — سن کے لاکھوں وہ سناتے ہیں مجھے
کیوں ابھی آپ نہیں گرم خرام — اہل محشر تو جگاتے ہیں مجھے
غیر کے ہاتھ سے پیتے ہیں وہ جام — زہر بھر بھر کے پلاتے ہیں مجھے
دل پہ کہتا ہے کہ جب دے ہی چکے — آپ پھر کس سے چھپاتے ہیں مجھے

شعلہ کر سکتے ہیں کیا دیدۂ تر
دل لگی ہے جو بجھاتے ہیں مجھے

یہ وجہ کیا ہے زمانہ جو انقلاب میں ہے
ضرور زیر زمیں کوئی اضطراب میں ہے

خیال کچھ دلِ سوزاں میں ہو ملیحوں کا
نمک نہیں ہے تو پھر کیا مزا کباب میں ہے

چھپا ہوا سا ہے طرزِ حجاب شوخی میں
کھلی کھلی ہوئی شوخی ترے حجاب میں ہے

ابھی تو کھلتی ہے بدخواہ کی تنک ظرفی
بھری ہوئی کوئی دم کی ہوا حباب میں ہے

یہ کون بال کھولے آ رہا ہے تربت پر
دھواں چراغِ لحد کا جو پیچ و تاب میں ہے

وہ پڑھ کے خط کو مکدر ہوئے ہیں کچھ ایسے
جواب صاف مرے نامہ کے جواب میں ہے

گناہ گننے ہی گنتے قیامت ہو بھی چکی
ہنوز میرا فرشتہ مرے حساب میں ہے

کہاں کا حشر قیامت کدھر اٹھو نہ کبھی
شہید عارضِ تاباں ابھی نقاب میں ہے

شبِ فراق کی بیداریوں میں جان گئی
ہنوز آنکھ کھلی آرزوئے خواب میں ہے

ہوا کچھ ایسا ہجومِ نگاہ عارض پر
گمان ہے سب کو کہ چہرہ ترا نقاب میں ہے

سبک مزاج تو زینت سے آشنا ہی نہیں
دکھاؤ سرمہ کہاں دیدۂ حباب میں ہے

الٰہی خیر ہو فتنہ کہیں نہ چونک اٹھے
میں بوسہ لیتا ہوں آنکھوں کا وہ خواب میں ہے

غضب کا جوش ہے بے طور جوبن ابھری ہے
بلا کا زور ترے عالمِ شباب میں ہے

ہمیشہ سر پر سفر ہے سوار اے شعلہ
جو ایک پانو زمیں پر تو اک رکاب میں ہے

توڑ دی عذرِ جفا کار نے ہمت میری
لوٹ کر دل میں بھری میری ہی حسرت میری

لے دمِ قتل خبر کانِ ملاحت میری
زخم بے سود کئے دیتے ہیں لذت میری

زلف لیلیٰ کی پریشانی ہے وحشت میری
رنگ ہے قیس کی تصویر کا حیرت میری

ذرہ ہوں مہر نے چمکائی ہے قسمت میری
تیری وحدت سے نمودار ہے کثرت میری

اہل محشر سے الگ کیوں رہی حالت میری
کسکی ٹھوکر پہ تھی موقوف قیامت میری

آئینہ خانہ ہوئی عشق میں حیرت میری
تیری صورت میں نظر آتی ہے صورت میری

رشک بلبل نہیں سرگوشی گل سے مطلب
مثل تصویر خموشی ہے فصاحت میری

سجدہ پائے صنم سے تو خدا بھی خوش ہے
ناز کرتی ہے گناہوں پہ اطاعت میری

اٹھ تو سکتے نہ تھے پھر گور تک آنا کیسا
ضعف کہتا ہے کہ اب دیکھ لو طاقت میری

طلب بوسہ کے اقرار پہ ہے عذر دہن
جسقدر سہل ہوئی بڑھ گئی وقعت میری

چشم تر خوب پلاتی ہے مئے ناب مجھے
لخت دل روز کیا کرتے ہیں دعوت میری

دست وحشت نے کچھ ڈالے ہیں سب داغ جنوں
ہاتھوں ہاتھوں میں لٹی جاتی ہے دولت میری

وہ ہیں آوارہ ہوں اے قیس کہ لیلیٰ کی طرح
ڈھونڈتی مجکو رہی دشت میں وحشت میری

جسم سے روح یہ ہنگام پسیں کہتی ہے
اسی دم تک تھی فقط تجھسے رفاقت میری

پھر وہی آپ وہی موسم گل کے ایام
پھر وہی گل ہے وہی میں وہی وحشت میری

سخت جانی تو ابھی اور سہارا دیتی
وعدۂ غیر نے پھر توڑ دی ہمت میری

صاف ہونے ہو رقیبوں سے مکدر مجھ سے
آئینہ روز بناتی ہے کدورت میری

ہستی و نیستی منزل ہے بڑی دور دراز
اے دم مرگ زیادہ نہیں فرصت میری

کیا کروں شعلہ حسینوں کا نظارہ ہے غضب
کب سنبھلتی ہے سنبھالے سے طبیعت میری

بزم میں چل چل پڑی وہ بے نقاب آنیکو ہے
حشر ہوگا قد آدم آفتاب آنیکو ہے

اشک کے بدلے مژہ پر خون ناب آنکھو ہے ۔ خیر ہو اجزائے دل میں انقلاب آنکھو ہے

زلف و رخ کھولے ہوئے وہ بے نقاب آنکھو ہے ۔ کچھ نہ کچھ شام و سحر میں انقلاب آنکھو ہے

پھر کے پہلو میں دل پر اضطراب آنکھو ہے ۔ مژدہ باد اے مرگ جاں پر پھر عذاب آنکھو ہے

شکر کی جا ہے اُتر کر آفتاب آنکھو ہے ۔ زاہد و سجدہ کرو جام شراب آنکھو ہے

بند آنکھیں ہیں خیالِ ابروئے خمدار میں ۔ خیر ہو تلوار کے سایہ میں خواب آنکھو ہے

حسرت و امید میں خوں ہے سوال آرزو ۔ دیکھیے کیا ہو ترے لب پر جواب آنکھو ہے

شہسوارِ حسن ٹھکرا جل سمندِ ناز کو ۔ موج بحرِ خونِ بسمل تا رکاب آنکھو ہے

دیکھو عکسِ رخ سے بگڑو گے کہ رشکِ حسن سے ۔ آئینہ سرکاؤ چہرہ پر عتاب آنکھو ہے

چھوڑ دو تھوڑی جگہ او سونے والو گور کے ۔ اُٹھکے بیٹھو اور اک خانہ خراب آنکھو ہے

گریہ کچھ پایاب دریا تو نہیں جو چل دیے ۔ پائچے اونچے کرو طوفان آب آنکھو ہے

دور ہٹ بحرِ فنا سے گر بقا منظور ہے ۔ کیوں ہوا میں بھر کے یاں مثلِ حباب آنکھو ہے

کوئی کہہ بھی دے کہ آتے ہیں وہ تھوڑی دیر میں ۔ روح اُلٹی جسم میں کیسی شتاب آنکھو ہے

مرگ کیوں ہیں ناپسندِ طبع پردہ دار ہوں ۔ زندگی کیوں میری صورت سے حجاب آنکھو ہے

شعلہ ہم بھی آہ بھر کے ہیں چمکتی ہے جو برق ۔ رونے ہم بھی بیٹھتے ہیں گر سحاب آنکھو ہے

گوشۂ دل میں خیالِ بے نقاب آنکھو ہے ۔ ذرہ کی خلوت سرا میں آفتاب آنکھو ہے

گور میں کون عاشق پر اضطراب آنکھو ہے ۔ اس نئی بستی میں بھی کچھ انقلاب آنکھو ہے

عین ہنگام سحر وہ بے نقاب آنکھو ہے ۔ دھوتے پہلے سے گھر آفتاب آنکھو ہے

بے خودی چھائی ہے ساقی سے حجاب آنکھو ہے ۔ نشہ کے بدلے مری آنکھوں میں خواب آنکھو ہے

حشر کسکا وہاں تو پھر رُخ پر نقاب آنکھو ہے
سور ہو کشتو اگر آنکھوں میں خواب آنکھو ہے

دور ہے ساقی مگر جام شراب آنکھو ہے
اپنے ہاتھوں ہاتھ ہم تک آفتاب آنکھو ہے

رخنہ بندی ہو رہی ہیں سینہ صد چاک کی
دلمیں درپردہ وہ شوخ بے حجاب آنکھو ہے

چھا گئی ہے کیوں عروسانِ چمن پر بیخودی
چیتے بلبل دیدۂ نرگس میں خواب آنکھو ہے

سوچ رکھو تم بھی اپنے دلمیں عذر خونبہا
زخم گننے وہ مجھے روز حساب آنکھو ہے

نالہ سینہ سے نکل آیا درِ دل توڑ کر
آج پہلو سے نوید فتحیاب آنکھو ہے

خود بخود ہوتے ہیں میرے دیدۂ بیدار بند
کچھ تمہاری وضع سے آنکھوں میں خواب آنکھو ہے

ساقی بدمست آتا ہے لئے جام سبو
شعلے اُٹھ بیٹھو کہ محفل میں شراب آنکھو ہے

رہو گے پر تو رُخ کب تلک چھپائے ہوئے
بہت زمانہ ہوا طور کو جلائے ہوئے

پھرے گی بادِ صبا پھر کسے اُڑائے ہوئے
کہ خاک بھی نہیں ہوتی تری جلائے ہوئے

خودی میں آؤ کہ عاشق پہ بیخودی چھائی
چلے ہو ہاتھ سے دامن کہاں چھڑائے ہوئے

کمر تو توڑ ہی دی تھی مری گناہوں نے
ترا کرم ہے مگر آسرا بندھائے ہوئے

نگاہ کی طرح چپکے سے نکلے جاتے ہو
تمہیں تو چین نہیں آنکھ میں سمائے ہوئے

پھر اُن کو حشر کا کیا ڈر جو ہیں ترے مارے ہیں
تمہاری طاقت دیدار آزمائے ہوئے

تمہاری یاد دہن نے دئے ہیں لاکھوں داغ
اس ایک غنچہ نے کیا کیا ہیں گل کھلائے ہوئے

عدو کے آتے ہی کیا بات جی میں بیٹھ گئی
اُٹھائے جاتے ہیں جو بزم سے بٹھائے ہوئے

تمہیں کہو کہ ستم کا تمہیں سلیقہ تھا
یہ ناز و غمزہ ہیں کسکے کہو سکھائے ہوئے

تمہاری جنبش دامن نہ جب تلک ہوگی
اُٹھینگے حشر میں کیا خاک کے ملائے ہوئے

جگر کو دیکھیو یوں سینہ میں دل کو پہلو میں
وہ بھی نظروں سے چلے ہیں کچھ چرائے ہوئے

جما ہوا ہے زمانہ میں رنگ پامالی
ہزار نقش ہیں اک پانو کے مٹائے ہوئے

نہ گور چیر کے نکلے کسی شہید کا ہاتھ
خدا کیواسطے دامن ذرا اٹھائے ہوئے

شب فراق سے محشر کو کونسی نسبت
ستائے جائینگے پھر کیا ترے ستائے ہوئے

بگاڑ مجھ سے عدو سے بناؤ کی باتیں
لڑائی مجھ سے نظر غیر سے ملائے ہوئے

ہٹا لیا ہے گریباں کو چاک سینہ سے
کھڑے ہیں دیر سے پردہ ذرا اٹھائے ہوئے

نہ ضبط گریہ سے کیا کیا کھلینگے اسکے گل
ہنسینگے زخم کی صورت ترے رلائے ہوئے

پری ہو حور ہو غلماں ہو مہر ہو مہ ہو
بنا ہیں کیا انہیں تم ہو بنے بنائے ہوئے

ہمارا عجز ہے اے شعلہ نقش بند خیال
قلم کی چال ہی چلتے ہیں سر جھکائے ہوئے

قلم کا طرز جو رنگینی سخن میں رہے
چھپی ہوئی سرخی فرہاد پیرہن میں رہے

گلوں کا چاک گریباں نہ کیوں چمن میں رہے
مزا یہی ہے کہ خود رفتگی وطن میں رہے

الہی فرق نہ داغ نو و کہن میں رہے
چمن کا پھول اثر کر ہی اس چمن میں رہے

اٹھو اٹھو کی صدا جب ہر ایک سخن میں ہے
تو کیوں نہ حشر کا ہنگامہ انجمن میں رہے

فنا کیواسطے آرائش بدن میں رہے
حباب کسطرح کیا خاک پیرہن میں رہے

دل اسیر ترے گیسوؤں سے کیا سلجھے
جو بال بال میں الجھے شکن شکن میں رہے

زمیں اٹھائیگی سر پر مری گرانجانی
یہ بوجھ وہ ہے کہ بھاری ہزار من میں رہے

عدو کی بزم میں ہو جائیں گرمیاں معلوم
اثر ذرا بھی اگر آہ شعلہ زن میں رہے

نگاہ ناز پہ دنبالہ یوں ہے سرمہ کا
کہ جیسے تیغ کوئی دست تیغ زن میں رہے

جھکے کسی کیطرف اور کسی سے آنکھ لڑی
نئے نئے ترے انداز بانکپن میں رہے

پڑی ہی گور میں وحشت تو پانو پھیلائے
جنون بھی ہاتھ پسارے ہوئے کفن میں رہے

اسیرِ دام محبت کا تفرقہ ہے ستم
قفس میں ہم رہے اور بال و پر چمن میں رہے

کچھ اور شورشِ مضموں کے شعر لکھ شعلہ
مزا نمک کا بھی شیرینیِ سخن میں رہے

نگاہ چہرہ پہ دل زلف پر شکن میں رہے
قفس کا رستہ بھی نکلا ہوا چمن میں رہے

گلو بکی ایک سی رنگت ہری چمن میں رہے
مٹاؤں فرق جو داغِ نو و کہن میں رہے

وہ ذکرِ وحدتِ حق ہو کہ ہر سخن میں رہے
مثالِ رشتۂ تسبیح سو وہن میں رہے

برائے نام نہ لاشہ و سر اکفن میں رہے
غمِ فراق ذرا بوجھ تو بدن میں رہے

دکھاؤں سامنے بٹھلا کے طرز پروانہ
جلاؤں شمع کو خلوت جو انجمن میں رہے

چلی ہے بعدِ فنا حسرتِ وصال کہاں
گلے سے کوئی تو لپٹا ہوا کفن میں رہے

خیالِ روئے صنم دلمیں دل ہے پہلو میں
کہ جیسے بت کوئی آغوشِ برہمن میں رہے

تم اپنی آنکھ کو آئینہ میں دکھاؤ آنکھ
ذرا تو دیر لڑائی ہرن ہرن میں رہے

نکلے کہتے ہیں آغوشِ وصل میں شبِ وصل
یہ چاند وہ نہیں جو رات بھر گہن میں رہے

نہ یاد تھا کہ بگڑنا بھی سیکھے آتا ہے
ستم کو بھولے ہوئے تیری سادہ پن میں رہے

تم ایسے دلمیں رہو جیسے دل ہو پہلو میں
تم ایسے جاں میں رہو جیسے جاں بدن میں رہے

انھی کے نام کا اے شعلہ ورد ہو جبتک
زباں میں نطق رہے اور زباں دہن میں رہے

میرے ماتم میں جو وہ کاکل کتر کر پھینکدے
گور پر موجِ صبا سنبل کتر کر پھینکدے

تم دمِ گلگشت گر اک بوسۂ رخسار دو
چونچ سے بلبل چمن میں گل کتر کر پھینکدے

ایسے صیادِ ستمگر سے ہو کیا امیدِ رحم
جو رگِ گل سے پرِ بلبل کتر کر پھینکدے

سر کٹا یوں جنبشِ ابرو سے بزمِ یار میں
شمع کا گلگیر جیسے گل کتر کر پھینکدے

ماہ کامل سے تراشا چرخ جیسا ماہ نو
ایسا اک نعلِ سمِ دلدل کتر کر پھینکدے

اے ہلالِ آسماں کرتے ہیں ہم ٹھنڈی شراب
ابر کا اک ٹکڑا ابرِ مل کتر کر پھینکدے

صورتِ ناقوس ہونگا روزِ محشر نعرہ زن
تو اگر میری زباں بالکل کتر کر پھینکدے

کیا دمِ تقریر چلتی ہے زبانِ مقراض سی
شوخیٔ گفتار لاکھوں گل کتر کر پھینکدے

ساقیٔ بزمِ تصور ہے وہ خاموشی پسند
گردنِ مینا دمِ قلقل کتر کر پھینکدے

وہ اسیرِ بندِ الفت چلدیا آشفتہ سر
اتنا او ظالم کہیں کاکل کتر کر پھینکدے

رکھکے چھو لینے پہ یوں گلرو نے کاٹی میری ہاتھ
جس طرح کوئی پرِ بلبل کتر کر پھینکدے

منتظر ہیں سینکڑوں گلچیں نئے مضمون کے
شعلہ پھر بزمِ سخن میں گل کتر کر پھینکدے

کر کے پامال کہاں جاتا ہے جانیوالے
او مری خاک سے دامن کے بچانیوالے

ایک دل جسکے ہزاروں ہیں ستانیوالے
ایک ہیں لاکھ مری جان کے کھانیوالے

اودھر سے واسطے دربان بٹھانیوالے
نہیں رکتے ہیں فرشتو تسے بھی آنیوالے

آگئے اپنو جنازہ کے اٹھانیوالے
دیکھتا جا مجھے منہ پھیر کے جانیوالے

کیا ہی سامان ہیں اک عمر وورزہ کے لئے
کچھ مرے جاتے ہیں جینے پہ بڑھانیوالے

پا گئے ہم بھی نہ شرماؤ ملاؤ آنکھیں
بھی آپ مرے دل کے چرانیوالے

میرے نالوں سے کیا غیر نے برہم ان کو
سچ ہے ہوتے ہیں برے آگ لگانیوالے

دست رنگیں میرے سینہ پہ ہزار ہے دے — اوٹھی آگ کے ہاتھوں سے بچھانیوالے
دو اجازت مجھے رونگی تو طوفاں آئے — دیدہ تر ہیں سمندر کے بہانے والے
حال دل سنکے وہ کہتے ہیں بگڑ کر مجھ سے — یہیں آجاتے ہیں باتوں کے بنانیوالے

لیچلا بار گنہ سر پہ کہاں کا شعلہ
دیے جاتے ہیں جنازہ کے اٹھانیوالے

ادہر تو پہلو میں دل نہیں ہے ادہر جو دیکھو جگر نہیں ہے — اگ آہ سینہ میں رہ گئی ہے سو آہیں بھی کچھ اثر نہیں ہے
نگاہ اٹھائی تو قہر آیا جدہر کو دیکھا صفیں الٹ دیں — قضا کی شمشیر کھیلتی ہے تمہاری ترچھی نظر نہیں ہے
نہیں ہے کچھ کھیل عشق ابرو سنبھل کے اے دل یہاں نکلنا — یہ گھاٹ وہ ہے جو پار اترا تو دیکھ لینا کہ سر نہیں ہے
ابھی تو باقی ہے رات صاحب کہاں کو سیکھے ہو اضطرابی — یہ رشتے زیبا کی روشنی ہے یقین مانو سحر نہیں ہے
جو تیری رفتار سے ہیں کشتہ انہوں نے کروٹ تلک نہ بدلی — کہاں کا محشر ہے صور کسکا یہاں کسیکو خبر نہیں ہے
نہونے پر تو ستم پہ باندھی جو کچھ بھی ہوتی تو دیکھتے پھر — بڑی الٰہی یہ خیر گذری کہ ان کے ہتھ کمر نہیں ہے

نہیں ہے اے شعلہ بات خالی کہیں تو جاتا ہے یہ نکلکر
جو دل کو پہلو میں ڈھونڈھتا ہوں تو پاتا وو وو ویر نہیں ہے

جان دینا ہے چھیڑ دل لگی کی — رونا اک بات ہے ہنسی کی
دیکھیں نکلے گی کس کے جی کی — پھر اُن کو تلاش ہے چھری کی
محشر میں بھی آکے بات کھوئی — سنتا نہیں یہاں کوئی کسی کی
رُخ جھولاتا ہے وہ نمکداں — دیکھو کہیں بات ہو نہ پھیکی
دوزخ واعظ کو ہمکو جنت — اللہ نے خوب منصفی کی
اس کا کوئی مدعا بتاؤ — ہے خط پہ جو مُہر مدعی کی

گر محفلِ میکشاں میں آئیں
شیخی نکلے گی شیخ جی کی

شعلہ جب تک کھلے نہ جوہر
ہوتی نہیں قدر آدمی کی

کہا تھا کیا جو ہوئے تم خفا سنو تو سہی
لو آؤ جانے دو بیٹھو ذرا سنو تو سہی

یہ اختیار ہے مانو نہ مانو پر کچھ تو
ہمارے دل کا ذرا مدعا سنو تو سہی

عدو سے کہتے تھے کیا بات پھر کہو تو سہی
نکالی آپ نے یہ کیا حیا سنو تو سہی

وصال میں ترے انداز کیا کہوں تجھ سے
وہ کس طرح سے کہ ٹھیرو ذرا سنو تو سہی

یہ بات جانے دو کیسے بہرے تمہارے کان
بتو ہماری بھی بہرِ خدا سنو تو سہی

سڑی کسی نے کہا اور کسی نے دیوانہ
تمہارے واسطے کیا کیا سنا سنو تو سہی

خدا کے واسطے دامن نہ ہاتھ سے جھٹکو
یہ کس سے وعدہ ہے جلدی ہے کیا سنو تو سہی

جو آئیں حضرتِ ناصح تو آنے دو شعلہ
بھلا یہ دیکھیں وہ کہتے ہیں کیا سنو تو سہی

حسرتِ زخم سے پھر بھی نہ ہوا دل خالی
کر چکا لاکھ نمکداں ترا بسمل خالی

کر کے پہلو کو چلا شوخ شمائل خالی
کیوں نہ حسرت میں کروں کس طرح دل خالی

جسم سے رخصتِ جاں ہے کہیں جلدی آؤ
لیلیٰ روح کئے دیتی ہے محمل خالی

بوسۂ خال کے وعدے پہ لیا تھا تم نے
بیعانہ میں جو نقد و کیا لیکے کروں دل خالی

تیری درگاہ سے محروم نہیں ہے کوئی
تیرے دروازہ سے پھرتا نہیں سائل خالی

اسکی جلوت ہے جو منظور تو دل درد سے بھر
کب ہوا شیشۂ مے بزم میں داخل خالی

مہر قرباں تمہارے نگہ بد کے لئے
چاند سے رخ پہ لگا لیجئے اک تل خالی

آرزوؤں کا بُرا ہو کہ کبھی جی نہ بھرا — مرگیا پر نہ تمنا سے ہوا دل خالی
کاندھا دینے کوئی آیا ہی جنازہ کے قریب — ہوتے جاتے ہیں جو تابوت کے حامل خالی
ہر نفس آمد و شد لب پہ ترے ذکر میں ہے — صورتِ دانۂ تسبیح ہوا دل خالی
اُس کو کیا روؤں کہ آنا نہیں آساں اُن کا — دل کیا تھا یہاں رو رو کے بمشکل خالی
یاد تیری ہے ترا ذکر تصور تیرا — مشغلہ سے کبھی رہتے نہیں عاقل خالی
ہر نفس رفع کدورت ہی گھڑی بھر ٹھیرو — کرنے دو شیشۂ ساعت کی طرح دل خالی
جسم سے فرقتِ جاں کوئی نئی بات نہیں — ایسے لاکھوں گئے اس لیلیٰ نے محمل خالی
پھوٹ کر ہستیٔ کمظرف یہ کیا کیا رویا — نظر آتا جو حبابِ لبِ ساحل خالی
شاہدِ حسن ہوا عینِ تغافل میرا — تیرے جلوہ سے نہیں پردۂ حائل خالی
ہائے اندھیر پئے غیر جلانے کو میرے — حکم ہوتے ہیں کہ ہو شمع سے محفل خالی
تپشِ دل نے تہِ تیغ تڑپنے نہ دیا — مجھ پہ سو بار پڑا خنجرِ قاتل خالی

کام کیا آئیں گے پھر دست و زباں اے شعلہ
کیا کیا کرتا ہے بیٹھا ہوا غافل خالی

جنوں کا سلسلہ در پردہ نکلا حسنِ پنہاں سے — حجابِ یار رسوا ہی مرے چاکِ گریباں سے
چلے ہیں پا نو یا ہر دورہ گردوں گرداں سے — ترے وحشی کا جی گھبرا گیا تنگیٔ میداں سے
دل و جان و جگر جل جل کے ٹپکے چشم گریاں سے — یہاں تو خانماں کے خانماں ڈوبی ہیں طوفاں سے
نچھوٹا اب بھی خونِ کشتگانِ ناز داماں سے — چلو دیکھیں وہ باہر آ گئے محشر کے میداں سے
سحر اُٹھتے ہی اُنکے ہو گئی چاکِ گریباں سے — مرا داغِ جگر ہم خواب تھا خورشیدِ تاباں سے
جلا سارا بدن اے شعلہ و یاں سوزشِ جاں سے — لگی ہے آگ اس گھر میں چراغِ زیرِ داماں سے

سیہ خانہ ہو کب روشن طلوع مہر تاباں سے
سحر بھی ہو وہ ہی دست گریباں شام ہجراں سے

جنوں نے بے سر و ساماں نہ رکھا تا دم آخر
کفن کے کام آیا جو بچا کپڑا گریباں سے

نظر کا ٹھہرنا آساں نہیں رخ پہ کوئی پوچھے
ترے نظارہ کی دشواریوں کو چشم حیراں سے

عدم والوں کو بھی دکھلا ئینگے جینے کی کیفیت
بچا کر کوئی دن کی زندگی گر لیگئے یاں سے

نظر نیچی کرو بہر خدا اب خط نکل آیا
کسی شے کو کبھی اونچا نہیں کہتے قرآں سے

رہا عیش وصال یار یاں حسرت ہی حسرت میں
ملا ہے مجکو لطف زندگی مرنیکے ارماں سے

تصور پردہ ہائے چشم پر تصویر کھینچے ہے
بنائی ہے عجب کلک تصور موئے مژگاں سے

نہیں کھلتا ہوا کیا دست وحشت تیری غیرت کو
گلا گھٹنے لگا عاشق کا تنگی گریباں سے

غلط ہے یہ کہ خوف خونبہا سے گھر میں چھپ بیٹھے
مگر ہاں پاک دامن بنگئے خون شہیداں سے

سوار حسن آتا ہے کوئی او دیدۂ مجنوں
مٹا دے نقش پائے ناقۂ لیلیٰ بیاباں سے

مثال بوئے گل چھوٹی نہ ہم سے الفت گلشن
ہوا پر آشیاں باندھا اگر اٹھے گلستاں سے

جراحت زا تری شیریں کلامی تھی دم بسمل
ہوئے ہیں زخم کیسے ہیزہ شور نمکداں سے

دم تحریر خط کیا کیا خجالت نامہ بر سے ہے
ورق سادہ ہی رہجاتا ہے دھلکر چشم گریاں سے

خدا کیواسطے اب چاک سینہ کی اجازت دو
دل وحشت زدہ گھبرا گیا تنگی میداں سے

اٹھالے دست رحمت سے نظر کر اپنی بخشش کی
دبا جاتا ہوں میں زندہ نہیں ہیں بار عصیاں سے

وہ خنجر لیکے آئے اور یہاں ہیں اٹھ نہیں سکتا
نقاہت کچھ زیادہ تر گراں ہے سختی جاں سے

عزیز و جذبۂ یعقوب کی تاثیر الٰہی ہے
محبت ہو گئی گھر کیطرح یوسف کو زنداں سے

نکالو آرزو کی لاش رکھکر دوش ارماں پر
کفن دو حسرت مردہ کو عاشق کے گریباں سے

تغافل اسقدر کیا کوئی شان دلربائی ہے
نہیں کچھ فائدہ بھی ہے مری بیتابی جاں سے

کھلا جاتا ہی راز عشق کیا کرتے ہو اے شعلہ
اودھر دیکھو توڑنے کی قسم تو چشم گریاں سے

غیر پر چشم عنایت کیسی
یہ اشارت یہ کنایت کیسی

خوب کہہ لیجیے ہم بھی چپ ہیں
شکر کی جا ہے شکایت کیسی

تیر و خنجر سے ذرا کام تو لو
چشم و ابرو کی حمایت کیسی

طور پر تم ہی تو تھے جلوہ فگن
بات سچ ہو تو روایت کیسی

جو نکلتا ہے قیامت قد ہے
ان بتوں کی ہے ولایت کیسی

قتل ناحق کا تو فتوے مجھ پر
غیر کے حق میں رعایت کیسی

جور ہوتے ہیں کرم کے بدلے
پھر گئی چشم عنایت کیسی

سن تو لو میری شب ہجر کی بات
قصہ کیسا ہے حکایت کیسی

اشک آتا ہی نہیں آنکھوں میں
کر گیا دل میں سرایت کیسی

مصحف رخ پہ نکل آیا خط
بڑھ گئی اور یہ آیت کیسی

کچھ کھلی چاہئیں آنکھیں آخر
حسرت مرگ نہایت کیسی

حضرت ناصح یوہیں رہنے دو
دل نہ دینے کی ہدایت کیسی

نہ کہوں میں تو تمہارا کیا زور
نہ سنو تم تو شکایت کیسی

وعدہ اک وقت کا کر جائیگا
ابتدا اور لغایت کیسی

شعلہ کیوں کرتے ہو ٹکڑے ٹکڑے
دل کے دینے میں کفایت کیسی

بیٹھتے اٹھتے خیال نوک مژگاں چاہئے
کروٹیں لینے کو ہر پہلو میں پیکاں چاہئے

دلکو پہلو میں بھی کچھ وحشت کا ساماں چاہئے
سینہ کے اندر ہی چھوٹا سا بیاباں چاہئے

وصف دست و پا میں ذکر قد جاناں چاہئے
مصرعۂ موزوں کا ہر اک لفظ چسپاں چاہئے

عاشقوں کو کیا خیال کفر و ایماں چاہئے
بت بنا نکلے لئے خاک مسلماں چاہئے

سخت جانی کیلئے کیا تیغ براں چاہئے
عمر کا کٹنا یہ مشکل ہے کہ آساں چاہئے

تم کو پہلو میں بٹھالوں بیٹھنے سے پیشتر
درد کا اٹھنے سے پہلے کوئی درماں چاہئے

خود پھروگے دیکھ لینا تم تو مجکو ڈھونڈھتے
حشر میں ملنے کا کس کو عہد و پیماں چاہئے

گر یہی دیدار بازی ہے عدو سے بے حجاب
آنکھ میں کوئی نگاہوں کا نگہباں چاہئے

باعث آسودگی ہے خانہ ویرانی مری
در ہی جب گھر کے نہیں ہیں کسکو درباں چاہئے

ہر نفس چلتا پڑا ہے کاروان روح کا
ہر گھڑی مثل جرس یاں لب پہ افغاں چاہئے

بت پرستی جب تلک ہو تب تلک ہو زندگی
صورت زنار گردن میں رگ جاں چاہئے

بہر جلوہ پردہ پردہ آئینہ خانہ سے
دیدۂ بینا تری صورت پہ حیراں چاہئے

چرخ کیسا گریہ کس کا نوح کی کشتی کہاں
اک نہ اک ہر روز میرے سر پہ طوفاں چاہئے

بوسۂ لب کیوں نہ وقت قتل ہو لذت فزا
بہر تسکیں زخم سے پہلے نمکداں چاہئے

تا سخن سنجی میں بھی شعلہ رہیں مضمون گرم
کچھ لگی ہونٹوں کے اوپر آہ سوزاں چاہئے

اس نقاہت سے جنوں طرف بیاباں چاہئے
ہاتھ میں رومال کے بدلے گریباں چاہئے

آنکھ لگتے ہی خیال زلف پیچاں چاہئے
نیند سے پہلے مجھے خواب پریشاں چاہئے

خط بھی زیب مصحف رخسار جاناں چاہئے
کچھ نہ کچھ ملتا ہوا صورت سے قرآں چاہئے

چٹکیاں لیتا ہوا سینہ میں پیکاں چاہئے
کوئی تو حال دل مضطر کا پرساں چاہئے

رنگ لایا صورتِ لالہ مرا عشقِ جنوں — داغ ہم آغوشیٔ چاکِ گریباں چاہیے
آپ ناحق کیوں بناتے ہیں سرِ ابرو پہ تل — کون کہتا ہے درِ کعبہ پہ درباں چاہیے
حسرتِ نظارہ مژگاں کی تراوش کیلئے — آنکھ میں دل چاہیے اور دل میں ارماں چاہیے
تو ہی آتا ہے یہاں تک اور نہ آتی ہے اجل — بیوفا کوئی تو وعدہ سے پشیماں چاہیے
بہرِ مضمونِ قیامت وصفِ قامت ہے ضرور — ایک مصرع دوسرے مصرع سے چسپاں چاہیے
کہتے پھرتے ہیں وہ مقتل میں ضیافت کیطرح — زخم کس کو چاہیے کس کو نمکداں چاہیے
ہاتھ خالی چلدئے کیا طے کریں راہِ عدم — ہر سفر میں ایک دو منزل کا ساماں چاہیے
قتل سے کیا غم جنوں کو سر نہیں سودا تو ہے — دستِ وحشت کے لئے خالی گریباں چاہیے

شعلہ کچھ تم ہی پڑھو بزمِ سخن سنسان ہے
اس چمن میں کوئی تو بلبلِ خوش الحاں چاہیے

سر جو قدموں سے پڑا آگے ہے — کس کا نقشِ کفِ پا آگے ہے
عشقِ بت حد ہے مجازی کے لئے — اس سے بس اور خدا آگے ہے
جا کے دل کوچۂ گیسو میں پھنسا — یہ نہ سوچا کہ قضا آگے ہے
دمِ رفتار پکارا فتنہ — ہاں مزارِ شہدا آگے ہے
گور ہے ملکِ عدم کا رستہ — منزلِ روح فزا آگے ہے
دل کہاں خط سے چلا سوئے ذقن — دیکھتا بھی ہے کہ کیا آگے ہے
قصۂ سوزشِ دل سب سن لو — اس کہانی میں مزا آگے ہے
ہائے واماندگیٔ عشق نہ پوچھ — خاکِ مجنوں سے ہوا آگے ہے
جوششِ شوق نے مایوس کیا — کہ اثر سے بھی دعا آگے ہے

تیر کیا ڈھونڈتے ہو پہلو میں
اور بھی اس سے ذرا آگے ہے

رو چکے خوں مگر آنکھوں سے
پھر وہی رنگ حنا آگے ہے

یہاں یہ لب پہ ہے وہاں پر ہاتھ
گویا نالہ سے صدا آگے ہے

تیرے دربار میں کچھ فرق نہیں
پادشاہوں سے گدا آگے ہے

حسرتیں ہیں پسِ تابوت رواں
بیکسی اہلِ عزا آگے ہے

اور کیا پیشکشِ وحشت ہو
لے جنوں جیب و قبا آگے ہے

بیخودی میں ہی رہا اے شعلہ
بیخبر دار فنا آگے ہے

تمہارے بسمل بیتاب جانے کیا کرتے
نمک جو زخم میں ہوتا تو ہاں مزہ کرتے

بتوں کا عشق نہ کرتے تو کیا بُرا کرتے
جو ایک کونے میں بیٹھے خدا خدا کرتے

یہ شکوہ کاہیکو کاہیکو یہ گلا کرتے
تجھے بھلا جو نہ کہتے تو کیا بُرا کرتے

لئے تھے دل کی عوض بوسے غیر سے کیا ذکر
حساب دل کا تھا دل میں سمجھ لیا کرتے

یہی تھی خیر کہ ہم تھے نہ قابلِ پُرسش
وگرنہ حشر میں کیا جانے جانے کیا کرتے

کوئی جگہ نہیں دیتا بغل میں دشمن کو
جو دل ہی کام کا ہوتا تو کیوں جدا کرتے

بگاڑی حضرت شعلہ نے آپ کی عادت
سکھاتے طرزِ وفا ورنہ بے وفا کرتے

ولی اک حرف و حکایات ہے یہ بھی نہ سہی
اگر میری بات میں کچھ بات ہے یہ بھی نہ سہی

عید کو بھی وہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے نہ ملیں
اک برس دن کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی

دل میں جو کچھ ہے تمہارے نہیں پنہاں مجھ سے
ظاہری لطف و مدارات ہے یہ بھی نہ سہی

زندگی ہجر میں بھی یونہیں گذر جائے گی
وصل کی ایک ہی تو رات ہے یہ بھی نہ سہی

میری تربت پہ لگاتے نہیں ٹھوکر نہ لگاؤ
یہ ہی بس اُن کی کرامات ہے یہ بھی نہ سہی

کاٹ سکتے ہیں گلا خود بھی نہ کیجے ہمیں قتل
آپ کے ہاتھ میں اک بات ہے یہ بھی نہ سہی

عوضِ خونِ جگر بادۂ گلرنگ تو ہو
اور یہاں یہ بھی مساوات ہے یہ بھی نہ سہی

قتلِ قاصد پہ کمر باندھی ہے شعلہ اپنے
خط کتابت کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی

کہاں ہے حشر جو پرسش ہو مدعا کے لئے
خموش رہنے دے اے ہمنفس خدا کے لئے

مریضِ عشق کو کیوں فکر ہو شفا کے لئے
یہ درد وہ ہے جو ملتا نہیں دوا کے لئے

پڑا رہے جاؤں میں دم نالۂ رسا کے لئے
کسی کا ڈر نہ ہو گر عمر ہے وفا کے لئے

خدا سے مانگ رہا تھا نہیں جفا کے لئے
قدم اٹھے نہ اثر کر مری دعا کے لئے

نشانِ خاک نشینی ہے بے نشاں ہونا
کہ سربلندی ہے مٹنا ہی نقشِ پا کے لئے

یہ خبر تھی کہ جو پردہ میں تھی کلیم سے بات
کسے تھی تاب نظر حسن برملا کے لئے

جو چھیڑا نالۂ جاں سوز ساز حسن ہوا
وہ آئے پردہ سے باہر مری صدا کے لئے

جدھر کو چاہے نکل جائے روح قالب سے
بہت سے رستے ہیں اک کوچۂ فنا کے لئے

اگر نہیں نہ سہی ہیں وفا شعار مگر
بھلا نہیں تو برا بھی نہیں جفا کے لئے

کھسک کے کعبہ نہ آجائے آستاں کے قریب
سمٹ رہی ہے زمیں تیری جبہ سا کے لئے

زمانہ کہتا ہے اک دن قیامت آئے گی
تمہارے وعدے تو ہوتے نہیں وفا کے لئے

اسی کو فکر ہماری بھی منعمو ہوگی
جو روز بھیجتا ہے کاسہ گدا کے لئے

چلے ہیں جان و جگر لب پہ رہ گیا نالہ
رکا نہ قافلۂ اہلِ دل درا کے لئے

رہے نہ حشر میں دعووں کی تا خصوصیت
رواج جور گر و عذر خونبہا کے لئے

نہیں ہے سینہ میں دل ہاں مگر قفس ہے کوئی
گرہ پڑی ہے ترے تیر دلکشا کے لئے

نظر میں نور ہو دل میں سرور جسم میں جان
جو منہ کھلے بھی تو سو پردہ ہیں حیا کے لئے

الٰہی خیر ہو امید مرگ بھی نہ رہی
کہ مشورے ہیں عدو سے مری سزا کے لئے

ذرا تو چھیڑ کے دیکھو مری سخن سنجی
ہیں ساز نغمہ ہوں طوطی خوش نوا کے لئے

رہے نہ دل میں اگر شعلہ سرکشی و خودی
تو شمع ہے حرم خاص کبریا کے لئے

یہاں وہ ہاتھ نہیں جو اٹھیں دعا کے لئے
لب خموش کھلے کس کی التجا کے لئے

نہیں ہے دم کے بھی لینے کی ہمنفس فرصت
حباب ابھرا ہے دریا میں کس ہوا کے لئے

جنوں میں جوڑ رہے ہیں ورق ورق دل کا
یہ برگ گل نہیں نکلے تری قبا کے لئے

بلند رتبہ ہیں کیا کیا تمہارے کشتوں کے
زمین عرش سے اتری ہے کربلا کے لئے

بڑھے نہ گرمی گفتار حضرت موسےٰ
چراغ طور کو ٹھنڈا کرو خدا کے لئے

ہزار فتنہ سمائے ہیں فتنہ گر اس میں
جگہ کہاں ہے تری آنکھ میں حیا کے لئے

دل مریض اجازت دے چاک سینہ کی
جو دم گھٹے ہے تو در کھول دوں ہوا کے لئے

بتوں کی گھات بری ہے کہاں ہو حضرت دل
بچائے رکھئے گا ایمان کو خدا کے لئے

ہو نہ تم میرے دشمن عدو کے دوست سہی
لگا تو رہنے دو کچھ سلسلہ جفا کے لئے

گرا ہوں چشم جہاں سے تمہاری الفت میں
اجل کی طرح اٹھا تو نہیں خدا کے لئے

مجھے چھپاتے ہیں کس پردہ دار سے احباب
یہ کون آیا کہ پردے تنے قضا کے لئے

دم سوال جو حیرت سی چھا گئی مجھ پر
تمہارے بوسہ تمہیں آئینہ دکھا کے لئے

ہمارا چاک گریباں تو تا بدامن ہے	اب ہاتھ کانپ رہے ہیں تری قبا کے لئے
میں آؤں بزم میں کیونکر تمہارے حکم بغیر	کہ دست شمع میں پروانہ ہے صبا کے لئے
وفا نہ ہو نہ سہی لطف انتظار تو ہے	ابھی سے مرتے ہیں ہم وعدہ جزا کے لئے
وہ نغمہ سنج ہوں منقار سے نکل آئی	زبان بلبل سدرہ کی مرحبا کے لئے
کسی کی تیغ کے اقبال نے اڑایا سر	یہاں جگہ ہی نہیں سایہ ہما کے لئے
قمر کو صاف لکھا ہے نشان دم تحریر	دہن کو چھوڑ دیا غیب کی ندا کے لئے
تری نظر میں نہیں شیخ و برہمن میں فرق	ہے ایک جلوہ ترا غیر و آشنا کے لئے

پیو بھی شوق سے شعلہ کہاں کا تقویٰ ہے
شراب رنگ ہے ناموس پارسا کے لئے

دشت میں رونے سے گر میری تری ہو جائے	شاخ آہو جسے کہتے ہیں ہری ہو جائے
نجد میں جاکے جو روؤں تو تری ہو جائے	بید مجنوں کی ہر اک شاخ ہری ہو جائے
اڑ چلی رخ پہ ترے زلف پریشاں تیری	اک تماشا ہے یہ ناگن جو پری ہو جائے
ڈھانپ کر منہ جو کفن میں ترا کشتہ روئے	نخل تابوت کی ہر شاخ ہری ہو جائے
ہوش اڑ جائیں کے مضمون لکھے ہیں خط میں	رفتہ رفتہ نہ کبوتر بھی پری ہو جائے

سرد مہری بتاں کا جو اثر ہو شعلہ
کوہ طور ایک برس کوہ مری ہو جائے

شامت میں پھنسے ہائے نہ تقدیر کسیکی	اللہ نہ ہو زلف گلوگیر کسیکی
آیا کوئی دامن کو سنبھالے سوئے تربت	تعویذ لحد کرتا ہے تسخیر کسیکی
کیوں طور کی باتوں پہ عبث ناز ہو موسیٰ	ہم بھی تمہیں سنوائیں گے تقریر کسیکی

اے چرخ جفا کار کو بھی میری قسم ہے — مت مانیو اے نالۂ شبگیر کسیکی

شعلہ کی دم ذبح بھی آنکھیں ہوئیں بند
تکتا رہا صورت دم تکبیر کسیکی

تم دل کو جلا کے اور رلا کے — جاتے ہو کہاں لگا بجھا کے
گورِ شہدا بچا بچا کے — دامن کو چلو ذرا اٹھا کے
انسان کو بھی پری بنایا — صدقے اس شانِ کبریا کے
تھی الفتِ جسم خاک آخر — لو روح چلی ہوا بتا کے
گیسو نہ بنا بنا بگاڑو — پچھتاؤ گے ان کو سر چڑھا کے
محشر میں بھی سرمہ در گلو ہیں — کشتہ تری چشم سرمہ سا کے
ساغر سے ملا کے لب بگاڑا — کمظرف کو تم نے منہ لگا کے
مرنا ہو جائے اک تماشا — تم بھی ساتھ آؤ گر قضا کے
پایا تجھے کھو کے ساری ہستی — ہم کھوئے گئے ہیں جستجو پا کے
اے بار گناہ کر سبکدوش — رکھدینگے جنازہ یار اٹھا کے

ان سبزہ خطوں کو دل نہ دیجے
شعلہ سو رہیئے زہر کھا کے

ہے کلائی کے لچکنے کا تمہارے ڈر مجھے — میں گلا خود کاٹ لونگا لائے خنجر مجھے
کیا خیالِ روئے رنگیں نے رکھا مضطر مجھے — دلکے زخموں نے رکھا یا خوب ہنس ہنس کر مجھے
داغ کھانے پر رکھا ہی عشق نے نوکر مجھے — میرے آقا نے دیا ہے خلعتِ پرزر مجھے
تھا اگر عشقِ بتاں میرے مقدر کا لکھا — دلکے بدلے بھی ملا ہوتا کوئی پتھر مجھے

ساقیا طرز تکلف دو گستاخی معاف
ایک سے ہوتا ہی کیا دو چار دے ساغر مجھے

اس قدر شعلہ بندی شوق پر پروی ہوا
لے اڑا تخت سلیماں کی طرح بستر مجھے

جو ذبح کرنے پہ آمادہ مرے تو ہو جائے
ہر ایک عضو سمٹ کر رگ گلو ہو جائے

دکھاؤں گلشن فردوس کی بہار ہیں
جو داغ سینۂ سوزاں میں رنگ بو ہو جائے

اگر ہو گرم فغاں میرے ڈھنگ سے بلبل
چمن ہو خشک نسیم بہار لو ہو جائے

نکل کے اشک جو آجائے آنکھ سے باہر
دُر یتیم کی کوڑی کی آبرو ہو جائے

یہ عشق ایسی بلا ہے کہ جس سے اے شعلہ
جگر کے ٹکڑے ہوں پہلو میں دل لہو ہو جائے

کون ہے تاب جسے جلوۂ رخسار کی ہے
دھوم ہی دھوم فقط حشر میں دیدار کی ہے

مجھ سے ہو جو کشش ابروئے خمدار کی ہے
دل پہ کچھ چوٹ اچٹتی ہوئی تلوار کی ہے

اور کس دل میں جگہ زلف سیہ کار کی ہے
میرے گھر میں ہی گر قدر شب تار کی ہے

خواہش مرگ بیجا مرگ طلب گار کی ہے
وہی اچھا ہے جو مرضی ترے بیمار کی ہے

کیا اٹھیں حشر میں ہم منزل ہستی کے تھکے
وہ چلے جائینگے طاقت جنہیں رفتار کی ہے

دل پر داغ میں ہے کوچۂ جاناں کا خیال
یاں دم سرد ہوا خلد کے گلزار کی ہے

نغمہ سنجی چمن دام میں کام آہی گئی
قدر صیاد کو مرغان گرفتار کی ہے

دل ناداں بت عیار سے امید وصال
ایک بوسہ پہ تو نوبت وہاں تکرار کی ہے

بھر لیا دامن نظارہ کو چاہا جس نے
لوٹ سی لوٹ تری دولت دیدار کی ہے

داغ کو بھی ہے یہاں مرثیہ حسن کمال
دل پہ تصویر ترے چاند سے رخسار کی ہے

شعلہ کیا فکر گناہوں کی تجھے روز جزا
اُس کی رحمت ہے کہ مشتاق گنہگار کی ہے

غزلیات ناتمام

گلشن حمد میں گلبانگ ہے مضموں میرا — بلبلِ خلد سنے نالۂ موزوں میرا

ولہ

ہم ہیں فقیر ہمکو تکلف سے کیا غرض — دو ہاتھ جب ملا لئے اک جام ہو گیا

ولہ

نقش دیوار میں ہوا در کا — اشک نقشہ مٹائیں گے گھر کا
پاس ہے دامنِ ستمگر کا — ورنہ کیا انتظار محشر کا
تیر میں باندھتے ہو میرا خط — کیا کبوتر بناؤ گے پر کا

ولہ

سخت جانی کو ہے شکوہ خنجر بیداد کا — جب ہیں تڑپا ہاتھ کانپ اٹھا مری جلاد کا
کیا خرامِ ناز آفت ہے ستم ایجاد کا — روند ڈالا پانو میں طرۂ سرِ شمشاد کا
کھو یا جانا اک جہاں سے ترا پایہ یہ ہے — بھول جانا آپ کو آنا ہے تیری یاد کا
تجھے اگر جنت میں آدم ہم بھی جائینگے وہیں — باپ کے ترکہ پہ کیونکر حق نہ ہو اولاد کا

ولہ

تو ہے وہ خورشید رو عکس تجھ پہ ہوش ہو گیا — ایک ہی ٹھوکر میں کوہِ طور سرما ہو گیا
پردہ داری میں تمہاری کتنے رخنے پڑ گئے — پردۂ کمخواب جالی کا ڈوپٹا ہو گیا

بعد مردن لاش پر آکر وہ بت کہنے لگا
نامرادوں کو میرے خدا کیا ہو گیا

ولہ

ہے الفت ابرو میں جو کامیدہ تن اپنا
سایہ کسی تلوار کا ہوگا کفن اپنا
اُس منہ کی کریں بات ذرا منہ کو تو نہ اُٹھیں
غنچوں سے کہو صاف تو کرلیں دہن اپنا

ولہ

مژدہ اے جانِ حزیں لے ستم ایجاد آیا
ہاں مبارک سرِ شوریدہ وہ جلاد آیا
پہونچے جب شہر خموشاں میں وطن کی سوجھی
دیکھا جب گورِ غریباں کو تو گھر یاد آیا
حیف اے عمر کہ آخر ہوئی امیدی میں
خوبش نہ ترا وعدہ کہ اینک نہ تجھے یاد آیا

ولہ

ابرووں پر قطع ربط جسم و جاں ہو جائیگا
فیصلہ ہوگا جو خنجر درمیاں ہو جائیگا
قافلہ روحِ رواں کا جب رواں ہو جائیگا
جسم بھی اک دن غبارِ کارواں ہو جائیگا
آبرو جاتی رہے گی رحم کر بارِ گناہ
یار رکھدیں گے اگر لاشہ گراں ہو جائیگا
ظلم ہے پیرِ فلک کا اب جوانوں کی طرح
آسماں کیا ہوگا جسدن تو جواں ہو جائیگا

ولہ

کب موسمِ گل میں مجھے خفقاں نہیں ہوتا
کب دستِ جنوں میں یہ گریباں نہیں ہوتا
دل آپ کے دیوانوں کا کاہیکو لگیگا
سنتے ہیں کہ جنت میں بیاباں نہیں ہوتا
کیا زیست دو روزہ کے لئے آئے عدم سے
اس جینے میں مرنے کا بھی ساماں نہیں ہوتا

کیا دیکھتے ہو میری طرف حضرت شعلہ
کچھ دل کا لگانا بھی تو آساں نہیں ہوتا

ولہ

قدر دیکھو سرو سے رشکِ منور آفتاب — آ گیا ہی کیا سوا نیزے کے اوپر آفتاب
روبرو آیا ترے آئینہ بنکر آفتاب — ہے مقرر اپنے طالع کا سکندر آفتاب
حسن روز افزوں سے ہی ہر ایک پیکر آفتاب — آسماں پر ایک ہی اور یاں ہی گھر گھر آفتاب
کوں سے مہ نے کیا آنیکا وعدہ شام کو — جھاڑتا پھرتا ہی صبح سے مرا گھر آفتاب

ولہ

کیا بلا آئی ہی کسکے واسطے ساماں ہی آج — ایڑی تک چوٹی کمر تک کاکلِ پیچاں ہی آج
کل ہی بوسہ دینا کہا تو مصحفِ رخ کی قسم — درمیاں گویا ہمارے آپکے قرآں ہی آج

ولہ

ہیں اور نہ تم اور نہ دونوں کا خدا اور — تم ہو وہی بتجاؤ گے کیا روز جزا اور
کافر یہ ستم ہم بھی تو بندہ ہیں کسی کے — اے دشمنِ دیں سمجھا ہے کیا اپنا خدا اور

ولہ

اشکوں میں آیا سینۂ پُر داغ سے لہو — آنکھوں نے سب نچوڑ لیا اس چمن کا رنگ
اس رشکِ گل کے رخ نے مشابہ خدا کی شان — کیا ہی بہار کیا ہی چمن کیا چمن کا رنگ
اے روح چھوڑ الفتِ تن ون بہت ہوئے — بگڑی بگڑی دھری دھری نہ رہا ای کفن کا رنگ
آ جائے ہاتھ آپ کا دامن تو دیکھنا — کیا گل کھلائیگا مرے دیوانہ پن کا رنگ

ولہ

رات بھر یوں ہیں رہا گر غمِ پنہاں مجھکو — صبح تک جینے نہ دیگی شبِ ہجراں مجھکو

ولہ

نہ دیکھو دیکھو مجھے دیکھ بھال لینے دو   لو ٹھہر جاؤ ذرا دل سنبھال لینے دو
نکالوں حسرتیں دل کی بلائیں لے لیکر   جو مجکو ہاتھ میں زلفوں کے بال لینے دو
ابھی اُٹھا دینگے ٹھوکر سے فتنۂ محشر   پر اُن کو ہاتھوں میں دامن سنبھال لینے دو
وہ کہتے ہیں مجھے چھیڑو نہ راہ میں شعلہ   اِدہر اُدہر تو ذرا دیکھ بھال لینے دو

ولہ

زبانِ خارِ وحشت پہ حدیث قیس و لیلا ہو   جنوں فصلِ بہار آئی گریباں نذرِ صحرا ہو
جو آئے اشک مژگاں پر نہ کیونکر راز افشا ہو   یہ وہ قطرہ ہی جو آنکھوں سے گرتے گرتے دریا ہو

ولہ

حالت ہی پسِ مرگ وہی دل کے جلن کی   ہے شمع کا فانوس کہ چادر ہے کفن کی

ولہ

تم چھپو شوق سے نظارہ میں رکھا کیا ہے   دل میں جب آ گئے پھر آنکھ کا پردا کیا ہے

ولہ

کرے ہی پہلو کو دل اور تن کو جاں خالی   یہ کون آیا کہ ہونے لگے مکاں خالی
ہیں مردمک سے مری چشم دُرفشاں خالی   جو مال بیچ چلے کر گئے وہ کاں خالی
لئے کسی نے تو انگیا کے پان کے بوسے   ہوئے ہیں کسکے تواضع میں خاصداں خالی

ولہ

اجازت دو دل جو نالوں کو مکانِ لامکاں بیٹھے   اُٹھاؤں گر زمیں سر پر تو کاخ آسماں بیٹھے
عذابِ جان ہوتا ہے لحد کا تنگ ہو جانا   بھلا مردہ کہاں لیٹے کہاں اُٹھے کہاں بیٹھے

ولہ

مجھکو بیٹھے جو گلے سے مرے خنجر اُٹھے
خوں پیئے میرا اگر سینہ سے پیکاں نکلے
کیسے زاہد ہو کہ مرتے ہو بتوں پر شعلہ
تم تو واللہ عجب مرد مسلماں نکلے

ولہ

چشم تر نے جھڑی لگائی ہے
ابکے برسات خوب آئی ہے
دل میں آگ آہ نے لگائی ہے
دیدۂ تر تری دوہائی ہے

ولہ

جب اشک سوئے چرخ چہارم نکل گئے
تھا قہقہہ کہ حضرت عیسےٰ اُچھل گئے
دیکھی تمہاری گیسوئے پیچاں کی جب لٹیں
سنبل کے پیچ ڈھیلے ہوئے بل نکل گئے

ولہ

اُن کا ناشاد بھلا جوروں سے کیا شاد رہے
جا کے جنت سے الگ کشتۂ بیداد رہے
قفس جسم کی پابند نہیں روح رواں
یہ وہ بلبل ہے کہ جو دام میں آزاد رہے
کون ہمسایہ میں ٹھیرا تھا کہ شب بھر شعلہ
ہاتھ رکھے ہوئے منہ پر دم فریاد رہے

ولہ

ہم حشر میں بھی دل داغدار لیکے چلے
تری سند ترے امیدوار لیکے چلے
ہماری آمد و شد مثل گل ہے دنیا میں
بہار لائے تھے بتلاؤ بہار لیکے چلے

رباعیات

کب رنگ قبول یہاں دعا نے چاہا
مرنا بھی مرا نہ بے وفا نے چاہا
کیا جور بتاں کی پھر شکایت شعلہ
ہوتا ہے وہی جو کچھ خدا نے چاہا

ولہ

ہر درد میں پائی جاں نوازی تیری
ہر زخم میں دیکھی چارہ سازی تیری
رحمت نے گناہوں کی بڑھائی ہمت
نازاں ہوں میں سنکے بے نیازی تیری

ولہ

میں لے تو چلوں تیری نگاہوں کو وہاں
پہونچے گا نہ کوئی پر گواہوں کو وہاں
محشر میں نہیں ہے جب حساب رحمت
پھر کون گنے گا گناہوں کو وہاں

ولہ

خالی کبھی فکر و کم و بیش سے نہوئے
ہم کبھی سیر تیرے کرم سے نہ ہوئے
وہ کون سے رحم تھے جو تو نے نہ کئے
وہ کون گناہ تھے جو ہم سے نہوئے

ولہ

بیداد جفا شعاری کب تک
بیجرم و گناہ کی روبکاری کب تک
آنکھوں نے بہت دنوں نظارت دیکھی
او زلف تری سر رشتہ داری کب تک

ولہ

اے شعلہ نہ غم نہ شادمانی ہوگی
پیری ہوگی نہ تو جوانی ہوگی
کیا آج ہے اور کے فسانے سنتا
کل تیری ہی زندگی کہانی ہوگی

ولہ

اے شعلہ سرور عیش و مستی کب تک
تو کیا ہے بھلا یہ تیری ہستی کب تک
پیری میں شباب کیسی حسرت افسوس
اے مرد خدا یہ بت پرستی کب تک

ولہ

یوں مے کو چھپا چھپا کے دہر یو حصول
اس زہد و ریا میں مرنے سے حصول

اونو بہ شکن وہ آیا ابر رحمت — ناحق توبہ کے روز کرتے سے حصول

ولہ

تخم غم و رنج آب بو یا شعلہ — اس دیدہ تر نے پھر ڈبو یا شعلہ
دل دیکھ ہی دلبر سے ملنے کی امید — جو پاس تھا وہ بھی تمنے کھو یا شعلہ

ولہ

بے جرم نہیں اگرچہ ہیں خوار و ذلیل — ضامن ہے مرا بھی جو ہے امت کا کفیل
کیا فکر ہے پھر سزائے عصیاں کی مجھے — رحمت ہے تری مرے گناہوں کی دلیل

ولہ

جب جلوہ خدا کا ہی ہیں پیش نگاہ — کعبہ کے لئے شیخ ہے ناحق گمراہ
وہ نور ہے آنکھ ہیں کہ دیکھا نہ کبھی — وہ بت ہے نگاہ میں کہ سبحان اللہ

ولہ

بخشش کی امید ہے سیہ کاروں کو — واں ملتا ہے بے طلب طلبگاروں کو
حقدار نہیں ہیں بے گنہ رحمت کے — حصہ رحمت کا ہے گنہ گاروں کو

ولہ

نے شمع کی فکر نے عصا کے پابند — احباب و عزیز کا سہارا تا چند
آنکھیں کئے بند کیا چلے جاتے ہیں — سیدھا ہے رہ عدم نہیں پست و بلند

ولہ

ہستی کا نشاں مٹا چکا ہے کب کا — دنیا سے قدم اٹھا چکا ہے کب کا
کاندھوں پہ جو دھر کے لیچلے ہو تابوت — او پیادوں سوار جا چکا ہے کب کا

ولہ

زحمت ہوگی توکل پہ زحمت ہوگی
رحمت ہوگی توکل پہ رحمت ہوگی
جو اوروں کو بخشیگا بخشنے کا مجھے
کیا سب سے الگ مری قیامت ہوگی

ولہ

یہ ذلت و خستگی و خواری کب تک
ناموس کی ہائے پرداری کب تک
دل خون ہوا ہے فکر عقبےٰ کے لئے
اے شعلہ تری شراب خواری کب تک

ولہ

کیا خلد میں ہوگی بت پرستی ایسی
ہر روز سرور روز مستی ایسی
ہرچند بھرا ہے حوض کوثر لیکن
جنت میں کہاں شراب مستی ایسی

ولہ

اے شعلہ بنا ہی خوب دنیا اب تک
کیا غم ہے نہیں جو فکر عقبےٰ اب تک
دیگا وہی ہے طلب جو دیتا ہے مدام
بخشیگا وہی کہ جس نے بخشا اب تک

ولہ

پروانہ کی رات بھر حکایات کہی
جل بجھنے کو عشق کی کرامات کہی
اے شعلہ جلا ہوں میں بھی برسوں شب و روز
مجھ سے تو کہے شمع یہ کیا بات کہی

ولہ

غفار ہے بھول مت کرامت اپنی
مت چھوڑ مرے لئے تو عادت اپنی
ہیں کیا ہوں دکھاؤں منہ جو محشر میں تجھو
مت دیکھ مجھے تو دیکھ رحمت اپنی

ولہ

غفلت ہی یہی تو کیا ہے بخشش کی دلیل
ہر بات میں دیر ہے ہر اک کام میں ڈھیل
ناکامی دو جہاں ہے دل کی خواہش
اے شعلہ ہوئے ہوس نکمے کے دکھیل

ولہ

یارب غم دل مٹانے والا تو ہے
بگڑی کو مری بنانے والا تو ہے
کیا فکر گناہ گر ہے بخشش تیری
کیا غم ہے اگر بچانے والا تو ہے

مخمس بر غزل حکیم مومن خاں صاحب مومن دہلوی

آنکھیں لڑا کے اک بت رشک پری سے ہم
منہ ڈھانپ چھپتے ہیں کس بیکسی سے ہم
بیزار یاں تلک تو ہوئے عاشقی سے ہم
ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے لاچار جی سے ہم

غیروں میں کیا ہے جن سے کہ ہو اسقدر وفا
اور تم میں کیا برائی ہے کیوں ہم سے ہو خفا
صاحب کوئی قصور ہمارا کوئی خطا
ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

سینہ میں دل الجھتا ہے کچھ دل ہے ناصبور
ٹکڑے ہوئے ہیں جیب کے وحشت کا ہے فتور
لائیگا رنگ ایکبھی دیوانہ پن ضرور
کیا گل کھلیگا دیکھئے ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

آیا تھا کون یاں جو کلیجہ بیٹھا گیا
جان حزیں پکار رہی ہے خدا خدا
پہلو میں آج اور ہی کچھ ہے معاملا
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

تھا کونسا وہ روز جو ہم پر کرم ہوا
ہم کو تو خاک ہی میں ملاتا رہا سدا
اور کب ہمارے واسطے کی غیر پر جفا
منہ دیکھنے سے پہلے ہی کس دن صاف تھا
پوچھ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

کیا جان ایسے لوگوں پہ ہم خستہ حال دیں
ان آتشیں رخوں پہ نہ کیوں خاک ڈال دیں
اے شعلہ جو عدو کے لئے گھر سے ٹال دیں
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہیں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

مخمس بر غزل رند لکھنوی

ہے لطف جب کہ سینہ ہو ماتم سرائے دل
پھر ہے مزہ جو ہجر کے صدمے اٹھائے دل
اور ہو رہی ہو پہلو میں کچھ ہائے ہائے دل
آئے نئے میری جان کسی پر جو آئے دل
کچھ مشغلہ ضرور ہے آخر برائے دل

کھٹکا لگا ہوا تھا کسی کا تھا انتظار
بیٹھا کبھی اٹھا کبھی تڑپا میں بار بار
سنبھلا نہ دل سنبھالے سے تدبیر کی ہزار
آیا کسی طرح سے نہ فرقت میں جب قرار
لپٹا رہا میں ہاتھ کے نیچے دبائے دل

تیرے ہی واسطے تو ہیں دنیا سے بے خبر
تیرا ہی دل ہے تیری ہی جاں تیرا ہی جگر
تیرے لئے ہی رنج اٹھائے ہیں عمر بھر
تیرے بغیر کس کی تمنا کرے بشر
تو آرزوئے جاں ہے تو مدعائے دل

گلچیں کا کچھ خطر ہے نہ کچھ خوف باغباں
نالے وہ کیجئے کہ چمن سے اٹھے دھواں
جی کھول کھول روئیے خالی ہے گلستاں
آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں

تو ہائے گل پکاریں چلاؤں ہائے دل

شعلہ نے تم سے پہلے ہی دیکھو کہا نہ تھا — حضرت یہ خوں رلائیگا دل دینے کا مزہ
تم ہی کہو کہ اسی کے سوا اور کیا ہوا — اشکوں کے ساتھ یہ بھی لہو ہو کے بہہ گیا

اے رند دیکھ لو یہ ہوئی انتہائے دل

قطعات

چلتے پھرتے نہ آتے جاتے کہیں — گھر میں بیٹھے کمال کر دیتے
پاؤں اٹھتے نہیں نزاکت سے — کیا یونہیں پائمال کر دیتے

دیگر

مضموں وہ نہیں جو کسی مضموں سے بنا ہو — یوں لطف سخن قبلۂ حاجات نہیں ہے
اعجاز سخن جب ہی پڑے جان سخن میں — قالب کا بدل دینا کرامات نہیں ہے

مرقع ناز سراپائے شوخ طناز

مشاطۂ عروس چمن ہوشیار ہو — آئینہ لیکے صحن چمن ہوشیار ہو
او بوئے یاسمین و سمن ہوشیار ہو — او حسن تازگی ہمہ تن ہوشیار ہو

او گل چمن سے بزم سخن میں مہک کے آ
او عندلیب شاخ قلم پر چہک کے آ

او کلک فکر ہاں رگ ابر بہار بن — او طبع روئے معنی کی آئینہ دار بن
او آب و رنگ لفظ رخ گلعذار بن — او صورت خیال سراپا نگار بن

نظارہ سوز شاہد مضموں شتاب آ
پردہ سے او عروس سخن بے نقاب آ

او فتنۂ قیامت برپا سنور کے اٹھ | او شور حشر سر پہ مرے ہاتھ دھر کے اٹھ
او شاہد خیال سراپا نکھر کے اٹھ | او چشم شوق دامن نظارہ بھر کے اٹھ

گلچینو بیٹھ بیٹھ کے چن لو چمن کے پھول
بلبل کے منہ سے جھڑتے ہیں شاخ سخن کے پھول

منظور ہے کسی کا سراپا رقم کروں | مد کے کمال حسن میں کچھ بیتیں نظم کروں
خجلت سے حور خلد کی گردن کو خم کروں | افسوں پری کا تخت سلیماں پہ دم کروں

جلوے دکھاؤں عکس بت بے مثال کے
اک قد آدم آئینہ رکھ دوں نکال کے

قامت ہے وہ کہ جس سے قیامت بنیں ہزار | لیتا ہے حشر جس کے قدم جھک کے بار بار
طوبائے خلد بھی دم گلگشت ہے نثار | پیادہ جلو میں سرو ہے شمشاد چوبدار

اس قد کی ہیں اٹھان پہ صدقہ اتار کے
قمری کو ذبح کیجئے سر پر سے وار کے

بالوں کے بیچ میں رہ ظلمات مانگ ہے | یا شب میں کہکشاں کی کرامات مانگ ہے
کیوں مانگ گوندھی یہ دن رات مانگ ہے | بن ٹھن کے روز بگڑی ہے کیا بات مانگ ہے

افشاں بھرا جو مانگ میں پر نور ہو گئی
دو ٹکڑے بیچ سے شب دیجور ہو گئی

کہتا ہے خامہ وصف ہوں چوٹی کے کیا رقم | مجھ سے نکل سکیں گے نہ کالے کے پیچ و خم

جوڑا گوندھا ہوا ہے کہ گھٹتا ہے ہر دم
لپٹا ہوا ہے سانپ کا جوڑا مگر بہم

صورت بلا کی ہے تو نشانی ہے قہر کی
ظالم کی گانٹھ میں پڑا ہے زہر کی

زلف خمیدہ سنبل ترے خیال میں
سو سو طرح کے پیچ ہیں ایک ایک بال میں

کیا کیا پھڑک ہے طائر مضموں کے جال میں
کہتی ہے طبع ڈال دیا کس وبال میں

سیدھا سا راستہ اور کوئی دیکھ بھال لو
اس پیچ سے نکال سکو تو نکال لو

سیدھی تو بات یہ ہے کہ گیسو ہیں تابدار
بو باس کی لپیٹ ہے کھلی نافۂ تتار

سنبل کو ہمسری کا ہے دعوی خدا کی مار
پرکالہ ہیں بلا کے سیہ مست روزگار

وہ آپ اپنے زلف کا دیوانہ ہو گیا
آئینہ خانہ گویا پری خانہ ہو گیا

رخسارے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے نقاب ہیں
یا آفتاب حشر ہیں دو اک سحاب ہیں

دیکھے کسی چمن نے نہ یہ پھول خواب ہیں
جلوے ہیں نور حق کے زبس آب و تاب ہیں

بلبل کرے نظارہ تو گل سے بگاڑ ہو
موسیٰ جو دیکھے طور کا جانا پہاڑ ہو

گیسو کھلے جو رخ پہ تو حیراں نظر ہوئی
اس وہم میں نہ دن کی نہ شب کی خبر ہوئی

مشاطۂ خیال کی صورت دگر ہوئی
شانہ نے زلف کو جو ہٹایا سحر ہوئی

آئینہ مارے شرم کے بےتاب ہو گیا
پانی میں ڈوب ڈوب کے سیماب ہو گیا

آنکھیں وہ فتنہ زا ہیں غضب سحر سامری — مستی میں چور چور نشہ میں بھری بھری
ابرو ہیں دونوں آنکھوں پہ شمشیر حیدری — اک چال کی ہی تیز تو اک منہ کی کرکری
یا معرکہ میں بادۂ گلگوں پیئے ہوئے
دو مست لڑنے آئے ہیں خنجر لئے ہوئے

مژگاں نے کر دیا تہ و بالا جہان کو — رخنے کئے ہیں دل میں تو بیندھا ہی جان کو
باخاک میں ملایا ہی نشتر کی شان کو — سرمہ نے اور تیز کیا آن بان کو
دنبالہ کب ہی آنکھ میں اس خوش جمال کے
پیتا ہے سبزہ گھانس کا منہ میں غزال کے

وہ ناک جس نے غنچوں کا دم ناک میں کیا — وہ کان سیپ کان ملاحت جسے کہا
کون دُرکان میں کسکو ہی امکان حرف کا — وہ نازکی وہ تازگی چھوٹے سے خوشنما
گر برگ گل کے بوجھ نے ہی گل کے توڑی کان
گلشن میں واں صبا نے گلو تک مروڑی کان

یاقوت وہ لب ہیں نازک و یکتا و بے نظیر — یا برگ گل پہ کھنچی ہے شنگرف کی لکیر
شیرینی سخن سے ہیں وہ دونو مگر مشیر — عیسیٰ کے قم باذنی کے ہیں ہیچ سے حقیر
پھیکا ہی رنگ وہ جو عقیق یمن میں ہے
پتی کری ہے پھول کی وہ جو چمن میں ہے

آتا نہیں ہی وصف دہن کچھ خیال میں — شہباز فکر پھنس گیا عنقا کے جال میں
او طبع تر ہے کیوں عرقِ انفعال میں — آئے نہ حرف دیکھنا طرز کمال میں
مضموں دہانِ تنگ کا دقت پسند ہے

ساری کتاب ایک اسی نقطہ میں بند ہے

اُسکے دہن پہ پھینکدوں غنچوںکو وار وار
رہ رہ گئے ہیں اپنا سا منہ لیکے لاکھ بار
گلشن میں آپ سر بگریباں ہیں شرمسار
دعویٰ دہان تنگ ہو اسکے خدا کی یار

غنچوں سے کہدو اپنے دہن کو رفو کریں
اس جھوٹھ بولنے سے کہیں منہ نہ بو کریں

دانتوں کے آب و تاب سے لعل مین ہے ونگ
ہیرے ہیں یہ چمک نہ موتی ہیں آب رنگ
یہ دُرِ بے بہا ہیں تو وہ ریزہائے سنگ
چُنّی جڑی ہوئی ہیں میان دہانِ تنگ

حیرت یہ میری خندہ بیجا کا جوش ہے
آئینہ اک دوکان جواہر فروش ہے

سیب ذقن بہشت کا میوہ ہے پُر بہار
اور دل گرے ہیں چاہ زنخداں میں بیشمار
خوش ذائقہ لذیذ تر و تازہ خوشگوار
اُچھلا تو ایک بھی نہیں ڈوبے مگر ہزار

کیا ڈھونڈتے ہو یوسف مصری کو راہ میں
گم کارواں کے کارواں ہیں ایک چاہ میں

سانچے میں وہ ڈھلی ہوئی گردن ہے نور کی
مے سے بھری ہوئی ہے صراحی بلور کی
اندھیر تو نہیں ہے کہوں شمع طور کی
یہ ہی چمک ہے خون دل ناصبور کی

خنجر پہ رہ گیا کوئی دامن پہ رہ گیا
میرا لہو ہے یہ کہ جو گردن پہ رہ گیا

شانوں کی شان وہ کہ دکھائیں خدا کی شان
نازک ہے وہ کلائی کہ ممکن نہیں بیان
بازو وہ گورے گورے کہ نکلے ہے جن پہ جان
دیکھنے لگے جو عاشق شیدا کو آئے وہ یاں

پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے
دونوں ہیں ایک ہاتھ میں کیسا کمال ہے

ابھرے ہیں سحر حسن میں دو نور کے حباب
یا بستۂ الٹ کے دھرے ساغر شراب
اٹھا سمٹ کے سارے بدن کا یہاں شباب
ایک ایک کا جواب ہے دونوں لاجواب

نازک بدن کو جالی کی محرم پسند ہیں
سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہیں

اس صاف صاف پیٹ کے اوصاف کیجئے کیا
کہئے جو اس کو تختۂ الماس ہے بجا
مخمل سے نرم نرم تو قاقم سے گدگدا
چکنا ہے برگ گل سے تو آئینہ سے صفا

کب تاب ٹھہرنے کی وہاں لاتی ہے نظر
ہیں کیا ہوں یار رولی کی پھسل جاتی ہے نظر

موئے میان پہ کیجے کیا موشگافیاں
چلتی نہیں ہیں فکر کی باریکیاں یہاں
اثبات ہے نفی کا نہ ہے وہم کا گماں
مفہوم کا ہے نام نہ معدوم کا نشاں

یا تو کسی نے میری نظر کو چرا لیا
یا قد نازنیں نے کمر کو چرا لیا

پھر کچھ نزاکتیں مجھے دکھلاتی ہے کمر
تار نظر کے بوجھ سے بل کھاتی ہے کمر
مضمون ناف آپ ہی بتلاتی ہے کمر
پڑ جاتی ہے گرہ جو لچک جاتی ہے کمر

باریک بات آئی ہے اپنے خیال میں
موتی پرو دیا صانع قدرت نے بال میں

اے فکر اب تو آ ہی گیا عین مدعا
ہے شرم کی جگہ جو ہو مضمون کھلا کھلا

کیوں ہو گیا سخن کا یہاں تنگ قافیہ
گر کچھ نہیں ہے وہ تو چھپا ہوا ہی کیا

بے وجہ کیوں بدن کو چرائے ہوئے سے ہیں
دامن کو نیچے کچھ تو چھپائے ہوئے سے ہیں

وہ گوری گوری ران ہیں کیا نرم نرم سی
وہ چکنی چکنی ساق کہ دیکھی نہ اور سنی
وہ پیارے پیارے زانو نکھارے چمن پہ جی
وہ چھوٹے چھوٹے پانو نشانی ہیں حشر کی

اس پر چھپی ہوئی وہ کفِ پا حنا میں ہے
شوخی ہزار رنگ کی اک نقش پا میں ہے

انداز ناز غمزے کرشمے بلا کے ہیں
دمباز حیلہ ساز نئے انتہا کے ہیں
طرز جفا کے دوست ہیں دشمن وفا کے ہیں
جتنے چلن ہیں بگڑے ہوئے ابتدا کے ہیں

پامال اک زمانہ ہے طرزِ خرام میں
ناکام آئے سینکڑوں ظالم کے کام میں

اے شعلہ جب بہار صفا میں لٹا چکے
پوری شبیہ سر سے قدم تک بنا چکے
آئینہ خیال میں نقشہ جما چکے
اور پھر کے رنگ کلک مصور اٹھا چکے

تکنے کو تھی نگاہ کہ اب بھی جھکی ہوں میں
تصویر بول اٹھی کہ بس کھنچ چکی ہوں میں

فقط

نوحہ جانگداز از حور شمیم ماہ طلعت نواز

دنیا سے نوجوان یہ کون اٹھ گیا ہے آج
پیر فلک کھڑا ہوا سر پیٹتا ہے آج
پیکِ اجل بھی شامل اہلِ عزا ہے آج
میدان کربلا میری ماتم سرا ہے آج

اک نازنیں کی لاش پہ غم کا ہجوم ہے
محشر کا شور نالۂ پیہم کی دھوم ہے

گل بزم شمع ہوگئی اندھیر ہوگیا
آنسو پیو شراب سے جی سیر ہوگیا
دستِ خزاں کے باغ میں ہت پھیر ہوگیا
تختۂ چمن کا خاک کا اک ڈھیر ہوگیا

کیسی چھری سی گردن بلبل پہ چل گئی
نکہت گلوں کی جھاڑ کے دامن نکل گئی

کیا جلد چل دیا بتِ گل پیرہن دریغ
بادِ خزاں نے لوٹ لیا سب چمن دریغ
پوشاک جسکی روز تھی زیبِ بدن دریغ
پہنا رہے ہیں آج اسی کو کفن دریغ

پردہ اُٹھا دیا بتِ عصمت مآب نے
دھوکا دیا جوانیٔ خانہ خراب نے

کیا عمر تھی ابھی تو یہ مرنیکے دن نہ تھے
اے چاند ابھی زمیں پہ اترنیکے دن نہ تھے
گھونگر لے بال رخ پہ بکھرنیکے دن نہ تھے
بیرے بگاڑ نیکو سنورنیکے دن نہ تھے

کس گل کا حسن آخری آیا ہے جوش پر
نکہت اٹھائے آئی ہے تابوت دوش پر

کیوں خم کھلے یہ زلفِ معنبر کو کیا ہوا
کیوں مند گئی یہ چشم فسونگر کو کیا ہوا
کیوں زرد ہے یہ رونے گلِ تر کو کیا ہوا
کیوں سرد ہے یہ جسم سمن بر کو کیا ہوا

اعجاز لب کہاں گیا کیا قہر ہو گیا
آب حیات چاہِ ذقن زہر ہو گیا

بے حس ہے جسم ناز کی حرکت کہاں گئی
ہے آنکھ تو وہی پہ مروت کہاں گئی
شوخی کہاں گئی وہ شرارت کہاں گئی
منہ تو وہی ہے ہنسنے کی عادت کہاں گئی

گردن تو ہے جھکی ہوئی اب بھی حجاب سے
منہ ڈھکنا کیسے بھول گئے ہو نقاب سے

آئینہ سر کو پھوڑ رہا ہے وہ رخ دکھاؤ
خوں ہو رہا ہے رنگ حنا پاؤں میں لگاؤ
سر پیٹتا ہے شانہ پڑا زلف کو بناؤ
سرمہ ملا ہے خاک میں دیکھو نظر اٹھاؤ

بگڑے ہوئے ہو میرے شکوہ بیجا سے کس لئے
دامن اٹھائے جاتے ہو دنیا سے کس لئے

دیکھو تو اک نظر مجھے کیوں ہو گئے خفا
جھنجھلانا بات بات پہ میری کہاں گیا
بولو تو مجھ سے ایسی بھی یہ خامشی ہے کیا
ایسا مزاج بگڑا ہے اک دم سے واہ وا

چپ ایسے ہو رہے ہو کہ کچھ جانتے نہیں
آنکھیں کھلی ہیں اور مجھے پہچانتے نہیں

جنبش اگر زباں کو ہو پیارے جواب دو
اے چشم اشتیاق کے تارے جواب دو
سمجھا نہیں ہیں لب کے اشارے جواب دو
او شاہراہ ہستی کے ہارے جواب دو

اک بار تو اٹھا کے نظر دیکھ لو مجھے
آنکھوں سے اپنے خاک بسر دیکھ لو مجھے

کیوں کھل رہا ہے طرہ طرار ہائے ہائے
وہ بو کہاں ہے رشک سمن زار ہائے ہائے

کیا رنگ اُڑ گیا رخ گلنار ہائے ہائے — کیا ہو گئی وہ حشر کی رفتار ہائے ہائے

یہ تو کہو کہ کس کے مٹانے کا قصد ہے
رخصت تو ہو لو مجھ سے جو جانیکا قصد ہے

کیوں جامہ زیب جامۂ ہستی قبا کیا — کیوں بے وفا یہ عمر کا وعدہ وفا کیا
او حیلہ ساز شور قیامت یہ کیا کیا — خلوت سرا کو کلبۂ ماتم سرا کیا

مٹی کا عطر زلف کی بگڑی شکن میں ہے
بوئے قبائے یوسف کنعاں کفن میں ہے

جاتے ہو ہائے چھوڑ کے تنہا کہاں مجھے — بھولے ہو کسکی یاد میں اے مہرباں مجھے
جینے نہ دیگا ایک بھی دم آسماں مجھے — کرتے ہو اپنے ہاتھوں سے کیوں رائگاں مجھے

مرنے سے پہلے میرا جنازہ اُٹھا کے جاؤ
جانے سے پہلے مجکو ٹھکانے لگا کے جاؤ

موت آئی تمکو آئی نہ میری قضا مجھے — اے زندگی جواب دے بہر خدا مجھے
اے مرگ دستگیر خدارا اُٹھا مجھے — اے شوق نزع پھر وہی صورت دکھا مجھے

ہاں صبر اس قدر کہ جہاںتک میں کرسکوں
محشر کا انتظار کہاں تک میں کرسکوں

یا وہ تھے آپ جن کا سراپا رقم ہوا — یا پھر نوحہ صور صریر قلم ہوا
مونس تمام عمر کا رنج و الم ہوا — خوش فکر جیسکے دم سے تھی اسکا ہی غم ہوا

راحت کدہ تھا دل کہ جو غم آشنا ہوا
خلوت کا جو مکاں تھا وہ ماتم سرا ہوا

کیا کیا چمن کھلے ہوئے وکملائے آگ میں
شعلے رخِ نگار نے بھڑکائے آگ میں
انگارے میرے نالوں نے برسائے آگ میں
کندن سا جسم ڈالدیا ہائے آگ میں

گلچیں چمن کے خاک میں مشغول ہوگئے
نازک بدن کے جسم کے سب پھول ہوگئے

اک نوجواں کے مرگ میں ماتم نشیں ہوں میں
پامال درد و یاس و غم نازنیں ہوں میں
ایسا ہوں اب جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں
پا محو انتظار دم واپسیں ہوں میں

اے مرگ انتظار کہاں تک شتاب آ
اے موت انتظار کہاں تک شتاب آ

اے شعلہ مر مٹو گے سرِ غم کہاں تلک
جور اجل سے نالہ پیہم کہاں تلک
یہ ہائے ہائے ہونٹوں پہ ہر دم کہاں تلک
بیوقت مرنیوالے کا ماتم کہاں تلک

کیا ایک دن ہے جان کے کھونیکے واسطے
باقی تمام عمر ہے رونے کے واسطے

نوحہ[لہ] دلخراش ماتم جانگداز وفات شری متی گوپی اہلیہ مصنف واقع ۱۲ نومبر سنہ ۹۷ء روز جمعہ وقت ۱۲ بجے شب من تصنیف خاک بسر منشی بنواری لال شعلہ

دامانِ قیامت مرے ہاتھوں میں لپٹ جا
اے جانِ حزیں جسم سے آنکھوں میں سمٹ جا
او چرخ ستمگر مرے نالوں سے اُلٹ جا
اے عمر اگر باقی ہے کچھ بیچ سے کٹ جا

[لہ] ۱۶ جنوری ۱۸۹۸ء کو احباب کی بزم ماتم میں مصنف نے خود پڑھا تھا جسکا اثر ناقابل برداشت تھا۔

اک نزع کا قلق ہے جو سینے میں دھرا ہے
کس کا دم آخر مری آنکھوں میں بھرا ہے

اُٹھنے کو ہے پردا سا کچھ اب رازِ نہاں کا — جب ضبط کی طاقت نہیں پھر صبر کہاں کا
دل کو تو بہت روئے تھے اب رونا ہے جاں کا — یہ حشر دوبارہ ہے مری مشقِ فغاں کا

پھر دم پہ بنی آ کے کہ دمساز کا غم ہے
سب بھید کھلا جاتا ہے ہمراز کا غم ہے

وہ حشر و بالا وہ قیامت ہمہ تن ناز — وہ دلبر و دلدار وہ وہ دلسوز وہ دمساز
غمخوار و وفادار وہ ہمدرد وہ ہمراز — میں عاشقِ دلریش تو وہ عاشقِ جانباز

معشوق تھے پر عشق کے کچھ ڈھنگ جدا تھے
میں اُن پہ جو قربان تھا وہ مجھ پہ فدا تھے

بیتاب تھے کیا عشق و محبت کی ہوس میں — قابو میں اگر میں تھا تو وہ بھی مرے بس میں
اک دن نہ ہوا تفرقہ اٹھارہ برس میں — مدت سے یہ دو بلبلیں تھیں ایک قفس میں

آباد کیا گلشنِ فردوس کو کس نے
میرے لیے چھوڑا مرے افسوس کو کس نے

اے چرخِ جفا جو تری پرواز ہے کیسی — اک شوخ طبیعت ہے کہ ناساز ہے کیسی
دل کی طرح بیٹھی ہوئی آواز ہے کیسی — بدلی ہوئی مجھ سے شگفتہ ناز ہے کیسی

یہ ضعف ہے یا کوئی نزاکت ہے بدن میں
چھالے ہیں زباں پر کہ یہ موتی ہیں دہن میں

تسکیں مجھے دیتے رہے بیمار تھے جب سے — باتوں سے اشاروں سے کبھی جنبشِ لب سے

بگڑی ہوئی صورت تو ہوئی کچھ ایک ہی شب سے
جو آنکھ تھی میری طرف اب پھرتی ہے سب سے

سرمہ کی جگہ اشک اب آنکھوں میں بھرے ہیں
جو ہاتھ تھے گردن میں وہ چھاتی پہ دھرے ہیں

تاثیر دوا میں نہ دعاؤں میں اثر ہے
سرکا ہوا زانو سے مرے کس لئے سر ہے

کیا سچ ہے کہ مرنے کی تمہیں اپنے خبر ہے
کیوں میری طرف دیکھ کے حسرت کی نظر ہے

کیا جی پہ بنی آ کے جو دم توڑ رہے ہو
کیا میں نے کہا ہاتھ یہ کیوں جوڑ رہے ہو

رفتار تھی چنچل کہ قیامت کو اُبھارے
افسوس وہ اب اُٹھتے ہیں ہاتھوں کے سہارے

نقاش ازل نے جو خط و خال سنوارے
ٹھنڈے ہوئے ساکت ہوئی شوخی کے نظارے

خاموش دمِ نزع ہو حیرت ہے جبیں پر
تصویر بنے تم تو اُترنے کو زمیں پر

کر لے دلِ بیتاب نظارہ کوئی دم ہے
یہ بھی ہے ادا گردنِ نازک میں جو خم ہے

مرجاؤں میں کیا بھولی سی صورت پہ ستم ہے
لو آؤ زمیں پر جو تمنائے عدم ہے

اب طائر جاں اُڑنے کو پر کھول رہا ہے
یہ قلقل مینا ہے کہ کف بول رہا ہے

آنسو نکل آئے ہیں جدائی یہ کسی کی
خاموش ہو کس کے لئے کچھ تو کہو جی کی

تسکین مجھے دیتے تھے یہ باتیں ابھی کی
اب چہرہ پر نور کی تنویر ہے پھیکی

کیوں مائل پرواز ہو اب رنگ بدل کے
نازک ہو بدن پیک اجل دیکھ سنبھل کے

خود اُٹھکے وہ تسکین مری حسرت کی تلافی — وہ جوڑکے ہاتھوں کو قصوروں کی معافی
تھا پاک فرشتوں کی طرح سے دل صافی — اک شانتی کا نقطہ تھا سکینہ کو کافی

سر پیٹ لیا میں نے دمِ بازپسیں پر
ہاتھوں سے چلے تکیہ پہ تکیہ سے زمیں پر

اے تیرا دمِ نزع وہ خود اُٹھ کے سنبھلنا — وہ دیکھ کے میری طرف اشکوں کا نکلنا
نباض کے ہاتھوں میں رکا نبض کا چلنا — تھا شوخیٔ آہو کی طرح آنکھ بدلنا

اندیشہ قیامت کا ہوا سب کی نظر میں
سر کھل گئے اور حشر کا غل پڑ گیا گھر میں

میں کیا کہوں کیا تھے دمِ آخر کے نظارے — بگڑے ہوئے تیور بھی تھے سنورے ہوئے سارے
اُلجھے ہوئے وہ مانگ کے بالوں میں سہارے — رخساروں پہ پتے تھے جھکے بوجھ کے مارے

گردن میں گلوبند گلا گھونٹ رہا تھا
وہ ہار تھا یا سانپ کوئی لوٹ رہا تھا

ہل ہل کے گرے پڑتے تھے وہ کانوں کے بالے — بن بن کے بگڑ جاتے ہیں جوں ماہ کے ہالے
واں خود ہی سنبھلتے تھے پھر کون سنبھالے — بیہوش تھے بیتاب تھے سر پیٹنے والے

رفتار کو روکا ترے پاؤں کے چھڑوں نے
ہاتھوں کو نہ اُٹھنے دیا سونے کے کڑوں نے

محشر کا ہوا شور دمِ بازپسیں پر — رشکِ مہ و خورشید کو لے آئے زمیں پر
بوسہ کوئی دیتا تھا محبت سے جبیں پر — روتا تھا مکاں چھوٹ کے خود اپنے مکیں پر

ہمجنسوں کو ماتم کے لئے رات بڑی تھی

منہ بولی بہن لاش پہ بسمل سی پڑی تھی

غش کھا کے زمیں پر گری میں سر کے بل آیا
پہلو کو دبایا تو کلیجہ نکل آیا
دل سینہ میں یوں تڑپا کہ باہر اچھل آیا
اشک آنکھ میں آیا تو جگر کو مسل آیا

چپ چاپ ہوا خاک دمِ گرم کے مارے
نالوں نے گلا گھونٹ لیا شرم کے مارے

آنکھوں میں لہو اور اندھیرا تھا نظر میں
اک ڈر سے دبے ہوئے دل پھرتا تھا گھر میں
سینہ میں نیا زخم نیا درد جگر میں
دیوار نے پھینکا تو گرا آ کے ہیں در میں

دامن سے چھپائے ہوئے آنکھوں کو جبیں کو
منہ ڈھانپ کے روتا تھا بت پردہ نشیں کو

کہتا تھا کہ اٹھو بھی سحر ہونے کو آئی
لو صبح قیامت بھی تمہیں ڈھونے کو آئی
اور رحمتِ حق آخری منہ دھونیکو آئی
لینے کو اجل تمکو مجھے کھونے کو آئی

دیکھو مرے پیارے تمہیں اب شرم ہے کس سی
وہ سامنے روتے ہیں کھڑے پردہ تھا جن سی

سلجھائے ہوئے کس سے ہو چتون تو ابھارو
پھر ملنے کا وعدہ تو کرو ہاتھ تو مارو
بکھرے ہوئے رخساروں پہ گیسو تو سنوارو
اب غسل کا وقت آ گیا زیور تو اتارو

تشانہ نہ کرو میری پریشانی کو دیکھو
آئینہ کہاں ہے میری حیرانی تو دیکھو

آنکھوں کے بدلتے ہیں بھی اک شرم حیا تھی
انگلی کے پھڑکنے میں اشاروں کی ادا تھی
ہر اک دمِ حسرت میں بھری بوئے وفا تھی
ہر سانس میں لپٹی ہوئی جنت کی ہوا تھی

کافر کے دمِ نزع بھی اک ناز تھا پیدا
گردن کے ڈھلکنے میں بھی انداز تھا پیدا

تھا خاک پہ گُل کی طرح کملایا بدن کا
اے ہائے وہ چپ ہونا بتِ غنچہ دہن کا
دو ہاتھ زمیں پر تھا پڑا ڈھیر چمن کا
طاقت تھی اشارہ کی نہ یارا تھا سخن کا

دل کی طرح پہلو میں مرے رہ کے چلے ہو
کچھ سُن کے چلے اور نہ کچھ کہہ گئے چلے ہو

ہاتھوں میں بتِ رشکِ گلستاں مگر آیا
کچھ بھی ترے مرنے کا نہ ساماں نظر آیا
وہ غیرتِ گل پھول سا نیچے اُتر آیا
ہچکی کدھر آئی دمِ آخر کدھر آیا

یہ سچ ہے کہ موت چھوں ہی کی آتی ہے ایسے
جو روح کہ ہے پاک نکل جاتی ہے ایسے

وہ سادگی سے زلفوں کا چہرہ پہ بکھرنا
سامانِ وصال اور جوانی کا یہ مرنا
وہ آخری جوڑہ کی سجاوٹ سے سنورنا
وعدہ تھا مگر جانتے تھے تم تو مکرنا

ہیں دیکھتا تھا جن کو شب و روز سجا کے
چھوڑا ملک الموت نے چھاتی سے لگا کے

کیوں سر نہیں دھماے رواں کچھ نہیں کہتے
پھرتی نہیں کیوں منہ میں زباں کچھ نہیں کہتے
کیوں آگئی گلشن پہ خزاں کچھ نہیں کہتے
کیا ہوگیا اب اے مری جاں کچھ نہیں کہتے

لب بند ہیں تقریر کا انداز کہاں ہے
حرکت ہی نہیں جسم میں اب ناز کہاں ہے

لو دن نکل آیا ہے مرے مہ جبیں اٹھو
چِک پڑ گئیں دالان میں پردہ نشیں اٹھو

ہاں شعلۂ دلسوز کی جانِ حزیں اٹھو
لے آیا ہوں میں غسل کا پانی کہیں اٹھو
اٹھنے کا جو یارا نہ ہو چادر ہی اٹھا لو
لیٹے ہوئے آبِ چۂ زمزم میں نہا لو

اے کب کے او نیندے تھی یہ کیا نیند ہی پیاری
لو اٹھو چلو آ گئی اب سیج کے سواری
محشر کا ہے اک شور دمِ گریہ و زاری
لاشہ ہی کوئی بیچ میں کہرام ہے بھاری
کیا شوق ہوا سیرِ گلستانِ جہاں کا
منہ کھول کے کچھ تو کہو ہی عزم کہاں کا

حاضر ہوا پوشاک کا جوڑا یہ پہن لو
دولہن مری جاں اور بھی اکبار تو بن لو
آراستہ اب ہو گیا نک سک سے بدن لو
پردہ ہی تو چادر کی عوض اوڑھ کفن لو
نازک بدن اک سرخ دوشالے میں چھپا ہی
مہکا ہوا تابوت ہی پھولوں میں بسا ہے

لینے کے لئے اٹھا ہے رضواں متواتر
حوران بہشتی ہیں درِ خلد پہ حاضر
لمبا ہے سفر تم صفِ ماتم میں سے گئے گھر
لو جاؤ مرے پیارے خدا حافظ و ناصر
صورت بھی دکھاؤ گے کبھی جلد بلا کے
جس طرح سے جاتے ہو مجھے پیٹھ دکھا کے

او بار نزاکت ذرا لاشہ کو سنبھالے
اور رنگ حنا پانو سے بوجھ اپنا ہٹا لے
او نکہت گل دوش پہ تابوت اٹھا لے
جنبش ہو نہ کاندھا مرے کاندھے سے ملا لے
مہکی ہوئی پھولوں کی طرح بو بھی کفن کی
دنیا سے سواری گئی کس رشکِ چمن کی

منزل پہ گئی راہ میں لیتے ہوئے بسرام — ہر اک کی زباں پر تھا سریرام سریرام
ہونے لگا احباب و اقارب کا تھا جو کام — دہری و یا آخر کو چتا میں بتِ گلفام
افسوس کہ آگ اپنے ہی ہاتھوں سے لگا دی
جو رنگ بھری لاش تھی ہولی سی جلا دی

بولائی ہوئی کس کی یہاں بادِ صبا ہے — غیرت کا یہ جنگل ہے جو پھولوں میں بسا ہے
5 یہ نکہتِ گلزار کہ مرگھٹ کی ہوا ہے — اک غیرتِ گل آ کے یہاں خاک ہوا ہے
گلچیں نے بھری جھولیوں میں راکھ بدن کی
پھولوں کے لئے مٹی بھی چھوڑی نہ چمن کی

او چرخ سنبھل آتے ہیں پھر ہونٹوں پہ نالے — ہوتا ہے بپا حشر زمیں سر پہ اٹھا لے
خورشیدِ قیامت کہیں لے جا کے چھپا لے — تاروں کو سمیٹ اور مہِ تاباں کو ہٹا لے
اک نالۂ پُر درد سے سو زلزلے پڑ جائیں
اس زور سے چیخوں کہ ترے پاؤں اکھڑ جائیں

10 پھر کیا کروں اے وائے غمِ پردہ نشیں ہے — ویرانہ میں بیٹھا ہوں مکاں ہے نہ مکیں ہے
آواز سے رونے کی بھی یاں تاب نہیں ہے — گھر چھوڑ دوں کیسے ترے مرنے کی زمیں ہے
کاشانہ مرا بنتے ہی ویرانہ ہوا ہے
جو عیش کا کمرہ تھا وہ غم خانہ ہوا ہے

تازہ ہیں ابھی زخم ہوئے دو ہی مہینے — ظاہر ہیں ابھی سے مرے مرنے کے قرینے
یہ سوگ نہ دیگا کبھی آرام سے جینے — گویا اِس محبت سے بٹھایا ہی کسی نے
اے شعلہ اگر مے سے بھرا جام تو کیا ہے — گو پی گیا خونِ دلِ ناکام تو کیا ہے

نوحہ حضرت ملکہ قیصرہ ہند

حضرت ملکہ قیصرہ ہند کے جلسہ تعزیت میں حضرت شعلہ نے بھی ایک نوحہ پڑھا اُس وقت کا رقت انگیز نقشہ کھینچنا ہمارے قلم کے امکان سے باہر ہے۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی دلوں سے پوچھنا چاہئے۔ اُس نوحہ میں سے چند بند ہدیۂ ناظرین کیخدمت میں پیش ہیں۔ اول عنوان میں ایک قطعہ لکھا ہے۔

ہائے افسوس بڑا غم ہے دل و جاں کیلئے
ہمکو چھوڑا ہی یہاں رنج فراواں کے لئے

اب کوئی اور بنائی ہے خدا نے دنیا
ملکۂ قیصرہ کے سایہ داماں کے لئے

ایک ہی ہاتھ تھا شفقت کا ہر اک کے سر پر
ایک ہی گود تھی ہندو و مسلماں کیلئے

عمر بھر تھپکیاں دے دیکے سلایا جس نے
آج سر پیٹتے بیٹھے ہیں اُسی ماں کے لئے

ہزار افسوس اسر سے آج سایہ اُٹھ گیا کسکا
زمانہ میں مچا ہے شور ماتم جا بجا کس کا

ہماری آہ اور نالوں میں ہے اظہار غم اسکا
زمیں اب تھام لے تجھسے تھمے تو آسماں کسکا

نہیں باقی ہے کوئی آنکھ آنسو کے بہانے کو
اسی صدمے نے پلٹا دیا ہے اب زمانے کو

ہزار افسوس! ہائے!! مہرباں ملکۂ قیصر
کوئن وکٹوریہ ہندوستان کی مشفقہ مادر

ہمیں پالا تھا کس کس نازسے آغوش میں لیکر
رعیت پروری شان شہنشاہی کا تھا جوہر

برائی بھی ہماری تھی بھلائی کی وہ تاؤں کو
بچایا جس طرح بچوں کا خوش آتا ہے ماؤں کو

خدا نے سلطنت بھی دی شہنشاہانہ حشمت بھی
رعیت پروری بھی اور رعیت پر حکومت بھی

نکوئی سادگی اقبال بھی دولت بھی عظمت بھی
یہاں کچھ مختصر سن لیجئے حال ولادت بھی

ہوا کرتا ہو جیسے جلوہ مطلوب طالب میں
خدا کا نور آیا روح بنکر پاک قالب میں

وہ سنہ اٹھارہ سو انیس اور چوبیس مئی کا تھا
عجب کچھ ٹھاٹھ ڈیوک اڈورڈ کے کاشانہ کا جلوہ
بلند اقبال شہزادی ہوئیں دنیا میں جب پیدا
مبارک نام نامی کوئن وکٹوریہ رکھا

حفاظت کے لیئے لطف خدا کا سر پہ ہاتھ آیا
مقدس برکتوں کا نور سایہ بن کے ساتھ آیا

کھلی آئی جو ہاتھوں میں وہ دنیا کی حکومت تھی
لگی آئی جو قدموں سے عظیم الشان دولت تھی
بندھی آئی جو مٹھی میں وہ شاہانہ سخاوت تھی
سجی آئی جو سر پر وہ خدا کی پاک عظمت تھی

مبارک فرق پر تاج شہنشاہی ہویدا تھا
جلال سلطنت بچپن میں پیشانی سے پیدا تھا

عجب وہ روز تھا جب تخت شاہی پر قدم رکھا
اٹھارہ سال اور چھتیس دن کی عمر تھی گویا
وہ بیس جون تھی اٹھارہ سو سینتیس کا سن تھا
خدائے پاک نے جس دن سریر سلطنت بخشا

کیا سجدہ خدا کو سر پہ تاج بے بہا رکھکر
عنان سلطنت تھامی کلیسا میں قسم کھا کر

ادا شائستگی سے تھے فرائض تاجداری کے
بہت سچے ہمارے جو صحیفے ہیں جہانداری کے
رعیت کی یہ خوشحالی ہوئے ہے استواری کے
نتیجے فیض اثر شاہد ہیں پوری کامگاری کے

خدا کے فضل سے ہم بھی ہیں صادق جاں نثاروں میں
پرستی ہو وفاداری ہمارے خون کی تاروں میں

ہمارے کون اب بگڑے ہوئے چہرے سنواریگا
ہمارے ناز بیجا کون خوش ہو کر سہاریگا

ہمیں اب کون لیگا گود میں اور کون اتاریگا
تمام ہندوستان اب کسکو ماں کہکر پکاریگا

ہمیں فرض اطاعت سے سبکدوشی نہیں ہوگی
یہ وہ غم ہے کبھی جسکی فراموشی نہیں ہوگی

ہمیں جبتک جئیں رونا ہے اس رنج دوامی کا
مٹائے موت کب مٹتا ہے نقشہ نام نامی کا
سروں سے ہاتھ اٹھا ہے وہ مددگار اور حامی کا
بیاسی سال ختم ہونیکو تھا اسم گرامی کا

زمانہ ہے سیہ تاریک ہے دنیا نگاہوں میں
دعائے مغفرت آتی ہے لپٹی سرد آہوں میں

وہ جسم پاک جو مسند پہ تھا زیر کفن آیا
خدا نے شوہر مرحوم کے پہلو میں بٹھلایا
زمیں کی گود میں ہے اب شہنشاہ فلک پایا
گیا ہے ساتھ ہی سادگی عصمت کا سرمایا

مقدس روح کا قبضہ ہے ملک جاودانی پر
جلوس ظل سبحانی ہے تخت آسمانی پر

جنازہ ملکۂ گیتی ستاں کا آج اٹھتا ہے
زمیں سے ولولہ شور و فغاں کا آج اٹھتا ہے
نشان مائی عالی نشاں کا آج اٹھتا ہے
ہمارے سر سے سایہ پیاری ماں کا آج اٹھتا ہے

کھڑا ہے خاندان قیصری اب مٹی دینے کو
لحد ہے گود پھیلائے ہوئے تابوت لینے کو

دعائے مغفرت اب کیجئے وقت دعا آیا
ہمارے شاہزادہ ویلز نے تاج و نگیں پایا
خدا کی پاک رحمت کا ہمیشہ سر پہ ہو سایا
اٹھا اک دست شفقت دوسرا ابر کرم چھایا

خدا نے ملک بخشا تخت بخشا تمکنت بخشی
وہی بخشے گا آخر صبر جس نے سلطنت بخشی

تہنیت جشن دربار عالیجناب معلی القاب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی وشمالی واودھ بتقریب رسم افتتاح گھنٹہ گھر علی گڑھ ۴ اگست ۱۸۹۳ء

مصنفہ منشی بنواری لال شعلہ وکیل عدالت علی گڑھ

جناب والا

مبارک جشن ہے وہ خسروانہ جسکی عظمت ہو
مبارک رسم ہے وہ جسمیں ہر فرقہ کی ملت ہو
مبارک صدر ہے جسپر نگیں تاج و دولت ہو
مبارک وقت ہے کچھ نظم پڑھنے کی اجازت ہو

گذارش کیلئے جرات ہے شکر ہر بلندی سے
اوسے عاجزی سے اور دلی احسانمندی سے

ہے پہلے شکر واجب اُس خداوند دو عالم کا
مبارک ہم پہ سایہ دولت انگلش کے پرچم کا
کہ جسکی نور کی کرنوں سے تاج قیصری چمکا
ہمارا فرض اول شکریہ ہے خیر مقدم کا

تلطف ماورانہ ملکۂ قیصر کا ہر دم ہے
ہمیں جو ناز ہو کم ہے ہمیں جو فخر ہو کم ہے

ہماری زندگی کا فرض ہے سچی وفاداری
عطا کیں تاج برٹش نے فضل ہی نعمتیں ساری
ہماری خیر خواہی کی ہیں ذمہ داریاں بھاری
ہمیں بخشی گئی شائستہ آزادی و مختاری

اطاعت کے خیالوں میں دکھائیں بیقراری کو
ہمارا خون رگوں میں ڈھونڈتا ہے جاں نثاری کو

یقیں کی شکل میں ہیں خیر خواہانہ گماں اپنے
نہیں بھولے سمائے ہیں خوشی سے چشم جاں اپنے
حضور انور کے سچے دل میں پائے ہیں نشاں اپنے
لیو را انر کو جب ہم دیکھتے ہیں قدرداں اپنے

بچھی تھیں فرش پر آنکھیں حضور انور کے آنیکو

ہمارے قلب باہر آ رہے استقبال دینے کو

حضور انور کے روشن عہد کا دور حکومت ہے
خلوص و اتحاد و سرپرستی شان و عظمت ہے
خوشا ہے وہ خداوندی خدا کی جس میں برکت ہو
حضور انور کی ذات پاک سے پیدا مسرت ہے

حقیقی سب کو خوشوقتی ہے سچی شادمانی ہے
مبارک ہے ہمارا ملک جس پر حکمرانی ہے

بہت سچی دلاتے ہیں یقیں ہم عاجزی اپنی
شعاع تاج نے پھیلائی عمدہ روشنی اپنی
وہ خوش ہیں کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم خوشی اپنی
مسرت بخش ہے اب اتفاق و یکدلی اپنی

بہم ہیں میل جیسے ربط داماں و گریباں ہیں
فقط اک وضع کا کچھ فرق ہے ہندو مسلماں ہیں

قدم رنجہ سے جو کچھ آج حاصل ہے ہمیں عزت
ہمیں وہ لفظ ہی ملتے نہیں جنکو ہو یہ جرأت
نہیں رکھتے ہیں اسکے شکر کے اظہار کی طاقت
دہن نے وہ زباں پائی نہیں جس میں ہو قدرت

کریمانہ توجہوں کی فراموشی نہیں ہوتی
ہمیں ان شکریوں سے کچھ سبکدوشی نہیں ہوتی

اب اسکا ذکر ہے جس کیلئے ہے مسند آرائی
علی گڑھ میں یور آنر کی پہلی جلوہ فرمائی
ہماری خوش نصیبی ہے ہماری قدر افزائی
ہماری مدتوں کی آرزو میں ہیں تماشائی

علی عزت تسلی بخش الفاظ جوابی سے
امیدیں چاہتے اپنا لے چکی ہیں کامیابی سے

مبارک آج رسم افتتاح کلاک ٹاور ہے
ہمارا عاجزانہ شکریہ طاقت سے باہر ہے
انہی کے ہاتھ میں ہے ڈور جنکا ہاتھ سر پر ہے
ہماری خوش نصیبی ہے ہمارا خوش مقدر ہے

خدا لیے وہ وئے دست مبارک دستگیروں میں
ہماری قسمتیں تحریر ہیں جن کی لکیروں میں

حضور انور نے کھولا آج جسکو شادمانی سے
یہ ہی پہلا ہی موقع فخر بخشا میہمانی سے
بنا جیسے اپچ ہیریسن کی عمدہ مہربانی سے
ہماری عاجزانہ کوششوں کی قدردانی سے

گذشتہ سال ہی جسنے دہرا تھا فونڈیشن کو
دوبارہ ہی مبارکبا داب مسس ہرنگٹن کو

نہیں دنیا میں کوئی قیمتی شے وقت سے بہتر
روانی میں کسی تدبیر سے رکتا نہیں دم بھر
بشر کی زندگی کے کام ہیں سب منحصر اسپر
چلا جاتا ہی ہر لمحہ یہ دریا کی طرح بہکر

ملایا شکسپیر نے ہی ان دونوں کیحالت کو
وہ پیداوار کو سرسبز کرتا ہی یہ دولت کو

یہ سچ ہی وقت گذرا ہاتھ پھر آتا نہیں ہرگز
غنیمت وقت ہی بیکار جو جاتا نہیں ہرگز
زمانہ جو گذر جاتا ہی پھر پاتا نہیں ہرگز
یہ چھپ جاتا ہی صورت اپنی دکھلاتا نہیں ہرگز

نہیں رکتا کسی تدبیر و حکمت سے نہیں رکتا
خوشامد سے نہیں رکتا یہ رشوت سے نہیں رکتا

کبھی محسوس ہو سکتی نہیں ہی وقت کی عسرت
جو وقفہ درمیانی ہی وہی ہی حال کیحالت
ابھی کہتے ہیں مستقبل ابھی ماضی کی ہی صورت
مبارک زندگی ہی جسمیں کچھ ہو وقت کی وقعت

ترقی منحصر اس پر ہی دولت منحصر اسپر
عبادت منحصر اسپر ریاضت منحصر اسپر

ہمارے کام بے اسکے مہیا ہو نہیں سکتے
ہمارے فرض بے اسکے مودی ہو نہیں سکتے

یہ وہ شے ہے الگ ہم جس سے جدا ہو نہیں سکتے / یہ ایسا جزو ہے جسکے کہ اجزا ہو نہیں سکتے

ہماری عمر کی صورت جسے ہر دم روانی ہے
جسے سب وقت کہتے ہیں وہ چلتی زندگانی ہے

خدائے پاک کی مرضی کو بھی ہے وقت سے نسبت / ذرا سی بات کی ہے وقت انساں کو نہیں طاقت
معین وقت اک لمحہ کی بھی دیتا نہیں مہلت / ملی ہے اسمیں کچھ باریک سے باریک تر قدرت

خوشی کیواسطے انسان سب کوشش میں رہتے ہیں
نہیں ہیں آج ہمسر اسی کو وقت کہتے ہیں

بشارت ہے مبارک وقت کی اب زندگانی پر / مبارک ہاتھ سے کھولا گیا ہے آج گھنٹہ گھر
رفاہِ عام کی اب ہو گئی تکمیل سر تا سر / مسرت بخش ہیں ساری علامت بندگاں پر

عمارت کے بیانِ عمدگی کی کیا ضرورت ہے
جو تھی تصویرِ پاکیزہ مجسم اسکی صورت ہے

جو صورت ذہن میں تھی کاغذی تصویر میں آئی / جو کیفیت تصور میں تھی وہ تعمیر میں آئی
مرقع سے نکل کر عالمِ تنویر میں آئی / مبارک ذات والا اسکی اب تقدیر میں آئی

نمونہ ہے یہ سب جسکے خیالِ پاک روشن کا
ہے پہلا فرض گو شکریہ جے سی شیرڈن کا

یہ ہے پتھر کا بت گفتار کی طاقت کہاں اسمیں / نہ منہ اسمیں نہ لب اسمیں نہ دنداں نہ زباں اسمیں
مگر ملتا ہے پچھلے معجزوں کا کچھ نشاں اسمیں / یور آنر کے ہاتھوں سے پڑی ہے آج جاں اسمیں

ہوا ہیں جسکو جادو کی بھری تعمیر کہتے ہیں
وہی ہے یہ جسے منہ بولتی تصویر کہتے ہیں

قریب اضلاع میں نادر نہیں اس شان و شوکت کا | مشابہ اس نمونہ کا سٹہ ول ایپی عمارت کا
نہایت خوبصورت کام ہے ہیں نفاست کا | بلندی کا ہے موزوں خوشنما ہے اپنی صورت کا

چمکتا شہر کے ہر چار جانب ہے کلس اس کا
صدا دیتا ہے چھ چھ میل تک عمدہ جرس اس کا

جلیلہ عہد والا کا نشاں ہے برقرار اس سے | علی گڑھ میں نہیں کوئی عمارت شاندار اس سے
یہ فیاضانہ ہمدردی رہیگی یادگار اس سے | ہمیشہ وقت پر ہونگے ہمارے کار و بار اس سے

یور آنر کی سچی یادگاری کے دکھانے ہیں
یہ سورج کی طرح چمکیگا تاریخی زمانے ہیں

اب اس کا ذکر کرتے ہیں یہ جسکی مہربانی ہے | خوشا جیمس لیچ ہیرسن کہ جسکی حکمرانی ہے
جو الطافِ دلی ہے وہ ہی الطافِ زبانی ہے | رفاہِ عام کی اتنی بڑی جسکی نشانی ہے

یہ جلسہ آج پھل ہے جسکے عمدہ بیج بونے کا
بڑا افسوس ہے جیمس لیچ ہیرسن کے نہ ہونے کا

ملے انکی عوض میں ڈبلو ڈبال عادلِ دوراں | ہمیں اس ذات والا پر بہت کچھ فخر ہے شایاں
فہیم و مہرباں ہمدرد و منصف صاحب ایماں | مدبر نیک خصلت نیکدل ذیجاہ والا شاں

بہت ممنون ہیں ان برکتوں کی شادمانی سے
ملے حکام لوکل سب ہی اچھے مہربانی سے

اب انکے شکریہ میں جو ہمارے آج ہیں مہماں | جناب آرتھر ہنری سر ایلکنگٹن عادلِ دوراں
ہمارے فخر ہندوستاں جناب سید احمد خاں | ہمارے کل رؤسائے گرامی جاہ والا شاں

بہت مقبولیت کا رنگ آیا التجاؤں پر

مبارک نظم کو اب ختم کرتے ہیں دعاؤں پر

دعائے عام ہے جب تک طلوع مہر خاور ہو
مہ و خورشید میں جلوہ ہو جلوہ نور گستر ہو

زمیں پر چرخ ہو اور چرخ پر ماہ منور ہو
زمیں میں نامیہ ہو نامیہ تا بارآور ہو

سدا باغ جہاں بانی میں گل آئے ثمر آئے
ہمیشہ ملک و مالک پھولتا پھلتا نظر آئے

چمن میں گل ہو گل میں بو ہو بو میں موج نکہت ہو
شجر میں تا ثمر ہو اور ثمر میں تا حلاوت ہو

صبا میں تا روانی ہو روانی میں لطافت ہو
دہن میں تا زباں ہو اور زباں میں تا فصاحت ہو

شکوہ و منزلت خود پیشوا ہوں ملک گیری میں
ظہور ذوالجلال پاک ہو روشن ضمیری میں

دکھائی عالم ایجاد کی نشو و نما جس نے
ازل کے دن زمیں کو دی زمرد گوں قبا جس نے

سیاہی شب کو دی اور صبح کو بخشی ضیا جس نے
فلک کو آسمانی خلعت پر زر دیا جس نے

وہی ہو نور افزائے نگین تاج سلطانی
مبارک سایۂ دست خدائے ظل سبحانی

رہے قائم زمیں پر جب تلک یہ چرخ زنگاری
رہے جب تک جہاں میں روز و شب کا سلسلہ جاری

عناصر کی رہے دنیا میں جب تک چار دیواری
ہوا خواہوں کو دلجمعی ہو دشمن کو دل افگاری

نور افزا ہوں اور مداح شعلہ سا سخنور ہو
یہ سب تب تک جب تلک شیرازۂ کونین ابتر ہو

جشن دربار

دسہرہ

ریاست کپورتھلہ

۱۸۹۱ء

مشاطۂ عروسِ سخن ہوشیار ہو
او بوئے یاسمین و سمن ہوشیار ہو

آئینہ لیکے صحن چمن ہوشیار ہو
او حسن تازگی ہمہ تن ہوشیار ہو

نظارہ سوز شاہدِ مضموں شتاب آ
حجلہ سے او عروسِ سخن بے نقاب آ

برہم پر اٹھنا ہے سری برج چندر کی
بخشی تھی جسنے اندر کو وہاں شانِ خسروی

روشن ہی جس کے نور سے تاجِ شہنشہی
یہاں یور ہائنس کو دیا تیج ایشوری

بل تیج راج دھرم کے سارے قرینے ہیں
اس تاج میں اُسیکے مکٹ کے نگینے ہیں

راجا میں انس ہوتا ہے ایشور کے تیج کا
دھرم لیہ راجدہانی کو ہے تا ابد بقا

ایشور کا تیج اور ہے ست دھرم ایکسا
بلوان ہیں جنھیں کہ ہے ست دھرم آسرا

بھارت میں انتخاب تھا سب منو بیر میں

ست دھرم ہی کا زور تھا ارجن کے تیر میں

وہ سرزمین ہے وہی کہ جو تخت گاہ ہے
انسان کیا ہے نور خدا خود گواہ ہے
یہ دھرم کا ہے پھل جو قدمبوس شاہ ہے
جب یوں ہر اہنس سا شہ کج کلاہ ہے

رہتے اسی زمیں کو عرش بریں کے ہیں
خورشید کی شعاعیں چنور اس زمیں کے ہیں

کہتا ہے آسماں کہ زمیں میں نہ کیوں ہوا
کوثر کو چاہ ہے کہ قریں میں نہ کیوں ہوا
خورشید کو ہوس ہے نگیں میں نہ کیوں ہوا
میں کہہ رہا ہوں عرش بریں میں نہ کیوں ہوا

ملتا جبیں کو سجدہ تو اس آستان کا
سمٹا ہے آکے جلوہ جہاں اک جہان کا

کیا سرزمیں ہے جس پہ عجب جلوہ گر ہے نور
اس تاج کی شعاعوں کی تابش ہے دور دور
موسیٰ سے پوچھ لیجے کیسا تھا کوہ طور
ہیں چند رنش کل کے آبھوشن سر حضور

کیا تاج زینت رخ عالیجناب ہے
سورج پہ چاند چاند پہ یاں آفتاب ہے

روشن ضمیر فیض رساں عالم و ذکی
اقبال مند ناصر و فاتح جواں جری
بیدار مغز اہل کرم قدرداں سخی
شاہانہ عدل و داد کریمانہ پاسی

دولت وظیفہ خوار ہے تجھ کے حساب میں
فتح و ظفر دو نوں ہیں دوڑ رکاب میں

شائستگی ملک اولوالعزمی جہاں
سارے دلاوری و شجاعت کے ہیں نشاں
مانند موج بحر ہے حکم رواں رواں
خادم جلال و دبدبہ اقبال پاسباں

کسب ضیا ہیں کس شہ عالیمقام سے
ہم کو ملا ہے فخر رعایا کے نام سے

پرجا سکھی ہو راجکی بھگتی میں سب ہیں لے
دست کرم ہی سکہ سخاوت کے نام پے
ورنہ مگر پر اجد ہانی ہو سب حرم کی ہو جے
حاتم کا ایک قصہ تھا وہ بھی ہوا ہی طے

بخشش میں ہیں بڑے ہوئے جھپٹی بڑنگے ہاتھ
پیچھے کو ہیں ہٹے ہوئے راجہ کرنگے ہاتھ

دربار کا ہی جشن دسہرہ کی دھوم ہی
پھولا ہوا انشاط سے یاں روم روم ہی
ہر اک کے دل میں سچی خوشی کا ہجوم ہی
پنجاب آج گویا اجودھیا کی بھوم ہی

گدی وہاں ہی جشن ازل کے ظہور کی
جھانکی یہاں ہی ظل الٰہی کے نور کی

اقبال چوبدار نقیبوں میں ہے ظفر
پیچھے لئے کھڑے ہیں چنور شمس اور قمر
آگے جلو میں ساتوں فلک ہیں کسے کمر
وہ تیغ ہی کہ جس سے چکاچوند ہے نظر

جھومے ہوئے ہیں چرخ سواری کیواسطے
سورج نے رتھ کسا ہی عماری کیواسطے

جب تک فلک کی ہریں ہی نیلگوں قبا
جب تک رہی اس عالم ایجاد کی بنا
جب تک زمیں پہ ہو مہ و خورشید کی ضیا
جب تک کہ خاک و آب ہوں اور آتش و ہوا

جب تک کہ کائنات کو رنگ ثبات ہو
لطف خدا ہو اور سری والا کی ذات ہو

جب تک فلک پہ مہر ہو اور مہ میں ہو نور
جب تک جہاں میں شام ہو اور صبح کا ظہور

جب تک چمن میں نغمۂ بلبل سے ہو سرور — مداح میں رہوں اور مرے ممدوح ہوں حضور

اُڑ تا رہے جلو میں پھریرا اسی طرح
ہو ویں ہزار سال دسہرہ اسی طرح

آمین

قطعہ تاریخ کتاب بےنظیر وقائع راجکمار والی آمیر مؤلفہ ناظم و ناثر باکمال منشی کیول کشن صاحب مرحوم متخلص بہ خالص نائب فوجدار سابق راج سوائی جیپور برادر مصنف

از فکرِ رسا و طبع موزوں
ہاتف فرمود از سر خویش

شد ختم چو قصہ نگاریں
گلدستۂ گلشن مضامیں
۱۸ ۶ ۵

قطعہ تاریخ وفات منشی جواہر لال عم مصنف

شد چو سوئے جناں جواہر لال
یوم شیوبرت و ماہ پھاگن بود
حیف ایں ہفتمیں برادر کرد
سرِ دل را شکستم و گفتم

یادگار گذشتگانِ حصار
کہ ز قالب رمید جانِ حصار
ختم نام برادرانِ حصار
بے پدر گشت خاندانِ حصار

تاریخ کدخدائی جگت نراین خلف منشی ہرسکھ رائی مالک مطبع کوہ نور

مہروش زینت بر ہو گیا	گرم پہلوئے قمر ہو گیا
اٹھ گیا شمع کے منہ پر سے نقاب	رخ شب روئے سحر ہو گیا
بخت بیدار نے شعلہ سے کہا	کر دعا وقت سحر ہو گیا
سر الہام سے آئی یہ صدا	کدخدا لخت جگر ہو گیا
	١٩ ٣٥

قومی قصاید اور قومی مسدس

موسوم بہ

نظم شعلہ

من تصنیف نامی سخن سنج شیوا زبان فخر روزگار نازک خیال جناب
منشی بنواری لال تخلص شعلہ کایستھ بھٹناگر حصاری وکیل
عدالت و وائس پریسیڈنٹ کایستھ پراونشل سبھا علی گڑھ
جو متفرق طور پر سری چترگپت و منشی جلسوں میں پڑھے گئے

یعنی

نوحہ منشی کالی پرشاد - قصیدہ تہنیت جلسہ سالانہ کایستھ سبھا علی گڑھ
ایڈریس خیر مقدم منشی لکھمیں نراین ورما ایل ایل ڈی کایستھ کل بھوشن
نظم کایستھ سبھا جگنج - نظم جلسہ و ج - مسدسیات کایستھ کانفرنس
بریلی - متھرا - مرادآباد و علی گڑھ

تالۂ ہمدردی یعنی نوحہ منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم شنکر بانی کایستھ پاٹھ شالہ الہ آباد

جان باقی ہے اسی رنج میں کھونیکے لئے — اشک طوفاں جو بنے ہیں تو ڈبونیکے لئے
کل تلک حال پہ روتا تھا ہمارے جو شخص — (تاریخی ۱) آج ہم جمع ہوئے ہیں اُسے رونیکے لئے

دیگر

وہ نیک نہاد ہائے کالی پرشاد — فرخندہ نژاد ہائے کالی پرشاد
ہمدردیٔ قوم رو رہی ہے سر پر — کالی پرشاد ہائے کالی پرشاد

نوحہ

اے نالو آج حشر اُٹھانے کا وقت ہے — اے آہ گرم برق گرانے کا وقت ہے
اے گریہ جوش اشک دکھانیکا وقت ہے — اے سوز سینہ آگ لگانے کا وقت ہے

کٹ جائے وہ زباں کہ جو نوحہ گر نہو
وہ آنکھ پھوٹ جائے جو اس غم سے تر نہو

اے روزگار گردش لیل و نہار حیف — اے بے ثبات ہستی ناپائدار حیف
اے خاک بیز ہی مژہ اشکبار حیف — مٹی میں مل گیا گہر آبدار حیف

وہ بار غم پڑا جو کہیں سے نہ اُٹھ سکے
وہ آسماں گرا جو زمیں سے نہ اُٹھ سکے

کس خیر خواہ قوم نے رحلت پسند کی — تشریف جا رہی ہے کہاں دردمند کی
ایسے کو فکر کیا رہ پست و بلند کی — در کھل گئے بہشت کے جب آنکھ بند کی

ہاں آسرا پر اپنا مسیحا سے اُٹھ گیا

اک چارہ ساز تھا کہ جو دنیا سے اُٹھ گیا

وہ درد بڑھ چلا ہے کہ چارہ نہیں رہا
شربت سوائے مرگ گوارا نہیں رہا
دنیا میں کچھ علاج ہمارا نہیں رہا
اب قوم ناتواں کا سہارا نہیں رہا

بالیں سے کون بھر کے دم سرد اُٹھ گیا
اے درد اب معاف کہ ہمدرد اُٹھ گیا

افسوس ایسے قوت بازو کا ٹوٹنا
رونا یہی دکھائیگا آنکھوں کا پھوٹنا
افسوس ایسے بھائی کا بیوقت چھوٹنا
اے اہل قوم سیکھو چھاتی کا کوٹنا

وہ کون ہے جہان میں جو پامال غم نہیں
یہ حادثہ بلائے قیامت سے کم نہیں

وہ افتخار قوم تھا وہ فخر روزگار
سچا تھا وہ سخاوت قومی کا دوستدار
قربان اسپہ قوم تو وہ قوم پر نثار
سائل کو جان دیکے بھی تھا ملتفت نہ سوار

جو سر کو بیچتے ہیں بھلائی کے واسطے
وہ جان تول دیتے ہیں بھائی کیواسطے

دم بالیں واپسیں دم رحلت ابد ہر چلے
ہمت پکارتی تھی کہاں چھوڑ کر چلے
کہتے تھے اقربا کہ اکیلے کدھر چلے
دولت یہ کہہ رہی تھی مجھے کس پہ دھر چلے

حاضر ہوں ہر وقت نہ اب ٹالئے مجھے
پیدا کیا تھا دینے کو دے ڈالئے مجھے

دست سخی پھڑکتا تھا بخشش کے نام پر
عمر عزیز آگئی جب اختتام پر
ہمت بندھی ہوئی تھی بھلائی کے کام پر
جو ملک خاص تھی اُسے بخشا عوام پر

چھ لاکھ کو جہاں میں ایک نام بک گیا
سرمایۂ حیات کھرے دام بک گیا

کیسا لٹا ہے قوم کا گلزار ہائے ہائے
غم دے گیا ہی اپنا ہی غمخوار ہائے ہائے
گیا اٹھ گیا جہان سے وفادار ہائے ہائے
پامال ہو گیا چمن زار ہائے ہائے

بڑھنے کو جو نہال تھے مرجھا کے رہ گئے
کھلنے کو تھے جو پھول وہ کملا کے رہ گئے

پھولا پھلا تھا کیا چمن لالہ زار قوم
سینچے تھا اپنی خون سے اک جاں نثار قوم
پامال ہو چلی ہے خزاں سے بہار قوم
پیارا ہوا اجل کو مگر دوستدار قوم

باد بہار چلنے سے رک رک کے رہ گئی
اٹھنے کو تھی جو شاخ وہ جھک جھک کے رہ گئی

کالستھ پاٹ شالا کا وہ مدرسہ عظیم
تحقیق وہ برن کی کتب خانہ عظیم
کیا یادگار چھوڑ گیا عاقل و فہیم
ہر چند فکر لخت جگر میں تھا دل دو نیم

سچ تو یہ ہے کہ قوم میں اک نام کر گیا
ناکام خود گیا ہے مگر کام کر گیا

مثل جو اس قوم سے ہر دم کا اختلاط
نیکی کی جستجو تھی برائی سے احتیاط
طلباء مدرسہ سے کریمانہ انضباط
پدرانہ اتحاد و محبانہ ارتباط

آزار نہ حرف کبھی امتیاز میں
غیروں کے لخت دل تھے اس آغوش ناز میں

کیا سرپرست سر سے اٹھا وا مصیبتا
کیا گم ہوا ہے راہ نما وا مصیبتا

گردوں کی یہ جفا یہ جفا وا مصیبتا — گلزار قوم و برق بلا وا مصیبتا

کیونکر نہ اہل قوم کے دل پھر دونیم ہوں
یوں نونہال مدرسہ کے ہی یتیم ہوں

وہ جانکنی کے رنج و محن الفلک دریغ — وہ درد ہائے روح شکن الفلک دریغ
وہ جسم اور زیر کفن الفلک دریغ — وہ تیر آگ اور وہ بدن الفلک دریغ

جھگڑا تمام عمر کا کیا پاک کر دیا
ظالم نے تھوڑی دیر میں سب خاک کر دیا

فرصت کہاں فلک کو جفا و ستم سے تھی — حالت تمام قوم کی پامال غم سے تھی
جو کچھ بھلائی تھی وہ اسی کے کرم سے تھی — ساری ہوا بندھی ہوئی بس ایکدم سے تھی

چھانٹا ہے سب میں کیسے فضیلت مآب کو
لگ جائے آگ موت تری انتخاب کو

اے شعلہ رنگ ہستی ناپائدار دیکھ — کیا کر رہی ہے گردش لیل و نہار دیکھ
گم سیکڑوں ہوئے ہیں یہاں شہسوار دیکھ — ملتا نہیں کسی کا بھی گرد و غبار دیکھ

کس کو بتاؤں کس سے دکھاؤں نشان کو
گز بھر زمین چاٹ گئی ہے جہان کو

اے اہل قوم صبر کہ چارا نہیں کوئی — تقدیر میں کسی کا اجارا نہیں کوئی
دنیا میں دستگیر ہمارا نہیں کوئی — افسوس ہے تو یہ کہ سہارا نہیں کوئی

طوفان وہ اٹھا ہے کہ ہر اک خطر میں ہے
پروردگار قوم کی کشتی بھنور میں ہے

کچھ اپنا حال زار بھی لکھنا ضرور ہے — سنگِ بلا سے شیشۂ دل چور چور ہے
بیچین بے قرار دل ناصبور ہے — غم کی ترقیاں ہیں الم کا وفور ہے

کیا اُس سبھا کے نام سے بشاش ہو گئے
بے التفاتیوں سے جگر پاش ہو گئے

اجلاس ہیں اگرچہ سبھاؤں کے جا بجا — پر اتفاق کا نہیں ملتا کہیں پتا
اس کا نہ کچھ علاج نہ اس کی کوئی دوا — اوروں سے کہدیا کہ سبھا کر رہی ہیں کیا

تم ہی کرو جو بات ہو کرنے کے واسطے
پیدا ہوئے ہو قوم پہ مرنے کے واسطے

ہمت خدا نے دی ہے سخاوت بھی پائی ہے — دولت خدا نے دی ہے نجابت بھی پائی ہے
بخشا خدا نے علم فضیلت بھی پائی ہے — بازو میں زور ہاتھ میں قوت بھی پائی ہے

کھویا نہیں جسے وہ دلوں کا نفاق ہے
پایا نہیں جسے وہ فقط اتفاق ہے

کام آئے جو نہ قوم کے ہمت نہیں ہے وہ — قربان جو نہ قوم پہ دولت نہیں ہے وہ
بے فیض جو ہے علم فضیلت نہیں ہے وہ — جس میں نہ زور قوم ہو قوت نہیں ہے وہ

نام اپنا چاہتے ہیں جو بدنام ہیں وہی
کام آئیں جو نہ قوم کے ناکام ہیں وہی

کب تک رہینگی دیکھئے غفلت شعاریاں — کب تک رہینگی دیکھئے یہ آہ و زاریاں
کب تک رہینگی دیکھئے یوں بیقراریاں — کب تک رہینگی دیکھئے یہ دم شماریاں

کیا قوم کے جہاز کو بھر کر ڈبوئینگے

روتے ہیں آج ایک کو کل سو کو روئینگے

بیدر دبھول کر ہی سہی ایک نظر ادہر
ٹوٹی ہے بارِ غم سے تری قوم کی کمر
کیا سوجھتی سبہا کے نہیں حالت بتر
افسردہ دل شکستہ کمر سوختہ جگر

گردوں گرا ہے ہاتھ لگانیکا وقت ہی
کچھ بوجھ اُٹھ سکے تو اُٹھانیکا وقت ہی

شعلہ ترے کلام کی وسعت کہاں تلک
دکھلائیگا تو قوم کی حالت کہاں تلک
بے اعتنائیوں سے خجالت کہاں تلک
ان سرد مہریوں میں حرارت کہاں تلک

باہم اگر نفاق کا یہ ہی ظہور ہے
اک دن سبہا کا نوحہ بھی لکھنا ضرور ہے

۲

قصیدہ تہنیت جلسہ سالانہ کایستھ سبہا علی گڑھ

رباعی

جو دل میں ہے مدعا کہوں یا نہ کہوں
یہ لطف ہی دوسرا کہوں یا نہ کہوں
سپیچ کو کیا طرزِ سخن سے نسبت
یہاں نظم کا کیا مزا کہوں یا نہ کہوں

دیگر

اب اہل سخن کی خوش بیانی دیکھو
اصحاب کرم کی مہربانی دیکھو
جان دیتے ہیں قوم کی بھلائی کیلئے
ارباب سبہا کی جانفشانی دیکھو

قصیدہ

چمن میں نکہت گل کیا ہوئی ہوا یہ سوا ۔۔۔ کچھ اب کی سال تو ملتا نہیں دماغ بہار
ہجوم ہے رخ چمن کی ہے کشمکش کیا کیا ۔۔۔ صبا کو جنبش یک گام سو طرح دشوار
شمیم روح فزا نے جلائے ہیں بادل ۔۔۔ اڑائے پھرتی ہے کیا موج نکہت گلزار
سوا ہوائے چمن سے دماغ عنبر بیز ۔۔۔ چٹک سے غنچوں کی ٹوٹے ہیں شیشۂ عطار
صبا کے پانوں کی آہٹ سے چونک پڑتا ہے ۔۔۔ ہوا ہے سبزۂ خوابیدہ خود بخود بیدار
عجب نکلتی ہے ملکر ہوا کے پردوں سے ۔۔۔ صدائے روح فزائے عندلیب و موسیقار
ہوائے صحن چمن مشک بیز ہے کیا کیا ۔۔۔ شمیم دامن یوسف لٹا رہی ہے بہار
یہ اشک سرخ کی رنگت نہیں گریباں میں ۔۔۔ بہار تازہ ہوئی ہے مگر گلے کا ہار
شعاع مہر سے ہے سبزہ زار دشت و چمن ۔۔۔ عجب نہیں کہ جو ہو بنگ میں بھی مے کا خمار
لئے پھرے ہے نگاہوں کو شوق نظارہ ۔۔۔ ہوا ہے آنکھ میں نظروں کا ٹھہرنا دشوار
ہوا کے جھونکوں میں اٹھتی ہیں عطر کی لپٹیں ۔۔۔ بھرا ہے کھول کے غنچوں نے منہ میں مشک تتار
اڑا کے ابر نے گلشن میں بھینی بھینی بو ۔۔۔ برس رہی ہے گل تر پہ ننھی ننھی پھوار
مچل نہ جائے کہیں دیکھ کر پھبن چمن ۔۔۔ اٹھائے گود میں غنچہ کو ہے عروس بہار
شگفتگی سے گئے ہیں دن چارۂ رفو معلوم ۔۔۔ الجھ رہا ہے رگ گل سے زخم دامندار
نسیم کھول رہی ہے ورق ورق گل کا ۔۔۔ نمو کو ہو گئیں غنچہ کی بندشیں دشوار
ہوائے سرو چمن سے زبان بیٹھ گئی ۔۔۔ کہ بلبلوں نے پروں میں چھپائیں ہیں منقار
زمانہ مہر و محبت کا ہے وفا کے دن ۔۔۔ یہ وقت وہ ہے کہ بت بھی جفا سے ہیں بیزار

تھمی ہے گردش افلاک دم غنیمت ہے
زمانہ پلٹا ہے بدلے ہوئے ہیں لیل و نہار
پڑھوں وہ مطلع ثانی سرور بڑھ جائے
ابھی تو دیر ہے آئیگا اس نشہ کا خمار

مطلع

کہیں نکلتے ہیں یوں چھالے آبلہ کے خار
کریگا ناخن تدبیر پاؤں کو بھی فگار
جما تھا کوئی تمنا میں جوں نشان قدم
مٹا دئے مری جنبش نے میرے نقش و نگار
ہوا ہے خاک نگہ تخم آرزو جلکر
کہ لایا چاہتی ہے شاخ نخل حسرت بار
جہاں کی حسرتیں اور تنگی دل پر داغ
ذرا سا صحن چمن اور یہ وسعت گلزار
اٹھا یہ صفحۂ دنیا سے نام ہمدردی
اگر ہے سینہ میں دل کو قلق کو جاں کو قرار
ہوئی نفاق سے معدوم صورت اقبال
دبا رہا ہے تہ خاک قوم کا ادبار
یہ بیخودی ہے تو کس کام کی خود آرائی
فنائے آئینہ کے بعد ہے جلا بیکار
مٹا دیا ہے کدورت نے اعتبار نفس
دکھائی دیتا ہے آئینہ ہوا میں غبار
کچھ ایسے سوئے کہ ہے جاگنا قسم ہمکو
حصول کار کیا غفلتوں نے کیا بیکار
نہ اہل علم نہ اہل ہنر نہ اہل کمال
زمانہ پر سر پرخاش چرخ ناہنجار
جنوں کے جوش میں کیا ہاتھ پاؤں پھیلائیں
لگے کفن کو جو باقی رہا ہو جیب میں تار
الٰہی دے وہ فزا شور کا جراحت میں
دہان زخم کو چوسا کرے لب سوفار
ہمارا درد جگر ہمنشیں و ہم پہلو
ہماری حسرت جانسوز ہمدم و غمخوار
جو ایک زخم کو دیکھو تو سو جراحت دل
جو ایک داغ کو پوچھو تو میں دکھاؤں ہزار
کروڑ حسرت مردہ اور اتنی دل تنگی
ہزاروں لاش پہ لے دفن اور ذرا سا مزار
ہمارے سخت جگر کاوش جگر کا سبب
ہمارے قوت بازو وفا سے خود بیزار

ہماری آنکھ کے تارے غبارِ نظر و نہیں
ہمارے ناز کے پالے ذلیل و خستہ و خوار

ہمارے ہاتھوں کے کھیلے جہاں میں ہیں پامال
ہمارے پانوں کے سلے ہوئے سروں پہ سوار

تجھے تمیز نہیں پستی و بلندی کی
ترا بُرا ہو کہیں ہائے چرخِ ناہموار

جواب نہ تازہ ہوئی پھر شگفتگی کیسی
گُلِ خزاں زدہ کو کیا کھلائے اگلی بہار

گئے ہیں ناخنِ تدبیر نے وہ عقدۂ حل
رہا نہ زلف کو دل کے پھنسانے سروکار

ہوئے ترا وشِ رحمت سے مردہ دل زندہ
دمِ مسیح کا دم بھر رہی ہے خاکِ مزار

ہماری بات سے پڑتی ہے جانِ مضمون میں
ہمارے خامہ کی جنبش ہے نبض کی رفتار

علم ہمارا نویدِ ظفر بوقتِ ستیز
قلم ہمارا کلیدِ خزانۂ اسرار

ہر اک حرف پہ کرتا ہے انجم افشانی
دبیرِ چرخ ہمارا پڑا اتا باجگزار

مگر نشہ میں نہ سمجھے ذرا نشیب و فراز
یہ دردِ سر کا سبب ہے چڑھی ہوئی کا اتار

رہِ ثواب میں ترکِ شراب بھی ہے کفر
کہ زیرِ سایۂ رحمت ہمیشہ ہے مے خوار

مگر نہ ایسی کہ آئے زبان میں لغزش
نہ اس طرح کہ اُلجھ جائے پانوں میں دستار

سہی گناہ مگر حرام تو نہیں کوئی
شراب خوار سے بدتر کہیں ہیں رشوت خوار

نکل چلا جو خلافِ طریقِ پیش نہاد
عنانِ اشہبِ خامہ کی موڑلی ناچار

یہ وہ جگہ ہے کہ مضمون لڑکھڑاتا ہے
سبھا ہے محتسب بادہ اور ہیں بادہ گسار

دکھاؤں جلسۂ سالانہ کی مبارکباد
وہ زور شور کا مطلع سناؤں ہوشیار

مطلعِ ثالث

مزا ہے جبکہ لئے کھل کے دولتِ دیدار
صبا کہے کہ عروسِ چمن نقاب اُتار

نگاہ اہلِ بصیرت کا وہ ہجوم ہے آج
ڈھکے ہیں سایۂ مژگاں سے در و دیوار

یہ اتفاق سے ٹھنڈا ہر ایک کا دل ہے
تفاق گرمیِ صحبت نے کر دیا فی النار

یہ آفتابِ محبت ہے روشنی افزا
کہ عاشقوں کی شبِ ہجر بھی نہیں شبِ تار

ہوئی ہے کس کے سرِ بام جلوہ افروزی
نہیں کسی کو تجلیٔ طور میں تکرار

سبھا کے جلسہ میں ہے آج ممبروں کا ہجوم
فلک نے خواں میں انجم بھرے ہیں بہرِ نثار

گوندے ہے وہ پھول کہ ہر رنگ میں ہے محراب
اگر بند ہے تو نیا قافیہ ہے بند ہزار

انھیں کے دم کے بدولت ہے آج جلسہ یہ
نہ کیوں ہوں قابلِ تحسین سبھا کے کارگزار

لگاؤ ہاتھ اگر ہاتھ میں ہے کچھ جنبش
کہ آئے کشتیٔ طوفاں رسیدہ سوئے کنار

تمہاری چشمِ عنایت پہ منحصر امید
تمہارے دستِ کرم پر ترقیوں کا مدار

ہے اتفاق کے باعث ہی خلق کی تولید
ہے اتحادِ عناصر پہ زندگی کا مدار

خدا کے واسطے اٹھو کہاں تلک نیندیں
خدا کے واسطے چھوڑو تغافلانہ شعار

زمانہ لیتا ہے کروٹ ابھی بدلتے ہیں
تمہاری چشم زدن میں ہمارے لیل و نہار

ہمارا طرزِ طلب موجِ بحرِ رحمت ہے
ہمارا پرچہ ہے تاکید ابر گوہر بار

خوشی کی بخشش و جود و سخا میں ہے کیا زور
نہیں ہے قرض کسی پر نہیں کسی پہ اُدھار

وہ لیں گے کیا جو ترقی کہیں تنزل کو
وہ دیں گے کیا جنھیں آتا بھی ہے سبھا میں عار

یہ دنیا وہ ہے کہ لیتے رہو قیامت تک
یہ سودا وہ ہے کہ ایک ایک کے ہزار ہزار

وہ سرپرستِ سبھا اور وہ پریزیڈنٹ
بلند حوصلہ عالی خیال عرش وقار

رفیقِ قوم خلیقِ جہاں شفیقِ سبھا
ذکی و منشی فاضل فہیم و نیک شعار

مجھے پسند خوشامد نہیں ہے لایعنی
زیادہ گوئی سے کرتی ہے طبع اب انکار

دلاؤں پھر بھی ذرا جوش قوم کو حرکت
ضرور ہے کہ مخاطب ہوں جانبِ حضار

اٹھو اٹھو کہ گرا ہے پہاڑ گردن پر — چلو چلو کہ سروں پر سوار ہے ادبار
تمہارے ہاتھ کی جنبش ہو موج بحر کرم — ذرا قلم کو اٹھاؤ ابھی ہے بیڑا پار
فلک کی سیر کہاں تک تلاش مضموں میں — زمیں وہ پکڑی ہے مینے کہ قافیے ہیں ہزار
ابھی سناتے ہیں دو چار بند اور مجھے — ابھی دکھاتی ہے کچھ اور اپنی حالت زار
ادا ہو شکریہ اے شعلہ میر مجلس کا — کہ سامعین نے جی بھر کے سن لئے اشعار
تمام سال میں نوروز ایک ہوتا ہے — سہا کے جلسوں میں نوروز یاں ہے ہفتہ وار
الٰہی قائم و دائم رہے سہا کا جلوس — شمار کرتے رہیں یوں ہی تا بروز شمار

آمین

ترجیع بند

نہ اٹھیں حشر تلک یہ وہ ہیں سونیوالے — چونک اب بھی کہیں بیدار ہو سونیوالے
چھانتے خاک ہیں موتی کے پرونیوالے — بے نشاں کیوں نہوئے نام ڈبونیوالے

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونیوالے
کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملینگے ترے رونیوالے

ہائے عبرت ہو شب و روز پریشانی ہے — آئینہ کی طرح ہر چہرہ پہ حیرانی ہے
غیر کیا اپنے کئے کی یہ پشیمانی ہے — عین غفلت ہو سراسر تری نادانی ہے

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونیوالے
کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملینگے ترے رونیوالے

بے خبر تجکو زمانہ کی خبر کچھ بھی نہیں — دیکھ سینہ میں بجز خون جگر کچھ بھی نہیں

گھر میں دولت نہیں یا تو نہیں ہنر کچھ بھی نہیں
رو مگر رشتے ہیں بیہودہ اثر کچھ بھی نہیں

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونیوالے
کہیں ڈھونڈھو نہ ملینگے ترے رونیوالے

اپنے ہاتھوں سے لٹا ڈالی ہے دولت تونے
قوم کی بھول کے بھی کی نہ محبت تونے
اپنے ہاتھوں ہی سے لی سر پہ مصیبت تونے
کیسی افسوس بری دیکھی ہے حالت تونے

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے سونیوالے
کہیں ڈھونڈھو نہ ملینگے ترے رونیوالے

تو بھلا قوم کے بد دل میں بھلائی تو نہیں
نور ہے دل میں مگر جلوہ فزائی تو نہیں
تو برا ہے ترے نصیبوں کی برائی تو نہیں
ہاتھ چلتے ہیں مگر ان میں رسائی تو نہیں

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے سونیوالے
کہیں ڈھونڈھو نہ ملینگے ترے رونیوالے

کونسا سینہ میں غم ہے جو دم سرد نہیں
سست ہمت ہے اگر اب بھی جوانمرد نہیں
درد ہے دل میں مگر قوم کا ہمدرد نہیں
کارواں دور گیا دیکھ کہیں گرد نہیں

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے سونیوالے
کہیں ڈھونڈھو نہ ملینگے ترے رونیوالے

تو بھی ناکام ہے گر قوم سے کچھ کام نہیں
اس تغافل کا تو اچھا کبھی انجام نہیں
تو بھی بےچین ہے گر قوم کو آرام نہیں
دن بہت چڑھ گیا اب خواب کا ہنگام نہیں

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے سونیوالے
کہیں ڈھونڈھو نہ ملینگے ترے رونیوالے

اے پسر لختِ جگر سے تو کبھی شاد نہو
کونسا دم ہے ترا جس میں کہ فریاد نہو
ناخلفت سے تو بہتر ہے کہ اولاد نہو
دیکھ تو اپنے ہی ہاتھوں کہیں برباد نہو

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونے والے
کہیں ڈھونڈھے نہ ملینگے ترے رونے والے

جا اب وقت توجہ نہیں اک دم تجھکو
وہ مو خبر ہے جو کرنا تھا مقدم تجھکو
عمر کھینچے لئے جاتی ہے ومادم تجھکو
دیکھ پچھتائیگا کھا جائیگا یہ غم تجھکو

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونے والے
کہیں ڈھونڈھے نہ ملینگے ترے رونے والے

دیکھنا جا ابھی ہوتا ہے تماشا کیا کیا
عمر رفتہ پہ کبھی آئیگا رونا کیا کیا
تری غفلت نے تجھے دکھلا بکی پردا کیا کیا
آج باقی یہ ہی حسرت ہے کہ کل تھا کیا کیا

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونے والے
کہیں ڈھونڈھے نہ ملینگے ترے رونے والے

رات دن صحبت اصحاب میں مے نوشی کی
انتہا بھی کہیں کمبخت فراموشی کی
اب دلِ گور کو حسرت ہے ہم آغوشی کی
شعلہ آخر کوئی حد بھی تری بیہوشی کی

اب بھی ہشیار ہو اے وقت کے کھونے والے
کہیں ڈھونڈھے نہ ملینگے ترے رونے والے

ایڈریس نظم

تہنیت خیر مقدم منشی لکشمین نارائن ورما بیرسٹر ایٹ لا

ایل ایل ڈی کایستھ کل بھوشن

جلسہ علی گڑھ ۱۴ اپریل ۱۸۸۸ء لائل لائبریری

قطعہ

ایک وہ روز تھا کہتے تھے
سفر رفتنت مبارک باد
آج وہ دن ہے پھر ملے تجھ سے
اے چہ خوش آمدی مبارک باد

اسی جلسہ کے سب تماشائی
بسلامت روی و باز آئی
تیرے مشتاق تیرے شیدائی
کامیابی و جلوہ افزائی

رباعی

جدا جو لخت جگر ہو کے خانماں سے ملا
ملا ہے آکے عزیزانِ قوم سے یوں تو

بدن سے روح ملی اور جسم جاں سے ملا
بچھڑ کے جیسے کہ یوسف تھا کارواں سے ملا

قصیدہ

کیا خوشی قوم کی ہو رحمتِ باری کی دلیل — آج پھر ساقیِ کوثر نے لگائی ہے سبیل
کچھ عجب زور پہ ہے ابر و ہوا کا عالم — کہ کھنچی جاتی ہیں خود عرش بریں کی قندیل
آج بھی بچتی نظر آتی نہیں میخواروں سے — کہ نہیں زاہد سالوس کی بھی توبہ کا کفیل
تشنہ میں ہو گئے فرشتوں نے اچھالا کیا — چرخ کے سر پہ بندھا ہے جو سبو انڈیل
میکشو کچھ بھی نہیں آج گنا ہوگی سزا — یعنی دربار خدا میں ہو خوشی کی تعطیل
آج وہ دن ہے کہ ہے عیش و طرب کی توقیر — آج وہ دن ہے کہ ہو رنج و الم کی تقلیل
نہ ملی جوش نمو سے جو خیاباں خالی — داب لی سبزۂ نوخیز نے گلشن کی فصیل
صحن گلشن میں ہوا سے کبھی لے تکلم نہیں — روح بلبل کی نہ ہو جائے بدن میں تحلیل
محتسب پیر ہیں عجب پیر مغاں کے احکام — نہ نظر آتی ہے جن کی کہیں جھگڑا اپیل
اب دکھاتا ہوں تمہیں قوم کا نیرنگ بہا — اب سنے دیتا ہوں اس رنگ پہ آئی تبدیل
بے ثباتی چمن دہر کی کیا پوچھتے ہو — غنچہ چٹکے تو سمجھ لو کہ بجا کوس رحیل
قوم کی تیزیِ رفتار سے کتنی وہمی — جس طرح چلتی ہو دبے سے کوئی انفِ علیل
لشکر روح نہ گھبرا کے نکل جائے کہیں — چار دیوار عناصر کی شکستہ ہے فصیل
آگ وہ سینے میں دہکی کہ بجھائے نہ بجھی — آنچ وہ دل میں لگی ہے کہ ہوا جاتا ہے کھیل
آسماں سینہ سپہ ہم سے بھرا ہی اس رنگ — جس طرح سے کہ بگڑ جائے کسی کا خم نیل
یاں وہ ہی بند کہ محشر میں بھی اٹھنا کیسا — کان میں صور کو پھونکا ہی کریں اسرافیل
قوم دسنے کو ملے رتبۂ عالی ہم سے — چھین لے جیسے کسی صید کو شہباز ہے چیل

کجروی طینت حاسد کا ہے اصلی اصول
سیدھا چلتا نہیں جس طرح سے شطرنج کا فیل

دشمن قوم نہ کیوں ناخن تدبیر گھسیں
ٹھونکدی قادر مطلق نے ہے تقدیر میں کیل

کیوں نہ بدخواہ سبک مایہ کی ہستی ہو دراز
کاغذ بادی کو اڑنے کے لئے ملتی ہے ڈھیل

چھونیہ اہل سخاوت کا فلک منظر ہے
خانۂ بوم سے گو کیسا ہی ہو قصر بخیل

شیوۂ مدحت قومی ہے شرافت کا اصول
یوں برا کہنے کو کہنے دو کہے کوئی رذیل

سمجھ کیونکر نہ ہو پھر جوہر ذاتی اپنا
دوہری ہوتی ہے اشارے سے جو ہو تیغ اصیل

مفلسی نعمت دنیا پہ لگاتے ٹھوکر
کاسۂ فقر و گدائی ہے یہاں خوان خلیل

دینے والوں کو سدا دیتا ہے دینے والا
لینے والا ہے جو اوروں سے وہ کیا دے بخیل

خاک میں لوٹتے پھرتے رہیں بدخواہ مدام
ڈوب مرنے کو نہ دریا ہو نہ تالاب نہ جھیل

مختصر مختصر اے فکر معانی آرا
قوم کی حالت پر درد کا قصہ ہے طویل

آسماں راہ پہ لاتا نہیں گمراہوں کو
چرخ کج باز ہر اک کام میں ہوتا ہے دخیل

دولت علم کے مالک ہیں تو مانگیں کس سے
یہ امانت ہے ہماری وہ ہماری تحویل

وہ سخنور ہوں سخن کی جو ستائش چاہوں
چیر کر گور نکل آئے ابھی روح قتیل

ماہ ہر رات کو خورشید اٹھاتا ہے دن کو
توسن طبع رواں دیکھئے کتنا ہے شکیل

میرے اشعار سے ہے بزم سخن کو رونق
رونق حسن کمالات کو مجھ سے تکمیل

حسن کو مجھ سے نمک عشق کو مجھ سے سوزش
فضل کو مجھ سے شرف علم کو مجھ سے تفضیل

حافظہ میں مرے ہر سورۂ قرآں ازبر
جائزے میں مرے توریت و زبور و انجیل

میری تفصیل کی میزان کا ہونا ہے محال
میرے اجمال کو پیدا نہیں ہوتی تفصیل

میرے لفظوں کی گرانباری ہے کوہ تمکین
میرے خامہ کی کشش ہے پر جبریل ثقیل

طبع عالی کو جو آتا ہے وہم فکر عرق — پنکھا جھلنے کے لئے ہلتے ہیں بال جبریل
عالمانہ میرا ایڈریس ہے بلاغت کی نظیر — فاضلانہ ہے مری نظم فضیلت کی دلیل
شاعرانہ یہ تعلّی ہے وگرنہ شعلہ — آپ ہی جانتا ہوں جیسی طبیعت ہے ذلیل
نہ عروضی ہوں نہوں واقف ارکان سخن — فاعلاتن نہ مجھے یاد نہ باب تفعیل
منتخب کر کے کسے پھر ستائش لاؤں — کیا لکھوں بات کہ ہے قوم کا دفتر زنبیل
ہیچ سازی نہیں ارباب سخن کا شیوہ — تیری مدحت ہے فقط قوم کی الفت کی دلیل
قوم کو ناز ہے تجھ پر تو تجھے قوم پہ ناز — قوم بے مثل ہے تو قوم میں بے مثل و عدیل
بات بن بن کے بگڑتی جو تساہل ہوتا — دیر ہر کام میں ہوتی جو نہ کرتا تعجیل
جو جدا ہو نہیں سکتا تھا کبھی آنکھوں سے — وہ نگاہوں کی طرح دور گیا لاکھوں میل
ملک ناجنس نہیں مانع تحصیل علوم — پائے ہمت کے لئے روک نہیں قلزم و نیل
کوئی کہتا ہے کہ آجاتا ہے عادات میں فرق — کوئی کہتا ہے کہ ہو جاتی ہے حالت تبدیل
مانع علم ترقی ہیں یہ دونوں آواز — اک تنزل کی تو اک پستیٔ ہمت کی دلیل
ہند والوں کو ولایت میں لگاوٹ کیسی — نہ ملاحت کسی رخ میں نہ کوئی چشم کحیل
رنگ ہی رنگ ہے آراستگی حسن کہاں — نہ کسی ہاتھ میں چھلا نہ کسی ناک میں کیل
خوش عقیدت کا تری تیرا طریقہ ضامن — خوش طریقہ کی ترے خود ہے تری قوم کفیل
نام نامی جو ترا لکشمی نرائن ہے — نام سے تیرے عیاں ہے تری دولت کی دلیل
سن اٹھارہ سو چھیاسی (سنہ ۱۸۸۶) کی جو تھی تیسری مارچ — تیری رخصت تھی علی گڑھ سے بعزم تحصیل
آج ہے چودھویں اپریل اٹھاسی سن (سنہ ۱۸۸۸) کی — کہ نہیں مدت سہ سالہ کی پوری تکمیل
دو برس ایک مہینہ ہوا اور گیارہ دن — اس میں ایام مسافت کی بھی سمجھو ہے تفصیل

نوجواں اور اک آیا تھا جو تجھ سے پہلے
کامیابی کی تری اُس سے ہی روشن تھی دلیل

ایک نے راستہ کھولا تو کیا ایک نے صاف
عقدہ حل اُس سے ہوا تجھ سے ہوئی ہے تسہیل

نہ مقابل ترا کوئی نہ مقابل اُس کا
آپ وہ اپنی نظیر آپ تو اپنی تمثیل

قوم کے واسطے لائے ہیں مگر آبِ حیات
دعویٔ خضر کی توڑی ہے دلیروں نے دلیل

پاس بیرسٹری اور سیر ولایت دونوں
رہبری قوم کی تھی علم کی اعلیٰ تحصیل

روک سکتا نہیں جرأت کو رہ دور و دراز
توڑ سکتے نہیں ہمت کو کبھی قلزم و نیل

آرزو نقش نہیں ہے جو مٹائے مٹ جائے
دل کوئی حرف غلط تو نہیں جو ڈالے چھیل

خیر مقدم ہے ترا قوم کو اسباب نشاط
کامیابی ہے تری قوم کی عزت کی کفیل

نور آگیں ہیں تری قوم کی دل کی مانند
یہ جو روشن نظر آتے ہیں گلاس و قندیل

ہار مقیش کا گردن میں ہے قومی تمغہ
سایۂ دست خدا ہے ترے سر پر اکلیل

فوٹو جلسے کا نہیں ہم نے لیا ہے اس سے
کہ نہ ہو جائے ترے جشن کی پیدا تمثیل

تیرے اقبال کے ساعی ہوں تری قوم کے لوگ
تیرے اجلال کا حامی ہو سدا ربِّ جلیل

آج پھر جشن مبارک ہیں ہوا مدح سرا
شعلۂ خستہ جگر شاعرِ نامی و وکیل

جو برا تجھکو کہے ردِّ خلائق ہے وہ
جو برا تجھکو کہے اُس سے زیادہ ہے ذلیل

ہم کو تو تجھکو ترا جشن مبارک ہووے
اے جواں بخت جواں طالع خردمند و عقیل

سبھا کا محلہ جینگنج میں قومی جلسہ

بزرگانِ قوم آج جلسہ یہ کیا ہے ۔۔۔ رفیقانِ قوم آج کیا ماجرا ہے
محبانِ قوم آج کیسی سبھا ہے ۔۔۔ عزیزانِ قوم آج کیا التجا ہے
خزاں کے جو صدمے تھے بھولے ہیں کیسے
نہالانِ قوم آج پھولے ہیں کیسے

دوبارہ بہار آئی قومی چمن میں ۔۔۔ بڑھا جوشِ خوں بھا ہوئی بدن میں
اثر جس نے بخشا ہے میرے سخن میں ۔۔۔ ترقی وہی دیگا اس انجمن میں
سبھا آپ کے دم سے قائم رہے گی
بہار آئے گی وہ جو دائم رہے گی

سبھا سن بیاسی سے ہرچند یہاں تھی ۔۔۔ بہت جوش تھے قوم گو ناتواں تھی
گذشتہ جو کوشش تھی سب رائیگاں تھی ۔۔۔ نہ قالب تھا باقی نہ قالب میں جاں تھی
گماں تھا کہ مردہ سی کچھ ہو رہی ہے
سبھی جانتے تھے سبھا سو رہی ہے

سبھا کی جو حالت کو ٹھنڈا سا پایا ۔۔۔ جو تھا دستگیر اس نے ہی ہاتھ اٹھایا
نہ باقی رہا سر پرستوں کا سایا ۔۔۔ غضب غفلتوں نے مرض کو بڑھایا
جو دم بھرتے تھے رہ گئے سانس بھر کے
جو حامی تھے سب چل دیے صبر کر کے

نہ ہمدرد کوئی بھی آیا سرہانے ۔۔۔ کئی بار گو نبض آئی ٹھکانے

اثر جب نہ بخشا ہماری دوا نے | جوانانِ قومی کو بھیجا خدا نے

ٹٹولا تو گرمی سی پائی بدن میں
تھی لپٹی پڑی کاغذوں کے کفن میں

بڑی کوششوں سے اٹھا کر بٹھایا | مرض سارا اپنے ہی غفلت کا پایا
جو چہرہ تھا بگڑا ہوا رنگ لایا | بڑی حسرتوں سے یہ فقرہ سنایا

نہ دیکھے کسی نے دم سرد میرے
کہاں ہیں کہاں ہیں وہ ہمدرد میرے

کہاں میر مجلس کہاں پریزیڈنٹ ہے | کہاں سکریٹری ہے کہاں انجمن ہے
کہاں ممبرانِ سبھا کا چمن ہے | کہاں میرا مداح شاہِ سخن ہے

اٹھا قوم کے سر سے کیوں سایہ میرا
کہاں ہے وہ تھا جس پہ سرمایہ میرا

مبارک کہ بدلی تو کروٹ سبھا نے | امیدیں اٹھیں اپنی صورت دکھانے
لگی نوجوانوں کی محنت ٹھکانے | بڑھائی ہے بوڑھوں کی ہمت خدا نے

یہی ہے اگر جوش قومی دلوں میں
بڑھینگے ہم اصلاح کی منزلوں میں

محبانِ قوم آج حاضر سبھا ہے | وہ سب جانتے ہیں جو کچھ التجا ہے
ہمیں آپ کی ذات کا آسرا ہے | بزرگان جیسے اب حکم کیا ہے

ہر ایک کارنامے ہوں نامی ہمارے
اگر آپ ہو جائیں حامی ہمارے

نفاقوں کے صدمے جو کچھ سہہ چکے ہیں
بلاؤں کے گرداب میں رہ چکے ہیں
معزز میرے دوست سب کہہ چکے ہیں
ہم اب ڈوبتے ہیں بہت بہہ چکے ہیں

جو بھائی ہیں سارے اسی پیچ میں ہیں
جو گیارہ کے گیارہ شش و پنج میں ہیں

گری قوم کی کچھ ضرورت تو دیکھو
ہیں کیا پیاری پیاری یہ صورت تو دیکھو
اور اپنے جوانوں کی صورت تو دیکھو
برستی ہے سب پر کدورت تو دیکھو

یہ لخت جگر ہائے چننے کے قابل
یہ گوہر ہیں مٹی میں ملنے کے قابل

صد افسوس کیا پھول مرجھا رہے ہیں
پرانی بہاروں کو ترسا رہے ہیں
جو کھلنے کو نکلے تھے کملا رہے ہیں
عجب مفلسی کے مزے آ رہے ہیں

بگاڑا زمانہ نے ہر رنگ ہمکو
کہ ہے نام کایستھ سے ننگ ہمکو

پرانی ہے پیٹ توڑنا اتفاقی
فقط دیکھنے کی ہے یہ طمطراقی
نہیں جس نے چھوڑا ہی کچھ ہم میں باقی
کہاں کی ہے مئے ناب اور کس کا ساقی

یہ کیا بات ہے جام و صہبا پلٹ دیں
اگر بس چلے ہنس تو دنیا پلٹ دیں

شرابوں کے وہ شوق افسوس ہم پر
وہ فوق البھڑک شوق افسوس ہم پر
کبابوں کے وہ ذوق افسوس ہم پر
گلے میں ہے اب طوق افسوس ہم پر

یہ کیا دختر رز کی حرمت نکالی

مکانوں کو بکوائے جام سفالی

برائی کی جڑ ہے یہ کل مے پرستی
دکھائی بلندی سے اس نے ہی پستی
بری ہے بری ہے گراں ہو کہ سستی
گھٹے حوصلے بڑھ گئی تنگدستی

تھرکنے لگے بھر کے ہولی کی لے میں
مزا آگیا کھٹے پانی کی قے میں

ہمیں آپ اپنے سے آتی ہے نفرت
بگاڑی ہے افلاس نے کیسی صورت
لٹائی بزرگوں کی محفوظ دولت
ہمارے گھروں پر برستی ہے عبرت

حویلی خمیدہ کمر دیکھتی ہے
جو دولت سرا تھی کھنڈر دیکھتی ہے

یہ کہنے کی ہے بات قسمت ہے سوتی
جو تھی خوش جمال اُن کی صورت ہے روتی
بگڑتے نہ بنکر جو اصلاح ہوتی
نہ بچوں کو ٹوپی نہ بوڑھوں کو دھوتی

پھٹا چار خانہ کا کرتہ ہے بر میں
اگر ہے تو گروی ہیں انگوٹھے گھر میں

صد افسوس چھوٹی سی ہے یہ برائی
ہزاروں ہیں ایسی برائی بھلائی
و راس پہ ہے تہذیب سے ہاتھا پائی
نہ اصلاح ہوگی نہ ہوگی صفائی

انہیں غفلتوں میں مگر جان دیکے
کسی روز ڈوبیں گے ہم سب کو لیکے

جوانانِ قوم اٹھو میداں میں آؤ
کمر باندھ لو اپنی جرأت دکھاؤ
جو سوئے پڑے ہیں انہیں بھی جگاؤ
اگر جوش خوں ہے تو خوں میں نہاؤ

ترقی کی رفتار گھٹنے نہ پائے
قدم جو بڑھے ہے پھر وہ ہٹنے نہ پائے

اگر قوم کا خون کچھ جوش زن ہے — ہرا سرخ پانی سے قومی چمن ہے
تصدق ہے قرباں دل وجان و تن ہے — یہ میداں ہے اور یہ میداں کا رن ہے

چڑھیں جو نظر میں اترتے نہیں ہیں
مریں قوم پر جو وہ مرتے نہیں ہیں

بہت سے چکا وقت مضموں ادھورا — مگر کر چکا اپنی ڈیوٹی کو پورا
مجھے بادہ نوشوں نے کیا نہ گھورا — ملانا ہے باقی ابھی تو دستورا

ڈبویا ہے جیسا ہمیں قہر کرکے
چکھا دونگا اک دن اسے زہر کرکے

اب اے اہل جلسہ معافی معافی — نہیں غفلتوں کی ہماری تلافی
کریں گے پسند اس کو دلہائے صافی — نکالیں گے مے نوش کیا جانے کیا فی

یہ مضموں بھدا سا ہے اور کیا ہے
بس اب شکریہ شکریہ شکریہ ہے

جلسہ دوم علی گڑھ

رحمت بصفات ساقی خلد — جس نے ہمیں بادہ کش بنایا
صد شکر بصانع مے ناب — نعمت کا عجب مزا چکھایا

احسان ہیں پیر مغ کے کیا کیا
جس نے سر خم ہمیں بٹھایا

تنبیہ عقل ہے نشہ اس کا
اس دیو میں ہے پری کا سایا

خالی ہے قبول عجز کس کا
شیشہ نے ہزار سر جھکایا

کیا نشہ میں پند گو کی باتیں
واعظ کو جو سامنے بٹھایا

کھنچتے ہیں محبت مے ناب
خالی ہوا جام دل بھر آیا

جبریل اس نے ہاتھ پکڑا
جب مست کا پاؤں لڑکھڑایا

ہے آب حیات کی حلاوت
کیا زیست کا لطف ہاتھ آیا

قلقل کی صدائے مثل قم قم
اعجاز مسیح کو دکھایا

بے وجہ روی نہیں ہے حالت
اس خانہ خراب نے مٹایا

بدنام شراب کس لئے ہے
مے نوشی پہ کیوں زوال آیا

اک چلو میں تہ سے پاؤں اکھڑے
کم ظرفوں نے نام کو ڈبویا

نشہ میں ٹکے زمین پر ہاتھ
انساں سے بنا ہے چارپایا

رکتی ہی نہیں زباں دہن میں
دیوانہ کو کس نے کاٹ کھایا

اکھڑے جو قدم تو پاؤں سر پر
سر اتنا جھکا قدم پہ آیا

بے وجہ زباں پہ ہائے ہوہے
بے ساختہ شور و غل مچایا

تن کی نہ خبر نہ کچھ بدن کی
مردہ کی طرح زمیں پہ آیا

نہ ہوش جو اس کا ٹھکانا
بے عقل نے عقل کو گنوایا

وہ کہہ دیا جو نشہ میں سوجھا
وہ بک دیا جو زباں پہ آیا

کوچہ کوچہ گلی گلی ہیں
بدمست نے آپ کو پھرایا

جامے کی خبر نہ پیرہن کی — سینہ نہ پھٹا ہوا سلایا
کیا خاک ملا اڑانے سے خاک — دولت کو جو خاک میں ملایا
دستار ہمیشہ رہن مے کی — اس پر بھی سدا اُدھار کھایا
ہے آب دہن رواں دہن سے — مے پینے میں کیا مزا اُٹھایا
گرمی سے نشہ کی سرخ آنکھیں — بک بک کے زبان کو تھکایا
بازار میں غل کا ہے تماشا — لیجو لیجو شرابی آیا
کس نے انہیں مے کشی سکھائی — کس نے اُنہیں بادہ کش بنایا
گالی لب پر عوض دعا کے — مدت کا غبار باہر آیا
لاحول ہے ایسی بادہ نوشی — طوق لعنت ہمیں پنھایا
دُہت تیری شراب ایسی تیسی — کیوں خون جگر ہمیں پلایا
کمبخت ہوئی اُسی قدر تیز — جتنا کہ زمین میں دبایا
دنیا کا ہے فکر اور نہ دیں کا — کیا عمر کو رائیگاں گنوایا
کھلتے ہیں نشہ میں داغ دل کے — کیوں ہبہ شراب میں لگایا
افسوس افسوس ہائے افسوس — اب بھی تو سمجھ میں کچھ نہ آیا
پامال کرے گی یہ کسی دن — گر نشہ نے اس سے سر اُٹھایا
یک جو بڑا اثر کہ پدر تھا — جو مردوں میں اُسے بھی جا پھنسایا
ہو جائیں گے ایک روز دو تین — کھو جائے گا سب بچا بچایا
احسان ہیں اُس کے خاص جتنے — اس رسم کو عام سے اٹھایا
ہیں توبہ شکن وہ سو ولیکن — ایک روز نہ عہد کو نبھایا

اے گریہ بحالِ خویش واری — کیوں سارے زمانہ کو ہنسایا
شعلہ اب ہو چکی شکایت — مضموں پہ یہی بس ہاتھ آیا
ہم اور شراب کی بُرائی — کیا کلمۂ کفر لب پہ آیا
اے عالتِ زارِ قوم صد حیف — تو نے کیا کیا ہمیں سنایا
اس نشہ میں تھا سرورِ جاوید — اس نے ہی خدا سے تھا ملایا
مقبول ہوئی نمازِ کعبہ — جب شیشہ کو طاق سے اُٹھایا
مے پینا گناہ سب غلط تھا — اس نے ہی گناہ سے بچایا
ہیں اور بھی قوم میں بہت نقص — اُن کو اب تک نہیں جتایا
سب سے پہلے نفاق کا عیب — جس نے ہمیں خاک میں ملایا
اس درد کی کچھ دوا نہیں ہے — ہمدردی کے نام کو مٹایا
تعلیم سے دور دور کوسوں — تہذیب سے بھاگتا ہے سایا
یہاں پڑھنے کو حرف تک نہ اُٹھا — یہاں لکھنے کو نام تک نہ آیا
ان پست خیالیوں نے کھویا — ہمت نے زمین پر گرایا
درماں سے ہوئی زیادہ کاوش — صندل نے ہی دردِ سر بڑھایا
تدبیر نہ کوئی کام آئی — اور آگ لگی جہاں بجھائی
اے چرخِ کمینہ ساز ہیہات — کس ضعف پہ زور آزمایا
صد شکر کہ اب زمانہ پلٹا — صد شکر کہ سوتوں کو جگایا
تھا قالبِ قوم گویا مردہ — اس نبض میں دم کہیں نہ پایا
دیکھی نہ کبھی دوائی صورت — کس یاس سے دم لبوں پہ آیا

جز درد نہ چارہ ساز کوئی
جز رنج زمانہ تھا پرایا

حسرت سے نگاہ چار سو تھی
رونے والا کوئی نہ پایا

روتی رہی سر پہ بیکسی ایک
کمبخت کو بے کفن اُٹھایا

پہونچا ہی دیا تھا گور کے پاس
ہے شکر کہ دم پلٹ کے آیا

مردہ میں دوبارہ جان آئی
کیا مژدۂ جاں فزا سُنایا

شاباش سبھا کی گرم صحبت
کیا تخم نفاق کو جلایا

مردہ کو کیا ہے دم میں زندہ
عیسےٰ کا سا معجزہ دکھایا

محروم کو ہے امید کی آس
مایوس کا آسرا بندھایا

یہ جلسہ اُنھی کے فیض سے ہے
یہ باغ اسی چمن کا سایا

ہر سرو یہاں خدا رسیدہ
ہر شاخ کو سجدہ میں جھکایا

ہر غنچہ خموش فکر حق میں
ہر بلبل باغ چہچہایا

شبنم کو کشش نہیں ہوئی پھر
کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا

گل چیتنوں کی دست بُریوں پر
ہر پھول چمن کا کھل کھلایا

نکہت پہ کسی نے جان دی ہے
سنبل میں کسی نے دل پھنسایا

شمشاد ہے اپنے فن کا اُستاد
قمری کو نیا سبق پڑھایا

اس باغ کی وہ زمیں ہے جس کو
خود عرش بریں نے سر چڑھایا

ہو دوج کو جلسۂ ملاقات
ہر سال اسی طرح خدایا

شعلہ اے تیری نغمہ سنجی
اسپیچ کو نظم میں سُنایا

رباعیات

ہے کون جو بے ادب برابر ٹھہرے
جب دخل نہیں کسی کا کیونکر ٹھہرے
دربار وزیر شاہ کونین ہے یہ
جبریل یہیں سے کہہ دو باہر ٹھہرے

ولہ

نغمہ بہار کا ہے میری داستاں نہیں
بلبل چہک رہا ہے یہ رنگ بیاں نہیں
اعجاز ہے مسیح کا میرے کلام میں
میں فخر روزگار ہوں پر قدرداں نہیں

ولہ

فضول صرف سے پڑتا ہے فرق ثروت میں
شراب خواری سے لگتی ہے آگ دولت میں
تمام عیب ہیں دنیا کے مجھ میں لے شعلہ
نفاق و بغض و حسد تو نہیں طبیعت میں

ولہ

بیمار ہے جس نے ہو طبیعت ہاری
جیتا ہے وہ ہی کہ جس کی نہ ہو دولت ہاری
ہمدردی قوم کا کھلاڑی جیتا
ہارا ہے وہ ہی کہ جس نے ہمت ہاری

بند

یہ دن خوشا کہ وہ جو کے جلسہ کا ہے سرور
ہے چترگپت مورث اعلیٰ کا سب ظہور
باہم کے اتحاد و محبت کو ہے وفور
وہ آج پاس بیٹھے ہیں پہلے تھے کل جو دور

حاصل سوائے رنج نہیں کچھ نفاق میں
کتنا مزا ملا ہے کہو اتفاق میں

برہما کو حکم عالم ایجاد جب ہوا
ہوں چار عضو جسم سے چاروں برن جدا
چھتری و ویش و برہمن و شودر نام تھا
باقی تمام کا یا سے کایستھ ہو گیا

اس طرح ہر چہار برن کے ظہور میں
سب ایک ایک جزو کے ہم کل کے نور ہیں

اپنا ہی انتظام ہے کل کائنات میں
مسند نشین صدر وزارت صفات ہیں
ہم وہ ہیں جن کے خامۂ قدرت ہیں ہاتھ میں
بخشش جہاں کی ہے نگہِ التفات میں

دنیا کے اہتمام ہمارے ہی کل سے ہیں
اعمال نیک و بد کے محاسب ازل سے ہیں

قربت ہماری مالکِ کون و مکاں سے ہے
دولت ہماری بخششِ بحرِ گراں سے ہے
خلقت ہماری خالقِ ہر انس و جاں سے ہے
عزت ہماری مورثِ اعلیٰ کے یہاں سے ہے

دربار میں خدا کے مسل خواں ہمارا ہے
کل دفتر ازل میں قلمداں ہمارا ہے

اس مرتبہ کو پاکے بھی کچھ ہمکو غم نہیں
بیدم یہاں تلک تو ہوئے دم میں دم نہیں
نادم تو ہیں مگر کسی گردن میں خم نہیں
کیا کیا ہماری جان پہ ٹوٹا ستم نہیں

اعمال نامہ اپنا اگرچہ سیاہ ہے
ہم اسکی پشت میں ہیں جو سبکی پناہ ہے

ایک ایک بھائی دوسرے بھائی سے ہے الگ
حقہ الگ کسی کا کسی کی ہے نے الگ
نااتفاقیوں سے ہے ہر ایک تنے الگ
گاتے ہیں ایک راگ مگر سب کی لے الگ

سچ یوں ہے اتفاق سے دل ہی اچاٹ ہیں
جو پہلے بارہ بھائی تھے اب بارہ باٹ ہیں

آپس کے اتحاد کا کیوں بند رستہ ہے
دل ہیں ملال ور دستۂ ہم شکستہ ہے

ظاہر ہے یہ کہ حال جو کچھ اپنا خستہ ہے
مورث کا مندر دل کی طرح سے شکستہ ہے

اے شعلہ اپنے حال کو کیا جانتے نہیں
اولاد کے بھی فرض کو پہچانتے نہیں

جلسہ کایستھ کانفرنس بریلی ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء

رباعی

سب ہی ملتے ہیں جب ایسا ہی سبب ملتا ہے
بھائی بچھڑا ہوا افسوس ہے کب ملتا ہے
ایک کا ملنا بھی کل قوم کا ملنا ہے یہاں
گیارہ ہو جاتے ہیں ایک ایک سے جب ملتا ہے

مسدس

۵ کیا شاندار جلسۂ عالی وقار ہے
ہاں فرض شکر رحمت پروردگار ہے
کایستھ کانفرنس عجب لالہ زار ہے
ایک ایک گل یہ لاکھ چمن کی بہار ہے
دامن مہک رہے ہیں نہالان قوم کے
بلبل چہک رہے ہیں گلستان قوم کے

پہچانتے نہ تھے جنھیں وہ دل میں آ گئے
دیکھا نہ تھا جنھیں وہ نظر میں سما گئے
برسوں سے جن کی ڈھونڈھ تھی اک دم میں پا گئے
کایستھ کانفرنس کے انداز بھا گئے

۱۰ اک اک سے ایک ایک کو دل بستہ کر دیا

سارا چمن سمیٹ کے گلدستہ کر دیا

دل ایک روح ایک بدن ایک جان ایک ۔ خوں ایک گوشت ایک رگ استخوان ایک
ہر اک کا اک خیال ہر اک کا بیان ایک ۔ بائیس لاکھ منہ میں ہے گویا زبان ایک
بھائی کے بدلے دولت کونین خاک ہے
دنیا میں ساری قوت بازو کی دھاک ہے

پہلی خوشی ہے کونسی اس جلوہ گاہ میں ۔ جس کا بھرا ہے شوق ہر اک کی نگاہ میں
آنکھیں بچھی ہوئی ہیں محبت کی راہ میں ۔ بیچین بھائی بھائی ہے بھائی کی چاہ میں
وابستہ دل سے دل ہے جگر سے جگر ہے آج
سچی خوشی یہی ہے جو پیش نظر ہے آج

بیتاب بھائی بھائی ہے جوش سرور سے ۔ قابو میں دل نہیں ہے خوشی کے وفور سے
حسرت نکالتے ہیں دل ناصبور سے ۔ نظریں لڑا رہے ہیں محبت کی دور سے
ہر دل ہے صاف نقش محبت جمانے میں
فوٹو اتر رہے ہیں اسی شامیانے میں

مجمع ہے بھائیوں کا ملاقات کی ہے دھوم ۔ اک اشتیاق خاص ہے سب کا علی العموم
اصلاح پر عمل ہے ترقی پہ ہیں علوم ۔ حرف غلط کی طرح سے مٹتی ہیں بد رسوم
ہٹتی ہیں روک ٹوک جو تھیں صاف راہ میں
تجویزیں پاس ہوتی ہیں قومی رفاہ میں

ہر گل الگ ہے گو مگر سب کی بو ہے ایک ۔ گو سر جدا جدا ہیں مگر آبرو ہے ایک
اختر ہیں بیشمار مگر سب کی ضو ہے ایک ۔ پہلو میں دل جدا ہیں مگر آرزو ہے ایک

بھائی وہی ہے بھائی یہ جو سرفروش ہے
ایک ہی لہو ہے جس کا ہر اک رگ میں جوش ہے

مجبور ہوں کہ وقت نہیں اس بیان کا آج
یہاں قوم کی سبھا ہے نہ یہاں آریہ سماج
ڈر ہے بگڑ نہ جائے کسی بھائی کا مزاج
اک ناتوان قوم کا منظور ہے علاج

بھیا جو اتفاق جمانے کا وقت ہے
دل سب کے ایک ہاتھ میں لینے کا وقت ہے

یہ پانچواں ہے جلسہ کا بستہ کنفرنس
ہوتا ہے اتفاق میں ایشور کا تیج انس
ہاں فتح کی نوید ہو اے چیتر گپت بنس
صد شکر ہے نفاق کا مارا گیا ہے کنس

آنکھوں میں بیچ جھوم بدلی کا ٹھاٹ ہے
جمنا کے بدلے گنگا پہ بسرانت گھاٹ ہے

مایوس ہم نہیں ہیں کسی کے نفاق سے
ملتے ہیں بھائی الفت و مہر و وفاق سے
کرتے ہیں کام قوم کا کل اتفاق سے
بے چین دل تڑپتے ہیں کس اشتیاق سے

ایک ہی معانقہ میں سب ارمان نکل گئے
پہلو سے پہلو مل کے ہم دل بدل گئے

وہ دل ہیں بس گئے ہیں جو آنکھوں سے دور تھے
ایک ایک دن کے گنتے ہیں دل ناصبور تھے
آنکھوں میں چھپ گئے ہیں جو دل سے نفور تھے
کیا کیا نہ جوششوں کے بہم ہی فور تھے

آغوش میں کھل رہی ہیں تپاک نظر کے بعد
بھائی ملے ہیں بچھڑے ہوئے سال بھر کے بعد

اے پیاری قوم آج کا دن کچھ عجیب ہے
مفقود وقت امتیاز امیر و غریب ہے

ہمدرد و ہاتھ دو رکھے قریب ہے — اس پر بھی گر شفا نہ ہو اپنا نصیب ہے

بخشے گا پھر بھی وہ ہی بلندی خیال میں
جس نے ہمیں کمال دیا ہو زوال میں

ہاں قوم کے ہیں زندہ جاوید جاں نثار — ہوتا ہے سب کو خدمت قومی سے افتخار
کیا ہیں خزاں نصیب اگر پھول ہوں ہزار — گلشن میں ایک سینچنے والے کی ہو بہار

کیا ایک افتخار ہے سارا ہی فخر ہے
جو فخر قوم ہے وہ ہمارا ہی فخر ہے

اے اہل قوم دیکھ لو کیا کر رہے ہیں اور — قومی ترقیوں کے لئے ہو رہے ہیں غور
نا اتفاقیوں کے اٹھائے ہیں ظلم و جور — مطلب بنائے جاتے ہیں اپنے ہر ایک طور

پامال تھے جہاں میں جو ہر پہ چڑھ گئے
پیچھے جو تھے ہٹے ہوئے آگے کو بڑھ گئے

جس نے دکھائی قوم کی صورت بگڑی — جس سے نشانی قوم کی حالت کی ابتری
جس نے کہ دی ہو ملک تیمر کو قیصری — شعلہ کو جس سے بجھتا ہے ملک سخنوری

اس چیز کیسے [illegible] کا حامی ہوا ہے
کایستھ کانفرنس کا حامی ہوا ہے

نظم جلسہ کایستھ کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۸۹۳ء

رباعیات

افسردہ ہوا اہل قوم کو اور بار ہو گیا — [illegible] ہو گیا

کایستھ کنفرنس جسے کہہ رہے ہیں سب	گیارہ کلا کا برج میں اوتار ہوگیا

ولہ

عظمت یہی ہے اپنی یہی اپنی شان ہے	آپس کا اتفاق ہمارا نشان ہے
دو قالب ایک جان یہ پورا خیال تھا	بائیس لاکھ جسم میں اب ایک جان ہے

ولہ

ہر زخم میں اک مزا ہے چھلنے کے لئے	ہر پھول میں رنگ و بو ہے کھلنے کے لئے
بھائی میں مخالفت ہماری کیسی	اٹھتے بھی اگر ہیں ہم تو ملنے کے لئے

مسدس

اے صاحبان جلسہ عالی فلک وقار	پہلے ہے فرض شکر خداوند کردگار
جس نے بنایا ملکہ قیصر کو تاجدار	ہم کو رعایا ہونے کا بخشا ہے افتخار

کایستھ کل ہیں تحت شہنشہ کے پا ہیں
اتنے عروج پر ہیں کہ ہم زیر سایہ ہیں

اب التفات کیجیے جلسے کے حال پر	کیا کیا کھنچے ہیں دلوں میں بہم کر
ہیں اک بزرگ قوم صدارت پہ جلوہ گر	اس اتفاق پر نہ کسی کی لگے نظر

ایک ایک کو دیکھیے ہر ایک شاد ہے
سچی خوشی یہ ہے کہ ہم اتحاد ہے

افسوس ہو کہ وقت مدامی یہاں کا رنج	آرہے گر نہ جائے کسی بھائی کا مزاج
یا لے برہم کی سے بنا تو نہ یہاں آر پہ رنج	اک ناتوان قوم کا منظور ہے خلق

بنیاد اتفاق جمانے کا وقت ہے
دل سب کے ایک ہاتھ میں لانیکا وقت ہے

ہو لطف جب کہ فرق نہ آئے اصول میں
بڑھ جائے بات کاش نہ ردّ و قبول میں
گھٹنا نہ بڑھے نہ سود کے لالچ سے مول میں
ملجائے اتفاق کی صورت ڈہول میں

بھائی خفا ہوئے تو منائے نہ جائیں گے
بگڑے ہوئے مزاج بنائے نہ جائیں گے

انساں کے جان و مال کا سہارا ہی اتفاق
ہر ایک مرض کیواسطے چارا ہے اتفاق
دنیا و عاقبت کا اجارا ہے اتفاق
آپس کا اتفاق ہمارا ہے اتفاق

باہم ہے دل شکستگی طرز خلاف سے
پڑتی ہے چوٹ قلب پہ اس اختلاف سے

میرا خیال خام مری گفتگو غلط
ہوتی نہیں ہے خون برادر کی بو غلط
چلتے نہیں ہیں بن کے کبھی نیک خو غلط
دو ٹوٹے نہ بھر کے جوڑ ہیں جو وہ لہو غلط

اظہار عرض حال تھا اک احتیاج کا
یہاں جانتے نہیں ہیں بگڑنا مزاج کا

ہاں قوم کے ہیں زندہ جاوید جاں نثار
دلکش چمن ہے قوم کا اور پھول ہیں ہزار
ہوتا ہے سب کو خدمت قومی سے افتخار
گلشن میں ایک سینچنے والے کی ہے بہار

کیا ایک افتخار ہے سارا ہی فخر ہے
جو فخر قوم ہے وہ ہمارا ہی فخر ہے

ہیں جسم قوم کے لئے جان و جگر عزیز
انساں کو جس طرح سے ہوں چشم و نظر عزیز

جیسے بہار باغ کو پھول اور ثمر عزیز
جیسے فلک کیواسطے شمس و قمر عزیز

فقرہ یہ اتفاق کا نظم فصیح ہے
اک خضر ہے تو دوسرا اُنکو مسیح ہے

اب وہ دکھاؤں ایکجلسہ جو ہے دھوم
اصلاح پر عمل ہے ترقی پہ ہیں علوم
اک اشتیاق خاص ہے سب کا علی العموم
حرف غلط کی طرح سے مٹتی ہیں بدرسوم

ہٹتی ہیں روک ٹوک جو ہیں صاف راہ ہیں
تجویزیں پاس ہوتی ہیں قومی رفاہ ہیں

سب سے بڑی برائی تھی جو قوم میں بھری
پہونچاتی ہے زوال کو جس نے تونگری
پھیلی ہوئی تھی جسکی ہر اک گھر میں ابتری
سیرت میں مثل دیو ہے صورت میں ہے پری

جن کے سبب سے قوم کا چہرہ سیاہ ہے
کیوں نام لوں کہ نام بھی لینا گناہ ہے

کایستھ کنفرنس ہی اور ہر جگہ ہی دھام
ہاں سب گناہ بانٹ کے کردینگے اذن عام
میں کیوں گناہگار ہوں پاک لیکے نام
تو لکھ سکوں شراب تھی ظالم نمک حرام

قطرہ وسعت اس کے سینوں میں پار پڑ دیا
بوڑھوں کو ڈبا دیا ہے جوانوں کو کھو دیا

ظاہر ہے اس نے قوم کا جو حال کر دیا
مفلس بنا دیا ہمیں کنگال کر دیا
وہ سرچڑھی کہ ہمیں کے پامال کر دیا
مٹی کا ڈھیر سارا زر و مال کر دیا

دیواریں گھر کی تا بہ کمر ٹیکنے لگیں
دولت سرائیں اپنی کھنڈر دیکھنے لگیں

صد شکر یوں رہی ہے کہ گویا کبھی نہ تھی — اتنی گھٹی ہے قوم سے جتنی چلی نہ تھی
اتنی ملی ہے خاک میں جتنی دبی نہ تھی — اتنے کھنچے ہیں ہم اُس سے وہ جتنی کھنچی نہ تھی

مے نوش کو کہیں گے بڑا قہر ہو گیا
جس کو شراب کہتے تھے اب زہر ہو گیا

اب مختصر یہ شکوہ گزاری کا ہے اصول — میں مختصر کہوں گا یہ مضمون ہے بہت طول
سچ ہے کہ قسمتوں ہی سے ملتی ہے رنج و ہول — جتنی پیار تھا نہیں وہ سب ہو گئیں قبول

چلنے سے کے وقت گویا کرامات ہو گئے
جو ہاتھ اُٹھے وہ دست مناجات ہو گئے

اب ان کا شکریہ ہے یہ ہے جن کا اہتمام — جن کی بدولت آج میسر ہے رنج و ہام
وہ دوستوں میں جنہوں نے دکھایا یہ خوش مقام — پرشاد رنج کا ہے یہ دعوت ہے جنکا نام

بیٹھے سے بھی وہ تو اٹھے بھرے ہوئے
لٹے نہیں ہیں رنج کے ٹکڑے کرے ہوئے

اب اہل قوم جلوہ فزائی کا وقت ہے — باہم کے ارتباط و صفائی کا وقت ہے
رخصت نہیں ہے ہوش ربائی کا وقت ہے — لیجئے نشانیاں کہ جدائی کا وقت ہے

وعدے وفا ہوں ایسے ہی اپنی زبان سے
دیجئے نشانیوں میں دلوں کو نکال کے

پہونچی ہے نظم آئی ہے اب اختتام پر — نعرے خوشی کے پہونچے ہیں گردوں کے بام پر
ہاں ایک غرض اور ہے ختم کلام پر — دیجئے جہیز سورہ اعلیٰ کے نام پر

ہر روز دوست میں رہو دوس میں — چ — صبح اب بلا میں ہزاروں برس میں

نظم مصنفہ جناب منشی بنواری لال صاحب شعلہ وکیل علیگڈھ

(کایستھ کانفرنس مرادآباد ۱۹۰۵ء)

نوید

بہت ہوئی ہے بزرگان قوم کو گفت و شنید
چلی ہے اٹھ کے علیگڈھ کو پاکے سچ نوید
یہ سچ ہوا تا ہے قسمت ہی اپنا وقت سعید
خدا بھی کرتا ہے تحریک نیک کی تائید

مخالفت کا حقیقت میں کچھ کلام نہیں
ہمارا حق ہے پس و پیش کا مقام نہیں

اگرچہ آپ کی خدمت میں اہل جاہ و حشم
مگر ہے حوصلہ افزا کچھ آپ ہی کا کرم
بڑا سوال ہے لائق نہیں ہیں جو سکے ہم
ابھارتا ہے جو اٹھ اٹھ کے جوش خون دم

بڑا ہی گر ہے مقدر تو کیا گلہ ہوگا
اسی سوال پہ قسمت کا فیصلہ ہوگا

بجز ہمارے ہی مہمان آپ سب کے ہے
رہی ہمیشہ کو مایوس ہم جواب سے رہے
کہاں کہاں نہیں جلسے پہ روز شب کے رہے
ہمارے جوش ہمارے ہی دل میں دبکے رہے

کئی برس سے یہ روکھا جواب کیسا ہے
بتاؤ منہ میں ہمیں پیچ و تاب کیسا ہے

ہماری آرزوؤں کا ہے آپ ہی پہ مدار
نہیں تو قوم سے بے شبہ ہم پکار پکار
ہوا قبول گذارش ہی گر نہیں انکار
مرادآباد میں کنعاں کا تھا لگا بازار

ہر ایک ڈھنگ سے سو اہتمام سے کے ہیں

غریب بھائی کےکیپ پرسے ام کہتے ہیں

معاف کیجئے طرز سخن و لیسرانہ — ہماری عرض ہے آقا فقط علامانہ
نہیں ہے آپ کے نزدیک کوئی بیگانہ — ہر ایک پہ آپ کا الطاف ہے کریمانہ

بڑا ستم ہے جو پابوس ہوکے ہم اٹھیں
ہمارے سر کی قسم کھاکے اب قدم اٹھیں

کھڑے ہوئے ہیں غلامی میں کیجئے منظور — نہ دور یہاں سے علی گڑھ ہے اور نہ میرٹھ دور
سکندر آباد و شیر ار کی طرح مشہور — بلند شہر مظفر نگر سہارن پور

ہر ایک کا جوش الگ ہے یہاں تو ہے ایک
ہزار دل ہیں ہمارے مگر امید ہے ایک

غریب بھائی ہیں ہم اور ہمارا نو نہ کیا — جو کچھ بھروسہ ہے وہ آپ ہی کے چرنوں کا
ہمارے پاس ہی کیا کند مول پھل کے سوا — ہر ایک نیک عقیدت کا حوصلہ ہے بڑا

یہ رام گنگا ہے اور ہم گواہ ہوتے ہیں
ابھی سے زیادہ وہ دل فرش راہ ہوتے ہیں

ہماری عجز بھری لیجئے سمجھ لیجئے — گو ایسا رکی جلدی ذرا سمجھ لیجئے
الہ آباد کا حق دوسرا سمجھ لیجئے — اگر کمی ہیں گیا تو کیپ سمجھ لیجئے

قریب چھوڑ کے ہم کو حضور جاتے ہیں
گھروں پہ آ کے بڑے بھائی دور جاتے ہیں

وجود بھی ہیں بزرگان قوم کو معلوم — برادری کا جہاں پر بہت بڑا ہے ہجوم
ملا کے آگرہ سے دیہروں تک ہے دھوم — نہیں اٹھے ہیں یہاں سے ابھی قبیلہ سوم

بُرائی ضد پہ غریب امیر بیٹھے ہیں
اُسی لکیر پہ سارے فقیر بیٹھے ہیں

بڑائی اپنی حقیقت میں خود حقارت ہے
مخالفت کی ہر اک بات میں حرارت ہے

ثواب پیر مغاں کی یہاں زیارت ہے
نہ کوئی صنعت و حرفت نہ کچھ تجارت ہے

دل برشتہ کی جا ہیں کباب سینے میں
ہر ایک صدر نشیں ہی شراب پینے میں

سنوارنا ہی انھیں کا جو کچھ بگڑتے ہوں
انھیں سے کرنی ہے صلح جو مفت لڑتے ہوں

انھیں کے گھر کو بسانا ہے جو اجڑتے ہوں
سنبھالنا ہے انھیں کا جو گرتے پڑتے ہوں

ہزاروں طرز ستم ہیں ہماری جاں کیلئے
زمیں ادھر ہی بہت ہے کچھ آسماں کیلئے

نہیں ہیں قابل الطاف خاص ہم ہرچند
ملے نہ آپ کی سرکار کا کیوں ہمیں اسند

مگر یہ تجھ کرم تو نہیں کسی پہ بند
کہ مستحق کرامت گنہگار اسند

خوشی ہے آپ کی پھر جائیے جدھر چلئے
یہاں سے اُٹھ کے ہمیں پہلے پاک کر چلئے

نہیں ہے عجز سے خالی کبھی ہمارا سوال
نہیں یہ چھوڑتے ہیں شکوہ ہائے ماضی حال

یہ جوش خوں ہی سمجھیے نہ شاعرانہ خیال
مبارک ہم کو اسی سے ہوا نیا سال

ہمیں بھی قابل شکر و سپاس کر دیجئے
نہیں ہے دور کا تو نہ یہ پاس کر دیجئے

خوشا نوید وہ مقبول جس کی صورت ہے
مخالفت سے بہت صاف بے کدورت ہے

اب آپ وٹ کے لینے کی کیا ضرورت ہے
گھڑی خوشی کی مبارک ہے خوش صورت ہے

صدور حکم جو مضمون طول ہوتا ہے
پھر زدیکھئے نوشتہ قبول ہوتا ہے

دعا قبول ہوئی چرخ جور بھول گیا
زمانہ گردش قومی کا دور بھول گیا

خوشی میں ختم سخن کا بیان اور بھول گیا
دعائے خاص کا دینا اک اور بھول گیا

نگاہ پڑنے لگے اپنے مہمانوں کو
خدا ہمیشہ کے رکھ لے اب سمانوں کو

چیرز

شکریہ منتظم وہم کایستھ کانفرنس علی گڑھ از منشی بنواری لال شعلہ

جس پہ تمام کام کا دار و مدار ہے
پہلے تو شکر رحمت پروردگار ہے

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

عزیز بھائی اقارب شفیق محسن دوست
عجب ہے لطف نظارہ جدھر کو دیکھتے ہیں

نگاہ چہروں پہ ہے پتلیاں ہیں قدموں پہ
لگی ہیں آنکھیں کدھر اور کدھر کو دیکھتے ہیں

کہاں تکلف کے گھر کس کے در پہ پہونچے
ٹٹولتے ہیں دلوں کو جگر کو دیکھتے ہیں

مراد آباد سے لائے ہیں کس تمنا سے
ہم آج اپنے گئے سال بھر کو دیکھتے ہیں

وہ آرزو تھی کہ جس کے لئے یہی دن تھا
وہ ابتدا تھی کہ جس کی خبر کو دیکھتے ہیں

بنائے کا علی گڑھ کا کنفرنس عملی
بزرگ قوم میں اصحاب غیر قوم بھی ہیں
دلوں میں لیتے ہیں ان کو تو آنکھوں میں

ہم اپنے خون کے سینچے اثر کو دیکھتے ہیں
کبھی ادھر کو کبھی ہم ادھر کو دیکھتے ہیں
نظر سے لطف و کرم کی نظر کو دیکھتے ہیں

ادا ہو ملکہ قیصر کا شکریہ دل کر
کہ جس کے تاج میں ہر گل کو دیکھتے ہیں

گو لطف نظم کا کوئی جلسہ نہیں ہے یہ
مشہور ہو کلام تمنا نہیں ہے یہ

بزم سخن نہیں ہے تماشا نہیں ہے یہ
تعمیل حکم بھی نہ ہو زیبا نہیں ہے یہ

گو میں کھڑا ہوں اور ہی امید کے لیے
حالات کچھ ہیں اور ہی تمہید کے لئے

دو سال ہی مراد آباد میں تو ہمارا تھا
سب نے کیا قبول یہ قسمت کا پارا تھا

ہمت بھی بھائیوں کی خدا کا سہارا تھا
اک چار کی زبان تھی کس کا اجارا تھا

دل میں بڑی تمنا جیسا دکھانے میں جوش تھا
اب تک ہی یہ جوش جو لانے میں جوش تھا

اب تک کے معنی ہم نہیں سمجھے یہ جوش کیا
آندھی کا جھونکا آیا ادھر اور ادھر گیا

کس کام کا وہ جوش جو دو چار دن رہا
اک ابلہ سا دلوں میں تھا دب کے جو اٹھا

سچ ہے کہ صبر و شکر بھی انساں کی جان ہے
جو جوش جلد اٹھتا ہے وہ اک ابھان ہے

ہم نو برس خموش اسی بات سے رہے
مجبور بھائیوں کی ملاقات سے رہے

معذور اپنے عجز مدارات سے رہے
محروم خاص لطف و عنایات سے رہے

سب ایک دل نہ کیوں ہوں علیگڑھ کا نام ہے
بعد ایک کے صفر ہے کہ دسواں مقام ہے

کہتے ہیں کنفرنس نے ابتک کیا ہے کیا
عملی نہیں ہے بات نہ کچھ اس سے فائدہ
سو دو سو بھائی جوڑ کے جلسہ بنا لیا
ملنے کی کچھ بہار ہے دعوت کا کچھ مزا

دعوے انہیں یہ ہے کہ مفید ہر نمط ہے یہ
کس کا خیال خام غلط در غلط ہے یہ

تم دس برس میں چاہتے ہو پہلوان بنے
ہاں پالے جانے اسے جیسے جواں بنے
گودی سے یہ اترتے ہی چنگیز خاں بنے
بانی جب اسکے بوڑھے ہوں تب جواں بنے

مدت کے ڈھیلے ایک ہی دن میں بھرتے ہیں
صدیوں کے بگڑے دس ہی برس میں سنورتے ہیں

قبضہ ہمارا خاص ہے بس وفاق پر
یعنی مخالفت کو بھی رکھتے ہیں طاق پر
ہم وہ ہیں جان دیتے ہیں جو اتفاق پر
ہم وہ ہیں خاک ڈالتے ہیں جو نفاق پر

چنگاریوں کا طرز یہ ناقص صلاح بھی
شعلہ کا پھوٹنا یہ غلط اصطلاح بھی

دل بھی وہی وہی ہے محبت بھی ساتھ ساتھ
تھوڑی ہی سی بدلی ہے یہ لذت بھی ساتھ ساتھ
جو کچھ چکے ہیں اسکی ہے ہمت بھی ساتھ ساتھ
زحمت بھی ساتھ ساتھ ہے رحمت بھی ساتھ ساتھ

بدلی نہیں ہے بات نہ بدلے مزاج بھی
ہم گویا اپنے دعووں میں سچے ہیں آج بھی

آئی نہ کچھ سمجھ میں کہ تقریر کیا ہے یہ
مضمون پروگرام سے کیوں دوسرا ہے یہ

جو خاص میرا فرض تھا اس سے جدا ہے یہ
مہمان کہہ رہے ہیں کہ کیا کہہ رہا ہے یہ
تھوڑی سی مہربانی یہ اک مہرباں کی تھی
ہیں کس طرف چلا گیا ڈوبی کہاں کی تھی

اظہار شکر کی مجھے عزت عطا ہوئی
محفوظ آج تک تھی جو نعمت عطا ہوئی
ہے جس پہ سب کو فخر وہ خدمت عطا ہوئی
اک سال کی دبی ہوئی دولت عطا ہوئی
طاقت بقدر جوش بیاں تو نہیں ملی
سب کچھ ملا مگر وہ زباں تو نہیں ملی

یاں ایک اور عرض ہے گو کچھ قصور ہے
ظاہر پرستی طرز محبت سے دور ہے
کچھ شکریوں کے واسطے حد بھی ضرور ہے
ہم کو مبالغہ سے سراسر نفور ہے
سچے ہو دوست شکرے کیا سچے چاہئیں
سچے ہو بھائی شکرے بھی سچے چاہئیں

کیجے معاف ملتے تھے رستے میں شکرے
سو کہیے میں شکرے تھے برستے ہیں شکرے
پتے اور پیڑوں کے تھے بنتے ہیں شکرے
تھے ایک بھاو قحط میں سستے ہیں شکرے
بے بات جن سے ملتے ہیں وہ کیا ہیں شکرے
یاں شکریوں کا فرض ہے زیبا ہیں شکرے

گو کچھ خوشیوں سے ہمارے خفا تو ہیں
آغاز میں نہیں تھے دم انتہا تو ہیں
لیجے یہ سارے فرض محبت ادا تو ہیں
قیمتی نہیں ہیں مگر بے بہا تو ہیں
بچے رہے ہیں شکر و سپاس فضول سے
ہٹتے نہیں ہیں آج بھی اپنے اصول سے

یاں شکریے ہیں کہ مخصوص ادا کریں
الفت کے ولولے ہیں جو دل میں اٹھا کریں

ہر شکریے کے ساتھ میں شکر خدا کریں
یہ شکریے وہ ہیں جو کلیجے جدا کریں

کافی ہمارے لفظ کسی کے لئے نہیں
اظہار عاجزی سے فقط شکریے نہیں

آنکھوں کو آرزو تھی کہ زیر قدم بچھیں
جان جگر کو شوق تھا ہم دمبدم بچھیں

دل کہہ رہے تھے تم نہ بچھو پہلے ہم بچھیں
ہم کہہ رہے تھے ایسا نہ ہو فرش ہم بچھیں

دل پہ رہیں گے سر پہ ہیں یہ پریشاں
کیا بھائیوں کے پاؤں زمیں پر رہیں یہاں

ایک سینہ ایک جان جگر ایک ایک دل
بے جوش خون فضول ہے دنیا کی آب و گل

دو آنکھ دو ہیں پتلیاں دو پتلیوں میں دل
اے کاش بھائیوں کو نہ ہو یاں پڑے خلل

ہر دم دعا خدا سے یہی دنیا میں ہم نہ ہوں
آنکھوں کی پتلیوں میں جو نقش قدم نہ ہوں

دل ایک روح ایک بدن ایک ایک ہو
مدت سے تھی تلاش تو برسوں سے جستجو

گل ایک رنگ ایک چمن ایک ایک بو
بر آئیں سب امید نکل آئیں آرزو

دولت نصیب میں تھی جو پاؤں میں لائے تھے
یہ وہی تو قدم ہیں جو آنکھوں سے لگائے تھے

کچھ بھی کیا ہے تم نے مدارات کچھ نہیں
سمجھے تو ایک حرف ہے یہ بات کچھ نہیں

خادم ہیں آپ کے تو دنیا بات کچھ نہیں
[illegible] کی مدارات کچھ نہیں

کیجئے معاف آپ ہیں اگر کچھ قصور ہے

جو کچھ ہے یہ وہ آپ ہی کا سب ظہور ہے

یہ سارا فیض جو الاہی پرشاد کا ہوا
اک چھوارا دو نہ بھائی شیو پرشاد کو ملا
اک وقت دوست لیسٹر بھی پرشاد نے لیا
اور بابو رام دیال نے چھوہارا سا

عزت یہ میزبانی کی باتوں میں لٹ گئی
دولت ہماری چاری ہاتھوں میں لٹ گئی

ہم کیا ہماری کوششیں کیا ہم سے کیا ہوا
خدمت گزار قوم ہیں فضل خدا ہوا
احسانمندیوں کا یہ کیا شکریہ ہوا
حق تو یہ ہے کہ حق نہیں ہم سے ادا ہوا

بھائی ہو مہربان ہو فقط میہمان ہیں
تم اپنے میزبان بھی ہو ہم میزبان نہیں

تشریف لائے ہیں جو رؤسا نامدار
رونق فزا ہوئے ہیں جو حکام باوقار
ایک ایک کے ہیں الگ شکریہ گذار
جلسہ کا فخر ہے یہ ہمارا ہے افتخار

شکر و سپاس پھر بھی ہے ختم کلام پر
پھر بول چیرز ملکہ قیصر کے نام پر

اے میزبانو خوش ہو مدارات بن گئی
جیسی ہماری تھوڑی تھی اوقات بن گئی
اچھا ہو یا برا ہو مدارات بن گئی
گویا سمجھ کہ کنفرنس کی ہر بات بن گئی

اٹھیے سروں سے ہاتھ کو پھر دعا کرو
ہم نادم و آب ہو گئے شکریہ ادا کرو

فقط

نوحہ وفات بابو طوطا رام صاحب وکیل مرحوم

جلسہ تعزیت ۱۴ دسمبر ۱۹۰۲ء

رباعی

ڈرنا ہو اگر تو ایک بدی سے ڈرنا — کرنا ہو جو کچھ تو کام اچھے کرنا
جینا ہو تو کچھ بھلائی کرکے جینا — مرنا ہو تو نیک نام ہو کر مرنا

دیگر

او بے خبر آج ہاتھ کیا ملتا ہے — آیا ہوا وقت بھی کہیں ٹلتا ہے
ہر نیک عمل ہے آخرت کا توشہ — اسباب یہی ہے ساتھ جو چلتا ہے

دیگر

ہستی کا نشاں مٹا چکا ہے کب کا — دنیا سے قدم اٹھا چکا ہو کب کا
کاندھوں پہ جو ہمرے کے نیچے ہو تابوت — او پیادوں سوار جا چکا ہو کب کا

بند

افسوس کس کا مجمع اہل عزا ہے آج — دنیا سے نیکنام یہ کون اٹھ گیا ہے آج
موقع جو خوشنما تھا وہ کچھ بدنما ہے آج — جلسوں کا جو مقام تھا ماتم سرا ہے آج

برہم خوشی کے کام سب اک دم سے ہو گئے
کیوں بابو طوطا رام الگ ہم سے ہو گئے

تصویر کو خیال نے رکھا ہے رو برو — مرحوم ہے اسی طرح آنکھوں کے رو برو
لہجہ سنائی دیتا ہے اور طرز گفتگو — سب کو گمان ہے ابھی زندہ ہو دیکھو